حرف ش

حرف ص

حرف ض

حرف ط

حرف ظ

حرف ع

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ
۱۹۲۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

آبرو - آپ کا نام نجم الدین تھا - مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے - آبرو تخلص تھا خود نہایت مشاق سخن گو تھے - مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے - تذکروں مین جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے، اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا - ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے - آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے پیر مکھن متخلص بہ پاکباز سے دلی محبت تھی - آزاد کے علاوہ بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا جانجانان مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی - یہان تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچتی تھی - اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا - بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو - مگر انقلاب زمانہ نے ہم تک نہین پہونچنے دیا - البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا مین لانے کی اجازت دی - تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن مین اگرچہ ظرافت کا پورا رنگ نہین ہے پھر بھی ان کو اس سے علٰحدہ نہین رکھا جا سکتا -

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ ان کے معاصر مرزا جانجانان نے چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو میں یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ مین اک گانٹھ ہے　　　آبرو سب شاعرون کی ... ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو مین یہ شعر کہا

کیا کرون حق کے کئے کو کور میری چشم ہے　　　آبرو جگ مین رہے تو جانجانان ... ہے

یہ لطیفہ ہرچند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔ انھین کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یار و خدمتگار خان خوجون کے بیچ　　　ہے تو مستثنیٰ ولیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہین چلا۔

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے مین نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایہ عمر بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ مین اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس مین۔ سیاہ۔ کالا۔ اندھیرا۔ یا انکا مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ ان حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اسی مین جو شعر یاد رہگئے وہ لکھتا ہون اتفاق سے دیوان مین ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہین ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قربان　　　لوگ کہتے ہین مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہین ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے مگر جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہین ہے کہ تمام دیوان مین ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شایستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے ۔

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے ۔۔۔ کہ کالے سانپوں میں مناسا کھنکھجورا ہے
خلاف وضع ہے مرتا نہیں فرنگی پر ۔۔۔ میں آبنوس ہوں مرتا ہوں جامن نگی پر
زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جاننے والوں نے ۔۔۔ کالی گھٹا کے کالے پھلینہ ہے کھائے کھلانے والوں نے
جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں ۔۔۔ مجھسے کہتے ہیں تیسرا کالا منھ
ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھکو ۔۔۔ کالے پانی اتار دو مجھکو
اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ ۔۔۔ مگر وہ بت سلونا سا لونا ہے
خال و خط اس کے ہیں رخِ روشن پہ ۔۔۔ لال کملی میں کالے تل سمجھو
تر شردئی میں اُن کے موٹے ہونٹ ۔۔۔ کالے شہتوت کے برابر ہیں
رام ہو جائے گا بت کافر ۔۔۔ پوجتا ہوں میں کالی مائی کو
ان چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں بار مسی کا ڈالا ہے ۔۔۔ میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے
خال ہیں اُس کے روئے انور پر ۔۔۔ کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر
دل میں کھینچی ہے زلف کی تصویر ۔۔۔ ساتھ ہے میرے میرا کلوا بیر
سجدے کا نشان شیخ جی کا ۔۔۔ ماتھے پہ کلنگ کا ہے ٹیکا
زلف شبگوں تمھارے چہرے پر ۔۔۔ باغ کی ایک کالی کویل ہے

اختؔاہ سید ضمیر حسین نام ہے - اختاہ تخلص ہے فیض آباد کے رہنے والے ہیں دور موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ نہیں کہتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی اقتضا طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسیوجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کر دیتے ہیں۔ حتی کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو آن سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی اخاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد یا فیض استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب[1] لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہرحال مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوا دیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور زندہ دلی کے تصویر رنگین سے کم نہیں ہے۔

بیوی نے کس خوبی سے شوہر کو آپا کردیا ۔۔۔ اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگ سے پیدا کردیا

یہ کہتے پھرتے ہیں بابا لیے طالب ڈوٹے ۔۔۔ ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشتکار نہیں

دل غریب کو بس ہم نے دو ہاتھ کی کٹک ۔۔۔ کہ میں نظام نہیں دل مرا برار نہیں

میں نے اڑ کر بے کو شکل اس ستم ایجاد کی ۔۔۔ یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھے جب لے میں کہو نالہ کرو ۔۔۔ تک دیا غالب[1] کوئی لے نہیں فریاد کی

آگ رکھکر پھونکتے بھی کچھ بچا اچھا ہوا ۔۔۔ آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوانح نام

---

[1] غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے ؎ فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ۔۔۔ نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلانا سکونت معلوم ہوئی شعر درج ہیں -

ایک بڑھیا سے ہنسنے کی یاری — ساری دنیا میں ہو گئی خواری

رات کو اُس کے پاس جب لیٹا — بولی چُپ ہو کے سو رہو بیٹا

آس - یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے - مگر جہاں تک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا ۱۹۱۱-۱۲ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا - اس انجمن میں لکھنؤ کے نامور شعراء شریک تھے صفی - محشر - عزیز - ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا - اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا واجد حسین یاؔس عظیم آباد سے آ گئے - چونکہ مرزا یاؔس کو شاعری کا ایک فطری ذوق تھا - اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے - مگر چونکہ ان کو حسب خواہش داد نہ ملسکتی تھی اس لئے ان کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں - اگرچہ مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکائے معیار حقیقتاً اُن کو اپنا ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ ان کو بعض بعض مرتبہ بنایا گیا - مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری - اہل قلم تھے خاموش نہ رہا گیا - اعتراضات کرنا شروع کئے - اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیئے اُدھر سے ان کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اُسی کے نام سے یہ فخریہ رجز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

ہر آں کو نہ داند بہ داند مرا — ستایش کنند تا تواند مرا

جہاں پہلواں آس پیر دل منم — بہ گردان مشنی مقابل منم

سپر پیش من جملہ انداختند — رسیدند و دردند و دل باختند

ہلاکلہ ستان بدریم ما — سپئے یزدلاں شیر غریم ما
نہ ازخیل آتش پرستاں منم — نہ یزداں کہ درکیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ ازقلم — منم طعنہ بر مصحفے میزنم
بیلے ہیچ من نیست اندر جہاں — ہنر پیہ تر یا کنم ہنر بہ زیاں
نماید اگر روے من ہیچو قیر — بہ دل پاس را دیدہ دونیم پیتیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس — بود در دلِ کافراں جاے پاس
دل کافراں ہیچو دوزخ بود — نہ دوزخ سپئے پاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو — تفو بر رُخِ یاس اینک تفو

آزاد - ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا لُہار اور بدایوں کا رہنے والا تھا - محبی قمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوے -

آزاد کی سب خانہ بدوشی کا یہ عالم — کاندھے پہ لیے پھرتا ہے چھپرکی دن ہے
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی — اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دونا دیکھ کروالو

آسی - خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے - اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہوسکتا - مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا اُن اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے - بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ خود ہی تفصیل کردوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھوں گا -
میرا مولد و مسکن قصبہ آلدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے - بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے اچھے اچھے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدائش سنہ ۱۸۹۳ء میں ہوئی سنہ ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعدہٗ ناظرہ مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی۔ ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق سنہ ۱۹۱۰ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے اُن میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں اُن لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً اُن کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے۔

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ظریف اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کروں۔ مگر بیکار ہے۔ شمشیر رستانا ناول چار حصہ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا - پھول وتی چار حصہ - یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے - اور سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے - علم الشعر اس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا - مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے - ملا زاغلول - ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ پر پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے - اقوال اکبر - اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا آئین اکبری سے ترجمہ کیا گیا ہے - عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے - ترجمۂ پارۂ الحمد - قرآن شریف کے پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے - یہ ابتک چھپا نہیں ہے - شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے - شرح دیوان غالب اردو - غالب کے اردو دیوان کی شرح ہے - جو متداول اور مشہور ہے - رسالۂ علم النفس سائنس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سر ودے کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا - تذکرہ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اردو فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے - تذکرہ الظرفا - یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں - اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں - ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا - مگر اُس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں -

میں نے اوائل جنوری سنہ ۱۹۰۰ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا - اسی زمانہ سے میں سنہ ۱۹۱۰ء تک مستقل طور پر دہلی رہا - اس کے بعد سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا - جہاں سنہ ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھاتا رہا - اس کے بعد سنہ ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا - اور مطبع ہمدرد ---

دلکشنی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۴ء۱۹۱۳ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا۔ اور اُس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولٰنا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جارہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو ابتک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کرکے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تعفن ہو جاتا ہے۔ سننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اُس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانۂ حیات میں لگایا جاسکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیاً منسیاً کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہران فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے
دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق
کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی
کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں برشتگی کا طلبگار
ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم ادھر ان مدعیان تیغیر
کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بھٹک گئے اور ایسے
بھٹکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجا کر سراسیمہ
و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی
غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔
نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر
و تاثر کی جان ہیں۔ غرضکہ ان لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل مشکل
ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام
فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔
تیسرا گروہ تھا جسکا دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ
دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی
کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جس میں مخصوص عورتوں کے ناز و
نخرے۔ ادائے بیچا بانہ۔ انداز بیباکانہ۔ انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی
اور صاف صفائی پر تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جبکہ
میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر ان مذکورہ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ
ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ شدرا۔ رفتن نہ جائے
ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

بیت بیت غزل کہنی شروع کیں - اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا درد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں - اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں - مگر حاسدان بدبیں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے - تا اینکہ اب برا بھلا کہتے ہیں - مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذلک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہو کر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا -

احباب کی شکایت بیجا ہیں کیا کروں — میرے ہنر کو ہیں ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں پر تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں -

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں — ہاں مگر ڈرتے تھے سب جس سے وہ ہمت نہیں
قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا — جج نے تو یہ کہہ دیا تبا سے ہمیں فرصت نہیں
ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی — پا پیادہ چلنے کی بس دو کوس پر ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا — کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا
جناب شیخ کبھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں — پلنگ اچھا ہے حلوا اچھا ہے اعلیٰ ہو نہیں سکتا
مرے سوز دروں کو دیکھ کے ڈاکٹر بولا — کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا
ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی — چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے — ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس دور نامیمون میں — پائجامہ جذب ہو کر رہ گیا پتلون میں

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا گائی　　دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہے گندن بائی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے چرکے نہ اب آپ کھائیے　　ہوٹل میں رہیے اور مٹن چاپ کھائیے

جن کو درازی شبِ غم کا گلہ ہے کچھ　　بنگالنوں کے جاکے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ تکدر ہو اگر طبعِ ظرافت سنج میں　　دیکھ لے جاکر مسوں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اُسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلافِ مذہبی جس وقت پیدا ہو گیا　　اتحادِ قوم چوں چوں کا مربہ ہو گیا

قومی تحریک کی عجب ریل پیل ہے　　کہتے ہیں جسکو جیل وہ لڑکوں کا کھیل ہے

لیڈر نہیں ہیں کہیے انھیں سار بانِ قوم　　اب تو انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانساماں کی رسوائی قبول　　کیک دشواری طلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ نیا دور ہے ہر رسم کی تجدید کرو　　کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعرانِ لکھنؤ واں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں　　جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں

ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں　　وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں　　شیخ بیچارہ تو آسی مفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے ہم نے بزرگوں سے — مگر بدقسمتی سے آج تک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی جورو — مگر میرے نزدیک دونوں سچے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں — یہ کہہ کے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا — بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اوڑھنا ہے — سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے

جو جوش قوم بڑھائے وہ ہے مری اسپیچ — جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ ان کا چندہ ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر — شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و بتول کا — قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہو جوش ادھر شانتی بھی ہو — اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم تم ہیں — اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرت ناصح — آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

میں اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصح شفیق
ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے

وبالِ جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم
کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے

اس سے بہتر اچھے ہیں واعظ کے وہ قول الکفر
ڈارون نے تو ہمیں انسان سے بندر کر دیا

کیا پوچھتا ہے حالتِ دل اے طبیب تُو
چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو

اے شیخ تجھکو حالتِ جنت سناؤں میں
دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھ دے جو جیب تو

آشفتہ — عنبر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے قائم چاندپوری سے اُردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض "ریاض عنبر" ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریح الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ "تدقیق الخیال" ان کی یادگار ہیں۔ ۱۲۰۳ھ تک بقید حیات تھے۔ آخر وقت میں مراد آباد آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خاں کے تکیہ میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

شرارت تھی بھری ہرجائی کی ایک ایک لٹ میں
ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں

کوئی توبہ الٹے سیدھے سے اپنے جی کو الجھائے
مری انگیا گئی پھٹی ابھی تو چار کھوٹی میں

آشوب — یعقوب علیخاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے زندہ دل، یار باش خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس پچاس
برس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازاربند — ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازاربند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے — کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازاربند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے — وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازاربند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ — وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازاربند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے — بانکا چھبیلا اور رسیلا ازاربند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں — کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازاربند
آشوب ان کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے — اس واسطے وہ ڈالے ہیں سیلا ازاربند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا — کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اک دن بچا کر — کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے مٹے کے — کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیر لگے ہیں — بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

آنکر لیس۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی
یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا
جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا
جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طرز پر سناتا۔ افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے
تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے - نہایت مسخرا ہے - پوچ بے معنی شعر کہتا ہے - خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اسی کا ہے -

در عشق تو بے جیوڑی بہت نچا پچ   یہ پھرکی وہ دنّا یہ غچ وہ غچا پچ غچ

اٹل - تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے - میر جعفر زٹلی کے معاصر تھے - کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا - نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے - ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی - ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی - جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا - چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے - لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی -

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجب خلط مبحث سے کام لیا ہے - مسٹر الیٹ فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے ان کو دھوکے میں ڈالا - حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں - تذکرہ خمخانہ میں ان کو دہلوی لکھا ہے - مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے - کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے - اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے - میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے - مثلاً "پنا ہڈائی وچوڑائی میر محمد جعفر زٹلی بڑے بھائی ہر روز از وبائے میا لی سکھی باشند - از سید اٹل بعد از دہینگ و جوہار بست و بسیار - ومنوہار ہشیار او جھل و مخفی نماند -

اسی رقعہ میں یہ حضرت میاں جعفر سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "اہنگ ملاپ و اشتیاق آں یگانۂ آفاق از حد بر گذشت و بیت بیروں و از جہت اندیشہ افزوں لیکن بموجب آنکہ کُلُّ اَمرٍ مَرہُونٌ بِاَوقَاتِہَا حوالہ نمودہ دو انچہ رسے نگارد"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میر اٹل ابھی میر جعفر زٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے معاصر اور ایسے مشہور معاصر سے ملاقات نہ کرتے۔ بہر صورت بہت ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ہی وہ دہلی آئے ہوں اور پھر یہیں سکونت اختیار کی ہو اور جعفر زٹلی کے شاگرد ہو گئے ہوں۔ کلام تلاش سے بہت کم دستیاب ہوا جو کچھ مل سکا یہ ہے۔

چھپّر میں سیر اٹل زبارش و باد ... کی جیکد ہیچ کہنہ بند و کشاد
تجھے دے خدا پھول پھل دودھ پوت ... چو سُبحَانَ حَیُّ الَّذِی لَا یَمُوت

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے ... جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

رجپوت بچہ نازنیں زلفیں رکھے جوں مار کج ... زلفاں کج و ابرو کج و مژگاں خنجر دار کج
ظالم کماں سے شوخ و شنگا دیمروت پر جفا ... دستار و مکدار کج زلفش عجب بلدار کج
کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی ہو وہ ترچھی نگاہ ... گھوڑے چڑھا اسوار کج باندھے کمر ہتیار کج
ایں طرّہ خوش رنگ او نیز نگاری برد دل ... گاہے کج و طرّہ کج و اس طرّہ پر ہر تار کج

....

دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہی جگ سبھی ... روز نظارہ ایسے کا ماتے اٹل اچپک اچک

اثر۔ سید محمد عالم نام تھا۔ مارہرہ کے پیرزادے حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم مقبول کے خلف اکبر تھے فارسی کی قابلیت نہایت اچھی تھی تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ نظم و نثر اردو کے ماہر تھے ظریفانہ رنگ کے

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ بہم نہ پہنچ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کرکے بھیجدوں گا دو ایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفاے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا نہ گزر کیا جو چاہے ہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

روٹھ گئے مجھسے خفا ہو گئے بات پٹنے کی جو سنی کھو گئے

اُجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجبوراً تخلص لکھدیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمن نام تھا۔ دلّی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا تیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور رؤسا اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعر اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "تا منا سب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحرگاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت۔

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں - فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا -

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد　　خواب در سنگ وقت سحرگاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آ گئے - اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے -

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے - شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعراء میں تھے اس لئے حافظ صاحب اور اُن سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی - ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا -

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا　　جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے - اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں - تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے - بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا - اور کچھ درماہہ معین تھا - ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا -

صید ماہی و صید دل شاہا　　خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب

جال ہوں اور شکار مچھلی کا　　یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب

قطب صاحب تھے جب حضور گئے　　وہ دوماہہ گیا ہے میرا ڈوب

اس کو بھی حکم ہو نکل آئے　　صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیئے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آ جا نہ سکتے تھے - سلام مجرا سب بند تھا - آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کرکے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں ۔

عرض غماز پذیرا ہوئی میرے حق میں — کیا گیا میرا مگر اسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہ ہو — سن کے اسبات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدرشناس احساں — خلق کیا کووے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احساں نہ ہو — قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا ۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں ۔ تمکنت ۔ غرور ۔ خودداری ۔ نام کو نہ تھی ۔ اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولےٰ حاصل تھا ۔ اور تاحین حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۷ھ میں پچاسی برس کی عمر پا کر انتقال کیا ۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا
ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں ۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

ناصحی مے گلگوں کی حرمت سے کہتا تو نہیں — لیکن بڑی ذلت ہے رشوت کا بیچا جانا
بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش میں — مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بیچا جانا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہو العینی — جب رات بجے آدھی ہم پاس تو آ جانا
دلا دو زلف سے دل ورنہ سب سے کہتا ہوں — کہ مجھ کو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تیس پہ جیتیں — ہے ناد ہند آپ کی سرکار بے طرح
نہ چھوڑ دے تو شیخ اب تو شیخ کا اخلاص — اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص
ڈھونڈتے پھرتے شکم ہیں اندر دولت کو ہم — یاں تو دو روپے کی بڑی تھیلی گئے وہاں عشق کو ہم
قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ — آج تو بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نکلے انگور
اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

خفا مت ہو مجھکو ٹھکانے بہت ہیں
مرا سر رہے آستانے بہت ہیں

شکم پرور قیامت کو پچھتائیں تو میں جانوں
کہ دوزخ لیئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں

وہ کبھی یوں سے مجھے اک ماہ میں لے ماہ نہ دو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان ۔ احسان علی نام ہے ۔ محلہ باغ لکھنؤ میں قیام ہے ۔ تجارت و حرفت سے کسب معاش کرتے ہیں ۔ جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے ۔ دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں ۔ چونکہ استعداد علمی معمولی ہے ۔ اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے ۔ غزل بھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں ۔ ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا ۔ جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں ۔ راقم الحروف سے بھی شناسا ہیں ۔ نمونہ ظرافت یہ ہے ۔

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے
آ گئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے

آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار
اب مسیحائی میں رہا کیا ہے

چھو رہے دکھلا کے مجھے کہتے ہیں
یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے

دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے
توجی کیا اور تانکا کیا ہے

سن لیا ہے جو نام احساں کا
کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے

جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی نہیں پر
اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر

یہ کالے کالے شملے کب ہیں رخ حسیں پر
حبشی بچوں نے ڈیرا کا ڈالا ہے ملک چیں پر

آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو
نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر

تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم
یوں حاشیہ چڑھایا میں نے جناب چیں پر

مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا
اونچی کبھی ہیں کہیں پر نیچی کبھی ہیں کہیں پر

دیکھا میاں افیمی پلینگ کا رنگ دیکھا — ٹانگیں ہیں آسماں پر اوندھا ہے سر زمیں پر
مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب — آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی ڈسیلیں پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں — جورو بھی مالدار کرتے ہیں
رنجیہ کبھی پکڑکے رکھتے ہیں — یوں شکار ہی شکار کرتے ہیں
کیا زمانہ بہادری کا ہے — مرد کو مرد پیار کرتے ہیں
آپ کے باپ کا اجارا ہے — ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں
مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں — اب وہ الٹا سنگار کرتے ہیں

ترقی انفلوانزا نے اتنی کی زمانے میں — کہ عطاروں نے بیٹھے دیدیئے آلو بخاروں میں
اکڑ کر بیٹھتا اُن کا گدھے پر صاف کہتا ہے — سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہوگئے ہیں شہسواروں میں
کوئی ہے بوجھنے والا پہیلی اک بجھاتا ہوں — وہ کیا شے ہے جو مرچیا سے تو مل جائے چھوہاروں میں
عمل آسے ہوا سے احساں ادھر تو ذائقہ چکھ لو — غذائیں اچھی ملجاتی ہیں اکثر یہ دواروں میں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہوگیا — ہر دن ہمارے واسطے اتوار ہوگیا
پھانسا ہے مرغِ دل کو مرے دام زلف میں — اب تو وہ رشک حور چڑیمار ہوگیا
بچھوں بچھوں سے میرے زہرہ کیا آب جگر کا — نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہوگیا
احسان رہیگا چوہوں کا یہ دست و کے سر — گر فقیر کو پلیگ کا آزار ہوگیا

کچھ غم نہیں جو زخمی بھیرا نامہ برا — اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہوگیا
چیچک لگا کے آیا ہے روئے صبیح پر — اب تو وہ ماہ اختر دمدار ہوگیا

جواب صاف بزاز وں کو ہر اک مل سے ملتا ہے   کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں   جس طرح ماہ ستمبر سے نومبر نہ ملا
کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس کے کا   جنتری میں بھی ماہ دسمبر نہ ملا
عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات اسکا   پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے   اکبار پھر چلو ذرا کولا اچھال کے
تہوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے   کی اب کی عید خالی سویاں اُبال کے
ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا پڑی   اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے
بعد صیام کیوں خستہ حال ہوں   کھائے ہیں میں نے روزہ ٹکڑے پھال کے
دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ   لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آ ہی گیا جذب محبت کا   میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا لیلیٰ فضیلت کا
لڑکپن ہی میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا   کھلونا ڈھونڈتے پھرتے ہیں لیلیٰ کی صورت کا
مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اس دل سے   ہوا ہے شوق انکو جیسے عاشق کی مرمت کا
میاں مجنوں نے لے جان سنتے ہیں کہ رحلت کی   صفا چٹ ہو گیا میدان صحرائے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرت شمشاد کا   ہو قلم کیسی جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

. . . .

جو مسی گولہ تو اسی میل تک دیتا ہے کام   آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن اللہ - اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنمخانہ میں احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی - مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ تیغ کو تیرے قمر نہ لگا بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام سے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ غیروں کو ہیم دیے اور یار منھ کھولے رہے

اکثروں نے پیا اور اکثر قطرے کو ترسا کئے لڑھک گئے دو چار اور دو چار منھ کھولے رہے

احمق - اسم گرامی مصطفےٰ خاں ہے - پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالباً یہی زمانہ وہی ذریعہ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جا بجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے - سنہ ۲۱ یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہوگئی اسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے رکھتے ہیں پاؤں — خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے
کہنہ ہو کہاں جائینگے کچا ترے دل کو یہ کیا — وہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں — پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو
شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمھاری خاطر — مرقد کی فکر کیا ہے جا ہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ ہٹنے کی سکت — آہ لائی ہے کہاں حسرت دیدار مجھے
ہیں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے اکثر مہراج — دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا — وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں
یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں آن میں — میموں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیب روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ — بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد میں سے ہے
سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے — کہ میری آہ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاح حال — میں گدھا تھا شیخ کے پاس آکے خچر ہو گیا
یہ ترے دہن کی ہے مہک یا جبت بدخو — بو تیل کی کھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیال یار رہنے دیجئے — اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے
ہمیلٹ کردیجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے — گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے
جا نہیں سکتی عدو کی سستی اعصاب عشق — روغن زرد نیچ و سم الفار رہنے دیجئے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر
اُسکو کارڈ بھیجدیجے تار رہنے دیجئے

باوجود اس اتقائے خاص کے بھی نیچ جی
بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوئے
ایسے دعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار دل
دو جیتے ہوگئے ظالم کو ترساتے ہوئے
ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل
فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوئے

گل عارض پہ تیرے بلبل شیدا کی طرح
ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں ہوا

چمن جب نذر صرصر ہونے والا ہی تو اے بلبل
یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تونے بنائے ہیں
دفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو
خدا کا شکر ہے کالج میں سب فسٹ آئے ہیں
مزا لوٹا نہیں گلچینی باغ محبّت کا
ابھی تک آپ نے لے جان من کوٹے اوڑائے ہیں

خدا وندا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کر دے
مجھے بندر بنا دے یا انھیں کو تو گدھا کر دے
وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا
جو دوروٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کر دے
دل عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ
وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کر دے
وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا پھسلانے والے ہیں
الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کر دے

جب کوئی اونٹ دیکھتا ہی قیس دور سے
چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے

. . . .

. . . .

لڑکین ہی میں جنکو دل چرالینے کی عادت ہے — ڈکیتی پر بھی آجائینگے وہ شاید جواں ہو کر
مرا دل اور انکی آرزو یوں ہیں بہم گویا — رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہوکر

اک پردہ نشین حبیب سے کرایہ پہ ہے اسمیں — رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
کسدرجہ پشیمان ہوے ہیں وہ سر بزم — پاجامے میں اتنا بھی نہ بودا ہو کمر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں — اک پیالی چاے کی حسرت بھی ابتک دلمیں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار — نوبت آئے گی ہاتھا پائی کی
کشتی دل کی بحر آتر میں — لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہاے تقریب وصل کیا ہو گی — ان کو عادت نہیں مٹھائی کی
منڈ گیا جا کر آن کے کوچے میں — کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی نے — کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے ر دکے تام ہی بالکل ڈبو دیا — گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں — نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دور سبو ہے اور وہ یوں لبے لبکان ہے — گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھاکے غیر وفادار بن گیا — ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر — پاجی گدھا سور تو مقرر بنائینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گر یہی
حلوا فروش گر اکو بھی شکر بنائینگے

سوال وصل پہ یار و عدو کو
یہ اس الّو کے پٹھے نے کہا کیا

ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں
میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا

چلے کالج سے پہونچے کونسل میں
ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا
یہ اونٹ وہ ہے جسے قدر داں نہیں ملتا

کچھ اُن کو اپنی جفا دل پہ غیرت آئی ہے
تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا

وہ مرگ غیر پہ اظہار غم کریں کسطرح
کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تو نے اے عشق زنخداں ہوکے ارزاں سیب پہ
سیب جیسی چیز کو ہم نرخ شلجم کردیا

کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری
کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کردیا

حشر میں کوثر ہو تو دوزخ میں جاؤں اے ساقی
مجھکو کچھ اور نہیں چاہیے کلٹر کے سوا

اور بتا کیا مجھے پالش کا صلا کیا ملتا
حضرت بوٹ کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا

بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوۃ
شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دل شیخ محو مناجات ہے
شب لیلۃ القدر کی رات ہے

وہاں چھپ کے جاتا ہے غیر اسطرح
جو دیکھے یہ سمجھے مساۃ ہے

جہانگیر نجد کام ہی آئی کہ آتش عشق
مجنوں کا خاندان تہ بیت الشہد گیا

لکنت نے خوب کام بنایا دم وصال — انکار کرنے والے تھے اقرار ہوگیا

قدرِ موزوں کو جانتا ہوں کچھ — شاعری مجھکو کر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم و استبداد کا — خوب اُلّو بولتا ہے آجکل صیاد کا
پیسنے آئی ہے تربت میں مجھے ستھی گور — لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہوجاتی مگر — ہے چڑیاروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مستِ خرام ناز ہیں — یار کی ڈیڑھ ہڈ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے است فتنہ خو نہیں — دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

انکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم — کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ہاتھ آتے جو وہ شیرینیٔ لب — ہم بھی شبرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم — آپ ہی کہیئے گذر کس طرح ہو تنگلیٹن میں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ — کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال — خیر گذری جا بنے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں — ان کے ہاں کھنے کی اجازت ہے مگر سیری نہیں

ہم اور عوض مطلب آئیں عدو کے گھر میں ۔ دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں
ہیں یاس و حسرت و غم فکر دل و جگر میں ۔ ان بالشتیوں سے ہو ملک جاں خطر میں

ہر دم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں ۔ نکلا اک انکے گھر سے وہ تھا اک انکے گھر میں
غربت میں جو میسر ہو جاسے ہے غنیمت ۔ گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہو کیا اگر میں

کلو ملیں تو شاید سطے ہو رہ محبت ۔ ہے راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں
کل قصد ہے حرنا صبح تشریف آوری کا ۔ پسوا کے تھوڑی ہلدی رکھ آئیے گا سر میں

.... ۔ ....

بوسے میں ہو ملاحت گالوں میں ہے حلاوت ۔ کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

.... ۔ ....

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا ۔ مانا ہیں داغ رخپر مانا ہو کج سر میں
کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا ۔ اب کیا بتائیں تمکو کیوں درد ہے کمر میں
کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے ۔ چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
چھپ چھپا کے روز قبلہ جاتے ہیں اُنکے گھر میں

اسد - جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احمد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کہتے تھے معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں - چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں -

اُٹھا پردہ ہیں اب آزادیاں بڑھتی ہیں نسواں کی ۔ یہ ہوتا ہے یورپ کے جنون فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مرجا غیرت سے میں نے کہا اوں ہونھ — بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی
جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے — سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلف پریشاں کی
سنا ہے چاک کی ہے غیر کی توند اپنے خنجر سے — ہے غل سبزی فروشوں میں لگی ترپوز میں ٹانکی
نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا ظاہر — ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹوپی بھی ہے بانکی
نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا — چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی
نبی جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاو — چڑھو ممبر کے اڈے پر بنا کر شکل ٹٹیاں کی
وکٹ تھاپی لئے پھرتے ہیں میدان فضیلت میں — ترقی تیز سیڑھی ہے یہ اطفال دبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لئے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے — اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹمیٹرس — مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھینڈس
وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں — فٹن ہے نہ بگھی نہ موٹر نہ پلیس
مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہونھ — ہیں پتھر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس
وہ اوڑھے دوپٹا ہیں باندھے ہوں صافا — جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

آلو میں نے تجھے بنایا — مجھکو گھوسٹ خطاب دیدے

رُکنا کرتا ہے سخت نقصان　　　جلدی جھٹ پٹ جواب دیدے

....　　　.......................

کیا بتاؤں میں تمہیں حال رخ یار کا ظلم　　　خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل بنکر

چیتیں کھاتی پڑیں حجامت پر　　　سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم تو سوتا ہوں　　　سنکھیا کھا لے پونے دو تولے

یہ کہتا ہے جگر جاتا ہے کھٹمل چارپائی کا　　　نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اسکی کرتے ہیں　　　حسینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے　　　میں بٹن ولاد بکرے کی نہیں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل - آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سررشتہ تعلیم کے لیے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں - آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں - علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے - مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم و رواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے - مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی - حالی مرحوم اور مولانا سے مذکور کا ایک رنگ ہے - بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں - آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

اور اپنی خدمات کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آئے تھے گو با وصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں۔ اور ایک کلیات نظم یادگار ہے۔

آپ نے ایک قصیدہ جریدہ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے جس میں نصائح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار — یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار
کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ — گیا جو گھر سے قضارا سجا [illegible] بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے — اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا — ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سر تاکا — دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا گیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ ہے پینترے غضب پھرتی — نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار
چلا ہے ایک بنوٹی کا باندھ کر چکر — کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑ رہا ہے گو یار
میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے — مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدا کی خوار
سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں — نہ وہ زمانہ رہا نہ اب وہ صورت بیکار
کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی — کہاں وہ لوگ جو ہوتے تھے جان و دل سے نثار
جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر — میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت — کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار
سوائے عشق نہیں سوجھتا انھیں مضموں — سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ — کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشقِ زار
تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ — کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار
کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو — نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار
جو اپنے تجربے آئیں تو بس کریں تسخیر — حدودِ ہند سے لے تا بہ فارس و تاتار
ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا البتہ — پڑا ہے نیم کا پتہ اور اس پہ پشہ سوار
وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے ناخدائے جہاز — اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ ذخار
اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر — سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار
کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن — وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں درِ شہوار
جو ان کے دیکھئے دیوان تو بھرے لڈو — غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار
وہی ہے شاعرِ غرا جو بے تکی ہانکے — یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار
یہ انکی طبع بلند اور معنیِ رنگیں — جو طبع گیر ہے تو معنی سڑا ہوا مردار
نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی — غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقتِ بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار — ستم شعار دل آزار بے وفا مکار
ہے دلبروں کی بھی شامت نہ مہر ہا نہ کرم — بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار
یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول — پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگسِ بیمار
جو ڈاٹ دالان کی محراب ہے خمِ ابرو — تو ہے مژہ بھی پولیس کے سپاہیوں کی قطار
زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈوب چکے لٹیا — بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہو گا بیڑا پار

شب فراق کا دکھڑا اگر کریں تحریر
تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار

وہی لنڈوری ہے قمری تو ہے پنچی بلبل
وہی ہے سرو کا ٹھنٹھ اور طول قامت یار

غریب شیخ پہ ہر دم وہ لنتیاں جھاڑیں
کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر
یہ کوستے ہیں اسے یہ مرید نا ہنجار

جمال یوسف و اعجاز عیسی و موسی
ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ اُن کی تو ہے بھری شاعری خدا کی مار

ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا
اور ان کی بندش مضموں ہے مکھیوں کا شکار

وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون
بغیر بہنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار

سدا دروغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن
چپک رہا ہے لبوں پر جو شیرۂ گفتار

لکھیں جو قصہ تو دلیہ دیری کا افسانہ
لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار

کریں چڑیل کو حوران خلد سے نسبت
بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشن بے خار

جب اپنے ہوتے ہیں مضمون بیتدل وارد
تو گویا عرش سے اتری چپارہ کو بیگار

کریں جو مدح کسی جیب کٹے کی وہ بالفرض
تو پھر سکندر و دارا ہیں اسکے باج گزار

بنائیں اسکے تئیں یہ دہر کا سلطان
جو فی المثل ہو کوئی گور دہ کا نمبردار

ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالبیں
لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار

مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے تیتی مرغ
لہو لہان ہیں پنچے شکستہ ہیں منقار

وہ خود فروش بنے آج استاد زمان
کہیں سے کوئی ٹھگ کے سیکڑا اٹھا لے اشعار

اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں ہیکس علیل
تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار

اجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لد گئے ڈیرے
جہاں کہ داتے تھے یہ بھانڈ کاغذی بیوپار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی الو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر | کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار
وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے | گیا ہے قافلہ دور اور سوتے ہیں ہشیار
وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ و مسائل | ہیں جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھئی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

رسالت کا حصہ تھا اگر نام و نمود | پڑھتے پھرو اب آل کے مزاروں پہ درود
کچھ اکثر میں نقد رائج الوقت بھی ہے | یا اتنی ہی پونجی ہے پدرم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیان اسلام | جب بیچ مساجد سے نہیں چلتا کام
تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو | جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بیکار نہ وقت کو گزارو یارو | یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو
برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم | کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز | سب کرتے ہیں دندان ہوس ان پر تیز
پڑھتے ہیں مگر علوم انگریزی سے | گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا سعید اللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدوں تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۴۵ھ میں مرزا سعید اللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بدنصیب ابھی اول درجہ کے تھے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا اینکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرنے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشہ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمہ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور زور و شور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں سنہ ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر	از ملک فنا سوئے بقا کرد گذر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرم	اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت برا جانتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور غالباً معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدما سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور اِن کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما زیں اشتہائے بیحد و مالا کلام ما
با ما کسے چگونہ زند لاف پرخوری کایں سکر را زدند درادل تمام ما
گر روزی تمام خلائق کند جمع گردد غذائے مختصر صبح و شام ما
آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است سرپوش کوچکے است بہ قاب طعام ما
قاصد راز ما برساند کسے سلام ق دانگہ زروئے لطف بگو یہ پیام ما
چوں ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شماست دور از مروت است بود تلخ کام ما
از فیض عام شربت تاریخ عافیت بیش از سکنجبین بجہاں شد قوام ما
از بسکہ آتشم بہ دل است از غم کباب سوز سمندری کہ کند قصد بام ما
مشکل کہ روز حشر برآریم سر زخاک تا بوسے قورمہ نرسد در مشام ما

بوسے نرسد شام ز قورمہ بمشامم گر باز گزارند ہمہ دیگ جہاں را
گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق یک لحظہ کنم کشف دو صد راز نہاں را
گر یک دو سہ نانے بکف آرم بجرم صد پارہ کنم کون زنِ شمر و شاں را

دستم مزن بر دل دگر از درد جوعم در گزر دیگر میا در در فغاں ایں طبل بے ہنگام را

پیش من گر نهند حلوا را   میخورم هرچه هست یکجا را
سرو از پا نشسته ار بیند   قامت قند سرو بالا را

....

یک شتر از خر بزه کو تا که بر با نم کنون   از کف این ساربان ایدل مهار خویش را

کو شخص کریمے که دریں موسم سرما   هر صبح حلیمے بہ گزارد بہ بر ما
از بوے خوش ترمه قزدل هست و خرابم   از محتسب شهر چه اندیشه چه پروا
در چین و ختا رفت حکایت صفاہاں   بر قاب پلو دست کشادم چه بہ یغما
نان تنکم هست بیار یار کبابے   کیں جامه بود در خور آں قامت رعنا
یک بیضه مرغے نه بود در همه عالم   شاید که بجوییم ز سر منزل عنقا
شب تا به سحر باشدم از فرقت انگور   از دیده بدامن همه دم عقد ثریا

گزر پخته اگر شام خورم نوبت صبح   یاد گوزم بهم اندر شکند سندان را
اگر از نقل بہ سازند مرا زنجیرے   همه عمر بجاں می طلبم زندان را

تنها ز بوے کله ما از پا فتاده ایم   کز سر بدر شده است یکبار هوش ما

تمام سال خورم حسرت شب رمضان   از انکه از دل و جان مائلم زلیبیا را
به روزگار چه ما هر که بے مربی بود   نه برد لذت شیرینی مربا را
دو صد هزار فدک میدهم شمرده اگر   دو دانه ز فدک آورند خرما را

گرچند نشسیر دیر نخورد می انجیر را — از قوت بازو ہم بشکستی زنجیر را
دم از عزّ عفر می زند در پیش ما نا قابلے — کز بانگ تر نشناختہ زید دیم کفگیر را

سگے کہ گندم سشہ دانہ ام بود در جیب — ببینہ در نظرم روز عید انور دزد مراست

خلق راگر ہمہ رغبت بہ پنیر میش است — بیشتر میل دلم با کرہ گاؤ میش است
بہ ضیافت بہ برو سشام گرم ہمسایہ — آشناسے است کہ بہتر ز ہزاران خویش است
لاغراز کوفتہ گاؤ چہ گردد فسربہ + — شیر در عرصہ ہیجا بہ برش چون میش است
خاک وجودم اریشگافند تا بحشر — ہر چند جستجو شود از قورمہ آرزوست
آنکس کہ قانع است بیوسے طعام ما — از خاندان آدم خاکی فرشتہ خوست

با حرمت است نزد قرم سید القرم — چوں نزد ما کسے کہ زاں پیمبر است
ہر کس کہ ہر شبم بہ ضیافت صدا زند — در نزد من بہ رتبہ چو سلمان بوذر است
زردک ہر آنکہ سیم رخان میخورد مدام — زرد و ضعیف و تنبل و رنجورہ لاغر است
ہر کس کہ خورد پیاز فراوان بروز و شب — او در جماع با خر مصری برابر است
روغن نہ آنی از چہ بروے عدس نکوست — ایں نو عروس زشت سزاوار زیور است

اسپ ابلہ دام و خربزہ گر فتم خورم ۔ حالیا نوبت افسانہ درکاسہ وزین است
بر سر تربتم ار دیگ طعامے آید ۔ گوش بر نالۂ کفگیر نہ بر تلقین است

چل صباح پیاپے خورد اگر کس توت ۔ نمیشود بجہان پیر و عاجز و فرتوت
کفن درہم بپرد زندگی ز سر گیرم ۔ زبد اگر شنوم بوز رشتہ تابوت
بتنگ سا بچشم کم ابدل انار را ہرگز ۔ کہ دانہ ایش بود بہ ز حقۂ یاقوت

ہر کہ شاک درقفا وکند کمل بصر ۔ پہ سر رشتہ پشک بہ شب تار رود
ہر کجا قصہ خربوزہ آید بمیاں ۔ بہتر آنست سخن از خرد و خرد ابرود

نان و پیاز سیر بخوردیم مسکلاں ۔ مارا کے ارپلو شکمے سیر میکند

ہر کس کہ خورد کوفتۂ گاو بکید شب ۔ چوں بیل پیکرش بہ تنش فربہی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قیمہ ۔ شاہ بازے است کہ او فر ہمائے دارد
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست برنج ۔ شیر و شیرہ صفت شیر بہائے دارد
فرقۂ را کہ بود شلغم و زردک انبار ۔ ابلہی باشد اگر در طلب سیم و زرند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع ۔ از پیاز است ہمایا دو سہ آزار دگر
ز بوستان جہان ہیچے ار نصیب شود ۔ تمام عمر بہ پیاز یم ایں نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دیکھا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام کبھی ہو۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعرا کا　　سید ہی ہے رو بیت کردہ احسان خدا کا

قمچی سے میاں جی کی بچی جان پر افسوس　　تقدیر سے بیوی بھی ملی ہم کو لڑاکا

بیٹھا ہے چمرگد کی طرح موذی منحم　　ہیضے نے دبوچا نہ وبانے اسے تاکا

اصغر - آپ کا نام سید علی اصغر ہے ۔ شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے بزرگ شیخ شاعر ہیں ۔ اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بعنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری ۔ جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے ۔ انتخاب نظم یہ ہے ۔

یہ محرم میں ہولی کا تہوار　　ہنستی صورت ہے اور دل بیمار

گر پڑے کھٹ کے پردہ ہائے چشم　　جب نہ آیا ستم شعار عیار

لگ گئی آنکھ موت آپہنچی　　ہو گئی حس مشترک بیمار

روح قالب سے سیر کو نکلی　　عالم خواب کی دکھائی بہار

نظر آیا بہت بڑا میدان　　عرصۂ حشر جس کا باج گزار

کوہ آتش فشاں زمیں بالکل　　دھوپ سے تیز ہر آتشبار

ایک بڈھا ضعیف ریشائیل　　نظر آیا بہ صورت خونخوار

پیٹ میں آنت تھی نہ منھ میں دانت　　جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار

ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر　　سر بھی جنباں تھا صورت مے خوار

پائے ماندن نہ جائے رفتن تھی　　تھی عجب مخمصے میں جان نزار

کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت　　بڑھ کے دو اک قدم ہوا دوچار

پڑھ گیا چند آیت قرآن　　کر کے دم - دم میں لایا تسم زار

دل میں آیا خیال ڈر گیا ہے — تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ — یا ہیں درویش کامل دیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ — ہو نہ انساں یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جائے — مجھکو حلوا سمجھ کے لذت دار
بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ — دلمیں ڈھارس بندھی چلا ناچار
پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس — دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
مینے پوچھا کہ کون ہو کیا ہو — اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار
کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو — کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب — حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل — نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں — دل پہ آکھٹی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں — اُن کے افعال پر ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں — مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد — بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کر کے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیا شیر لیا تھا گھر سے جنے چار کا — پھر بھی نہ ٹلا نگلنے کو ملا پیٹ یار کا
وہ کھو لکر در مسجد یہ صاف کہتے ہیں — امام آئے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت مشکل ہے کھینچنی شکل اوصاف نہانی کی | یہاں پر آ کے گھس جاتی ہے دم میں عقل بانی کی
شہید ناز کی جیب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم | پری نے بیٹھ کر پیچھے سروں ہیں نوحہ خوانی کی

افسر - آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے - آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں - آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں پائی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا - بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے - تمام اصناف سخن پر قادر ہیں - نہایت سخن فہم - نکتہ سنج دقیقہ رس طبیعت پائی ہے - انگریزی میں بی - اے تک تحصیل علم کر کے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی - کہ یکایک طبیعت اچاٹ ہو گئی - اور تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کی - چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں - جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں - انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت وسیع ہے - آپ بسلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اردو کی اشاعت وترویج میں منہمک رہے - آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے - اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں - اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں - مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جائے میرے سخت اصرار پر چند شعر مرحمت فرمائے کیونکہ آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہم وطن ہیں - اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں اردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۴۸ سال ہے

زاہد کو وہ سعتیں حاصل نہ ہونگی دو بیبیوں سے | خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان شیشوں سے
جو سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے | یعنی کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب بٹتے ہیں ٹائپ میں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے مطبع ٹھٹے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوا دیشیوں سے تنگ کر
ہمیں جاپان دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قوم ہے سیاست میں لیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعرائے ایں عصر است ازبسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی منماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاجش از تخلص پیدا است - کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشۂ آتش نتافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام از راقم الحروف ارتباط کلی دارد و چنانچہ دیوان با بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت " یہ ہے وہ عبارت جو منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعراء میں افسق صاحب کے لیے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب - صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ

لکھکر عنایت کردیا تھا دستیاب ہوگیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۱۹۳ھ تک بقید حیات تھے - کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں - افسق صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس سبب ہے فیض لیکہ زائیٔ عالم نواز کا

دیوان میں سب اصناف سخن - رباعیات - مستزاد مخمس - واسوخت - اور ایک مثنوی گنجیفہ آفاق بھی شامل ہے - مثنوی چار کمان - مکہ مسجد - چوک میدان - دائرہ میر - چادر گھاٹ - چار محل - اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اوباشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں - حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان الا مال ہے - تاجو - رحمت - حبشی بیگم - جمیلہ تاج النساء - اللن - بی جان - چندا زہرہ - گلابو - پنا جھنا کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں - صفحہ کا نغذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے - اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے مصالح اُن کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے - غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتراتے ہیں تو پیچھے اڑا دیتے ہیں کنایہ اور استعارہ کی چھت سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں - وہ وہ کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علیحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بنے ہوئے نظر آتے ہیں غرض کہ ان حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلو پیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہ گیا ہے - مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے - سرنامہ دیوان پر - جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے - بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کر کے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کا بیدری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کانپور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں۔

قطرۂ آب ... کو دیکھ بولے در فروش ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب ... کی آب سے چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

جب اے فقیر کل تجھکو مے کے نشے نے چمن میں خرد کے خیاباں سے کھینچا

ادھر سے بہار اور ادھر سے جنوں آ کے دونوں نے تجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سیندھی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں۔

آجکل ہے دور سیندھی کا رکھے حق آبرو ہے مدد گردون دوں کی مال والوں کی فقیر

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں بھڑووں کو نت میسر شال اور دولائیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھپر سے اے فقیر بہار اب ڈھل گئی مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجھپہ تو سچ کہہ یکبار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلابو گانے کے حق میں لیکن شیطان ہے گلابو

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے۔

اقبال۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور کا تخلص ہے۔ آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں۔ آپ کی شاعرانہ قوت مشق۔ فکر صائب۔ تخئیل۔ جوش وغیرہ کا مالک کا ایک ایک بچہ قائل ہے۔ اور درحقیقت اردو وفارسی نظموں میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ چونکہ آپ نے

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے یا تنگ وراثت جو آپ کی نظموں
غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کرکے شامل تذکرہ کرتا ہوں - اگرچہ
آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے
مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی
شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے - کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا
ہوتا - انتخاب ملاحظہ فرمائیے -

مشرق میں اصول دیں بجاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے تین تین بجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

میمبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر - یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر تا عدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر سنہ ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی - سنہ ۱۸۶۶ء میں آپ نے ادنیٰ درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے - اور ترقی پا کر سنہ [illegible]ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے سنہ ۱۸۷۲ء میں وکالت کی درجہ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور سنہ ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے سنہ ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کر کے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے سنہ ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتدا عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - اور جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر غالب تھا - مگر ظرافت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا - اور باآنکہ آپ رنگ قدیم
کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر
ہو گیا - اور اگر بنظر غور دیکھا جائے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات
کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور
دلدادہ ہیں - آپ نہایت ہی نیک طبیعت زندہ دل منکسر المزاج کامل انسان تھے اس
وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا
سرمایہ یا اُن کی ہرزہ سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات - اُن کے علی الرغم
آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح - اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی -
تنزلی - رسوم - تاریخ - سیاست وغیرہ کا تجلی اور مصفی آئینہ ہے - آپ کی ظرافت سے
دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے - اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیم
حاصل کر سکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے - حق باتوں کی تلخی
اور پند و نصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ
اور گوارا کر دیا ہے کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی - ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین
طرز ادا اور سلیقہ بیان - چستی بندش - نشست الفاظ - تلاش معانی - ہر جگہ حسب محل و موقع
موجود ہیں - جس سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بن گئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے
آسمان میں اڑ رہی ہے - اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھال کر دیکھنے
کی ضرورت پڑتی ہے - آپ کے چند خود ساختہ استعارے - اور اصطلاحات ہیں جنہوں نے
سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے - اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے - مثلاً نام بتن -
گھورن - کلو - بدھو - چقو وغیرہ جو استعارہ یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں
میں پیش کئے ہیں - اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے - نحل بھل
ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی تطرف کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعویٰ کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا - اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے -

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط - یا مغربی تقلید - یا سیاسی شور و غل - یا عام پند و نصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے - مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں - حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں - جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لا سکتے ہیں - ایک اکبر - اور دوسرے مرزا غالب - دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کر سکتا ہوں - مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا -

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست   نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا - اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا فرق و امتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا - اسی لئے آخری کلام میں متصوفین کی صورت پیدا ہو گئی ہے - اور آپ کی آخر عمر تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا -

اس وقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے - مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بین فرق ہو گیا ہے - جن کی تفصیل اس ناقلانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے - البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علاحدہ کرتا ہوں -

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس پر کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لیجئے دے بوسہ مجھکو نہ تو تین پانچ کر
میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں مجھکو دے پلا
حلوا بنا رہا ہوں ذرا تیز آنچ کر

لگ گیا شرع سے شراب کا تنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چل دیئے شیخ تسبیح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے حلت بادہ پہ ہو گیا فتوی
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کرچہ ہوئی غنچے کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی گلاب کی دھن

الا یا ایہا اللطف آپ جو راتے یہ تارا سا
کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکس تیز بینی پا سکے نبود یہ پوشت واسپیں ٹپکا لیا
کہ سر میں بیٹھ وا دو درہ درہم وقت لہا

پردے کا کیا سبب ہے ذرا انکا پیدا
خود شیخ کیا انار اور انکا پیدا
کیا خوب کہا ہے آرزو مادی نے
پھر آئے لا ہے ہمکو تنکا پیدا

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا　　مست تھا دل پھول کر وہسکی کا پیپا ہو گیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری　　نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا

کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی　　عطا کرتا خدا مجھ کو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر　　گورے کو نہ بنانا سالا

بھیا رنگ یہی ہے اچھا　　ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نیلا یہ وا　　عجب جانور ہے یہ کاکاتوا

بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم　　کدھر چونچ ہے اور کدھر اس کی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل　　وہ صنم تشریح کا طالب ہوا

کہہ دیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات　　دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا　　حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا

پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے　　شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میں　　دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

پٹالیں بیسکٹ و روٹیاں کھو بیٹھے مولانا　　ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

سکۂ زر بابوے دہ دھوتی گرفتار داشت ۔۔۔ یاد چوں دش نالہائے زار در اخبار داشت
گفتمش در صحن دل ایں نالہ و فریاد چیست ۔۔۔ گفت مارا خوف ٹیکس و ٹکیس ایں کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ ۔۔۔ اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی رفرف بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر ۔۔۔ چشم بد دور اب بنے ہیں آپ کمسریٹ کے اونٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے دھن ۔۔۔ اور شیخ کے گھر میں پنجگانے کی ہے دھن
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجیے ۔۔۔ گو اُس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے دھن

ہنود پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر ۔۔۔ پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرے اکبر ۔۔۔ شاید پڑ جائے اُن کی رغبت کی نظر

جو سن سکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ ۔۔۔ جو ہنہنایا ہے اتنا تو تھوڑی لید بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی ۔۔۔ نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھمریاں ہو کر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز ۔۔۔ بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف ۔۔۔ جو امر ہے واقعی گزارش کردوں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے ۔۔۔ لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام　　حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیکنام　　اہل دانش میں مگر افزوں ہے میرا احترام

بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں　　میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد او تیتم　　نہ مانو گے تو اکدن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

آپ کی فرقت میں کل میں رات بھر سویا نہیں　　لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں　　بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں

وہ یہ کہتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ　　میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں　　مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں

چاند میں آیا نظر غار مہیب　　ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

چپکوں دنیا سے کس طرح میں　　عورت نے کہا کہ گوند ہوں میں

قومی چندے سے کدھر سمائیں　　کالج نے کہا کہ توند ہوں میں

یورپ والے جو چاہیں دلمیں بھر دیں　　جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں

بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر　　تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنکس میں قلاش کر دیا مجھے دو چار تھنکس میں

حال دنیا سے بیخبر ہیں آپ گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ لگے کہنے یہ پھینک کر ڈھیلا
ہے تمھاری نمود بس اتنی جسطرح ہو بڑی پڑیا پہ لیپ۔

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخوف لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گورمنٹ کی خیر یارو مناؤ گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو اللہ کے ساتھ بیوفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ مے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ بھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی
نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی
چھری سے اُن کی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کی پیشانی
ترشروئی کی چٹنی جو ہے کھچڑی ہو چلی داڑھی
سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلون کی ارزانی
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کچہریوں میں ہے پرستش گریجوئٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور ہیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لذتِ نانِ جویں تجھکو مبارک اے شیخ
مجھ گنہگار کو ہے صرف تمنا کافی
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلا دیں اکبر
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

شیخ صاحب دیکھکر اس مِس کو ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

سکھاتے ہیں تقلیدِ انگلش جو آ-
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجیے
بہت شوق انگریز بننے کا ہو
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے

کامیابی کا سُدیشی پہ ہر اک در بستہ ہے
چونچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے

زاہد ایسے بیخبر ہیں ابرو سے خمدار سے
بیخطر ہے بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

سینۂ مس کا ابھار اے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان باد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھے کہدیا
آپ بی۔ اے۔ پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پہ ٹپا دھول اور کِس نہ لیا جائے

ہر اک ریمارک آپکا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا بھی سینہ ریش ہے

مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن
اس نے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو بارک ہے دو پل
بائیسکل پہ گذرینگے ہم پل صراط سے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
داڑھی کھچی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اُردو کے تین ربع کے مالک ہنود ہیں
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہیں

یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی
اردو کے تین جزو ہی صاف صاف ہیں

شیخ سے چھوٹے اچھے انجن ہیں
اسمیں بھاپ تھی اس میں بکا بکا ہے

شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹال دیتے ہیں یہ کہکر آپکا لالونگ ہے

چہرے کے نیچے تھر ہے داڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپکو سودا ہے مسہل لیجئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک تنگ ہیں حضرت ایمان کیجئے
آ گیا عشق بتاں سے بیاں کیجئے

ہو گیا ہے نذر علیگڈھ جا کے سید سے کہیں
ہم سے چندہ لیجئے ہمکو مسلماں کیجئے

ہمارے ملک میں ہوتا ہے کیا تعلیم نسواں سے
بجز اس کے کہ بابا اور بھی گھبرائیں ماں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے ‏— اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں ‏— ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑینگے دیکھکر قانون کے ‏— شیخ نے سمت سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھکو بتادی خضر نے ‏— اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تھیٹر میں بیٹھینگے جاکے خوب ‏— خانقاہوں میں تو برسوں رو لیے

ہوتا ہے شیخ یورپین مان پاؤ سے ‏— میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے ‏— لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا ‏— چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چھٹی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے ‏— دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری ادا مجھکو پیارا لکھے ‏— القاب میں دیکھئے ڈیر کلو ہے

اس غرض سے کہ سبز پوش ہو ‏— شیخ کی ریش روز بڑھتی ہے

مستی تیرہ شراب فاقہ مستی لائی ‏— پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں ‏— اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر ‏— مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اسنے بگاڑے سارے کام ‏— ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم ‏— اللہ کی مار اسپہ علی گڈھ کے حوالے

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ ‏— آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس ‏— کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی دیدیا

کسنا مسوں سے آپ کسی شب نہ چوکیے ‏— جیبی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کوکیے

نکالا شیخ کو مجلس سے اس بنا پہ کہکر ‏— یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

اہنو کالج کی طرف جاتے ہیں لو مولوی ‏— کس کو سوجھیں تمہیں اللہ نگہبان ہے

انتخاب از کلیات دوم

میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم
حیرت میں آ کے بولا کیا آپ جی رہے ہیں

پیریوں کے عاشقوں کو سودا ہے اسوں کا
جو پہنا کرتے تھے جامہ اب کرتہ سی رہے ہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام
اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

حور مس کو مے گلگوں کو پری کہتے ہیں
شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو
دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے
تیغ ابرو کا تھا عاشق خان بہادر کر دیا

شایق تحقیق کے پھندوں میں سن لیں
انسان کی شکل جیسے میموں بنا

پاجامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا
سمٹا ابھرا غرضکہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی صلو کا

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے
ہر چہ از باپ میرسد نیکوست
ہو گئی اب خیال کی اصلاح
ہر چہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دین نیچری بستیم امید
ترقی را چو آمادہ برآمد

ما را فلک نشاند بپہلوے آں صنم
مدہوش لذتیم ندانم دگر چہ کرد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پانیر
کرزن چہ گفت و مل چہ شنید و ما چہ کرد

رفتند دنیال زادوں آں شوخ
پوڈر نماند و آدمی گم شد

ہمیشہ راہ بر سر من جاست و شایستہ عزیز
مرد تا مستتر تو اندیشہ چرا قبلہ شود

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے　　نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم　　مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم
حسرت عشاق بازار جہاں میں کچھ نہ پوچھ　　از مہیا در ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے ہیں کبھی بناتے ہیں　　کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

پیری گردش ہیں شیطان کے احسان بہت　　ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ　　گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کے ہیں پاپی　　الی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے　　کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑھے گنگناتے تھے لالہ تو بھجن　　نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن
چھٹے جاتے ہیں بالکل وہ اگلے طریقے　　کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے　　اونٹ کے سولفات جانتے ہیں
ہیں مگر اونٹ پر نہیں قابض　　کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری معقلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں　　بڑا اخفش تھے قبل اپنے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور　　کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں
تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر　　کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے　　لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

کریمایہ بخشائے بر حال بندہ　　کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

عمر گذری ہے اسی بزم کی طراری میں　　دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے　　بہجت کی دامن میں تردید حبت فلتاز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان یقیناً ضرور ہے　　اس وقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے
بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی　　وہ ہے [illegible] صفائی دماغ کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے　　اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی　　اے پیکرِ سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی والی　　ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پہ گرا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند　　شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی　　ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے بھینٹ خالی　　کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے　　اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے　　یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر لیتے تو از نگ　　مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا ڈھنگ ہے

کاش کر لے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور　　کباب تو روز ہے اک رات تنخن بھی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے　　لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی　　یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی تو ہم تو اک دن　　ازار بند کو کہہ دیں گے مس پیچا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے نفل کی اور کاٹھی کی　　چلی جاتی ہے گستاخی لعبدے خان کی لاٹھی کی

اب کہاں وہ دستِ جنوں تا گریباں یکہاں　　پا بہ زنجیر اور دستِ جنوں اور خبر ہے تار کی

سنہ لیا شہر نے کمیٹی ہیں ٹھیکہ دو دو کا　　ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

ڈنر سے تم کو فرصت یہاں فاقے سے کم خالی　　چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا　　پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

بہشت دیگر و نم انگلستان ہ سپیٹ　　می بود ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خادم سے میرا سوال　　کہا میں نے صاحب سے با صد ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ　　وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنہیں اے اکبر
اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو
بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں
کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا براق راہ عرفاں
چو دُم برداشتم لیڈر برآمد

کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی
عاقل ہیں مگر ہی کھوا تی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ پیرونکی پرستش ہی ہے فرض
ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل
خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر
صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم

جب وہ بولے سپاسے کو گڈ دوں
مرغ شاخ درخت لاہوتیم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف
شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں ٹیپ میں

ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر
انکی مرغی بولتی ہے کیمپ میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

بسے برگد میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں
ہوئے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

چرخ نے بخشش کمیشن کہہ دیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پاپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ
اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

کہتے ہیں بے دستار ہوں مرزا کو غم نہیں
کافی ہے یہ شرف کہ وفاتی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرح بدنام ہیں
بیگما بانہو وارث اسلام ہیں

مشفق شرع نہ ہوا لیڈر اسلام تو ہیں
بوسے مسجد نہ سہی کعبہ کے گلفام تو ہیں

اس شرط پر ہے فلک سے صلح آخر ہو گئی
قبریں کھدیا وہ کرے تزئین اونکی ہم کریں

کسی کو بحث نہیں آج باپ اور چچا میں — سیاسیات کے نغمے ہیں دلیس کی دھن میں

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا — نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

مہربانی سے مجھے گر دام کی گیہوں تو دی — لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کریں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان — دین ہے آنکھ اور مذہب کان

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں — مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بانکے تیور ہیں — ہمیں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پٹے رہو

قاصد ملا جب ان سے وہ کھیلتے تھے پولو — خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو

قاعدوں میں حسن معنی گم کرو — شعر میں کہتا ہوں سمجھے تم کرو

خوب لڑوایا بہم دل کھول کر — مار ڈالا راویوں نے قوم کو

سرفرازی ہو ادنیوں کی تو گردن کاٹئے انکی — اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

جب کہا میں نے کہ پیارے آتا ہے مجھکو تیر — ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

عام الزام ہے اکبر پہ کہ پیتا ہے کیوں — اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

وہ دل کو تو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے — اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم غذا میں شے داخل — شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے — جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

کمیٹی میں چندا دیا کیجئے — ترقی کے ہجے کیا کیجئے

اب نہ سنگی علم نہ جھنڈا ہے — صرف تعویذ اور گنڈا ہے

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں — کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

بتاکید عبادت یہ جو اب کہتے ہیں لڑکے — پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

دنیا میں تو صاحب کے گن بیٹھے ہیں گائے — میدان الکشن میں گئے ووٹ ہیں لائے

تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے — حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے

جب ختم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی — ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

سجد کے نغمے کہاں ان ٹھمریوں کے سامنے — دلبس کو جیسے بھلایا یہ وہی کھماج ہے

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود ہے اکبر — شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

حضرت اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے — اک رزولیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجیے

عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلس راے سے — جھک کے چلنا چاہیے ہم سب کو دائرے سے

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک ایک کے دس دس کیجیے — موت آ پہونچی کہ حضرت جان واپس کیجیے

قوم ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے — کالج کے چھوکرے لپٹے ہیں ٹڈی کی ٹانگ سے

ٹیٹو کی گذر ہے دال ہی پر — کالا اس طرح دال میں ہے

آمنو میں تو سب کے آگئے ہیں — عملوا الصالحات مشکل ہے

اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے — اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا انتقام ہے — فطرت کے کیا رقابتیں یہ غم کا گدام ہے

ہو دسمبر میں مبارک یہ چہل کود آپ کو — شوق مجھ میں بھی ہے لیکن جھکا ہوا اگن سا ہے

اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جان — خدمت قومی میں بارے جاں نثاری ہو گئی

نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی — لیلی و مجنوں میں آخر فوجداری ہو گئی

یہ مصرع قافیے ہی کے لیے ہے خوب اے اکبر — جو آ جڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی

نہ سہی لطف تحکم کمی ہی سہی — شیخ صاحب منت ہی ہی سہی

زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

ان کو لیکچر کے لیے سونے کی تھیلی مل گئی — کیمپ میں عقل بیچ گیا مجنوں کو لیلی مل گئی

تھا معزز شخص لیکن انکی لائف کیا کہوں — گفتنی و شنفت گزشت باقی ہے سب ناگفتنی

شکم سے حضرت انساں نجات پا نہ سکے — اب اپنے پیٹ میں ہیں پہلے ماں کے پیٹ میں تھے

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی
جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی
اب تک میں بچا تھا آج پی لی

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم متقی ہوں جو ہوں اُن کے منتظم
استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے
مسجد سے ہم نکل گئے گیہوں کی چاٹ میں

دو اُسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

منزل گور تک پہونچنا ہے
خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مرزا غریب چھپتے ہیں اُنکی کتاب ردی
بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

جناب ہی کو سنا سب ہے یہ سول لائن
نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے

رعنی نے کہا خوب کسی کیمپ میں لٹ کے
انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ بچے کھٹکے

کیوں اپنے سر پہ زحمت بیسود لیجئے
کونسل کے بدلے گھر ہی انجیل کو دیجئے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب
بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

قیمت کو شہرت پہ بڑھا دیتے ہیں شہرت کے دام
بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں
کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجئے

شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل
سمجھے برکت کیلئے اس مس کا سایہ چھو لیا

قوم پہ ممبری کا قبضہ ہوا
کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کمیٹی میں
قتل سمجھا تھا نہ تکبیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سایہ میں پھیلی
پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا

بہر اولاد بنا کیمپ میں یہ بنگلہ میں آیا
بی بی نہ رہیں حیف تو میاں بھی نہ سدھارا

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب | گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے

ادبار جبکہ آگیا سب عیب آ گئے | آغاز جھوٹ نیز سر انجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الا انسان صاحب کی تخیلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

یادش بخیر آپ کے اجل نے مٹا دیا | گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے

تھے باعث نشاط کبھی مورث صداع | بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر کے زاغ تھے

گھبراتے تھے ولایتی چیکر کی سیر سے | مخمور حسن کیفیت جام و ایاغ تھے

مجلس میں ان کی پوچھ نہ تھی کچھ ڈپٹیوں | سینہ میں کچھ سہی تھا تو تعلی کو باغ تھے

شاہانشہ بیان نہ متعلق تھا وائسرائے | بارے تھے دالیوں کے کچھ نہ سراغ تھے

باتوں میں پیچ تھے طبیعت میں کچھ خیال | رنگین خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے

کیسے کہا کہ تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ | وہ تو الا دین کے طاق کے چراغ تھے

الست - غالباً ایک فرضی تخلص ہے - ظریف کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی سحر بیانی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے -

تم صاحب لگیچر مالک | تم شور کے لیڈر مالک

تم اعلیٰ افسر مالک | تم مولوی مسٹر مالک

تم خان بہادر مالک

تم ہیڈ و مشنر مالک | تم پورے بندر مالک

تم ہیچ مچھندر مالک | تم لال قلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بنگلے جاؤ — تم ڈنر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں ناچو گاؤ — تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو — تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو — تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے — ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے تھیلے کٹیے — ہو مدہوش انہی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی — ہیں جیسے تلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی — کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان شوکت والے — تم کبر و رعونت والے
پھٹکار اور لعنت والے — صہبا سے جیوں کے توالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا — تم مارو سب کو ڈنڈا
تم گاڑو چوٹی کا جھنڈا — تم پا لو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا تم ٹم ٹم رکھو — تم گورے کی ڈیڈھم رکھو
تم نوکر بلشم رکھو — تم نوکر لیڈم رکھو

تم خان بہادر مالک

المست شرابی آیا   تم بھیا کو ڈنڈا لایا
تم ہپ ہپیا ہرّا گایا   یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

اسپیل - تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا - جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا - مگر ایک عرصے سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے - آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں - آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے - آپکو سلسلۂ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے - مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار رہ چکے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا - اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں - اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکرہ کریں - آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا - مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں - وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے - مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع نے کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں - اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سر دست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے -

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری سنہ ۱۹۰۵ء میں آپ نے لکھی تھی جس کا ہر شعر ظرافت کی نہر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے یہ آپ نے بطریق تحفہ سال نو اودھ پنچ کو پیش کی تھی —

مشفق من کیجئے کیا عرض حال ۔۔۔ شامت اعمال کا سنئے مآل

زن مریدی کا برا ہو کیا کہوں ۔۔۔ جان سے جورو کے ہاتھوں تنگ ہوں

زندگی اپنی ہوئی مجھکو وبال ۔۔۔ ہے کسی کا شعر میرے حسب حال

حکم جورو بھی یہ از حکم خداست ۔۔۔ آنچہ جورو بی بفرماید رواست

سنت شارع سمجھ کے بے صلاح ۔۔۔ اک عفیفہ سے کیا میں نے نکاح

وہ نکاح سنت خیر الوریٰ ۔۔۔ میرے حق میں طوق ذلت ہو گیا

حال من از دست یا تو ابترست ۔۔۔ درنگاہم سنت پیغمبر است

بے اجازت جورو صاحب کے کہیں ۔۔۔ میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں

کیا کہوں شامت جو آئی ایکبار ۔۔۔ خود سری سر پہ ہوئی میرے سوار

جلدی جلدی نوش کر کے میں ٹفن ۔۔۔ کوٹ اور پتلون کر کے زیب تن

رکھکے ٹرکش کیپ سر پر اک نئی ۔۔۔ فیشن ایبل ہاتھ میں لیکر چھڑی

جورو صاحب سے نہ کچھ پوچھا گچھا ۔۔۔ گھر میں سے سیٹی بجاتا چل دیا

کی مٹرگشتی بہت بے فائدہ ۔۔۔ جیسے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ

صبح سے القصہ لیکر تا مسا ۔۔۔ دربدر کی خاک میں چھانا کیا

اب خیال آیا کہ کیا کیجئے علاج ۔۔۔ میم صاحب ہیں نہایت بدمزاج

وہ جو پوچھیں گی کہ تھے اب تک کہاں ۔۔۔ کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں

کچھ جو آئیں بائیں شائیں بک دیا ۔۔۔ عذر بدتر از گنہ ہو جائے گا

میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی ۔۔۔ وہ جو بگڑینگی قیامت آئے گی

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں   جان تھی نیچے ور دل نیچے بروں
دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا   اک مجسّم دیو آتا ہے چلا
کچھ عجب اک ڈھو کا ڈھو تھا وہ بشر   ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر
جب مرے نزدیک بالکل آگیا   میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا
دل تم آیا ہو کہاں سے کون ہے   بوجھ کیا لادا ہے جس سے ڈولتے ہے
وہ لگا کہنے یکن اے خواجہ گوش   من ز کابل ہستم انگورہ فروش
سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا   اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا
عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ   ان کو لے چلئے مکاں پر اپنے ساتھ
لیکے پھر وہ ان کو قصہ مختصر   پہونچے خوش خوش تا در نکبت اثر
چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا   سامنا جو ہے کو بلی کا ہوا
گو ذرا میں بگڑے تیور دیکھکر   دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر
بیوی صاحب ہیں یہ کچھ ڈینگ ہو   وال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے
دل جو دال ماش کو چاہا مرا   جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا
اتفاقاً ایک آ سنا کابلی   مل گئے آتے ہوئے مجھکو ابھی
ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں   ان کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں
کہہ کے اتنا گھر میں با خوف و ہراس   الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس
چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے   ہینگ وینگ ان سے نہ تھی لینا مجھے
بیٹھکر کہنے لگا میں اسے یوں   بیچتے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں
ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا   پدی کیا اور پدی کا کیا شوربا
رہ کے دنیا میں ترقی کیجئے   حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے
چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک   کیوں ہوے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کر کے ہمت کسب کوئی سیکھ لو — نفع جس سے تاکہ اور دل کو بھی ہو
آجکل جاپان ہے حرفت کی کان — جس نے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان
سیکھئے جاکر وہاں کوئی ہنر — زندگی پھر چین سے کیجئے بسر
سُن کے یہ باتیں وہ کابل کا گدھا — یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا
کہ خری انگورہ را و ہینگ را — خر چہ داند شاخ را و سینگ را
ہینگ باشد دافع درد شکم — ہینگ باشد نافع ہضم اتم
ہینگ باشد حیلہ علت را دوا — ہینگ باشد نوشش ذیش جانفزا
ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود — قدر دانش بو علی سینا بود
ماش را در روح روانے چیست ہینگ — قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ
بگزر از جاپان واز جاپانیاں — قید صد ایجاد واز زندانیاں
جاہل اند از دال ماش دانگرہ — مے ندانند ایں غذا اے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سنیچر پاؤں میں — مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں
سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر — رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں
رشتۂ تہذیب کو تو آج کل — باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں
بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں — جوروؤں کو اپنے شوہر پاؤں میں
عشق میں اک آسمان رفتار کے — آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں
ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے — کاٹتے ہیں شب کو بستر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے — نہایت اچھا ہے ماشلی کا ماس اچھا ہے

مطلب نہ زمیں سے نہ لکھے سے غرض گاڑھا دھوتر ہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھا سے گئے آپ ایسے گھوگا اپنی ہی گاسے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راسے جب مانڈلے لالہ اجیت سدھارے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں لیکن سمجھا کبھی کو منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبو دی بنیئے مسکیش دیکھا بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستان بے خزاں قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آکر مجھ سے یہ کہنے لگا آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلئے ناشاد ہیں
انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو خاص و عام پوچھئے اُن سے کہ یہ لالہ ترے استاد ہیں
پھر بقول مصرع اس کافر نے لالہ سے کہا آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مورد بیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اسپیچ بھی ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذبح کر ڈالوں تجھے کیوں قضا آئی ہے تیری کیوں تکے ہم جلاد ہیں

کل مجھسے پکڑ پو کے بیتھیر نے یوں کہا کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیئے
دیسی سپاہیوں کی ضرورت ہے ملک کو کشفات چاہیئے نہ اشارات چاہیئے
اک جی حضور خان بہادر کا ہے یہ قول صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیئے
غالب کی پوچھئے تو مقولہ ہے اُنکا یہ اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے
مجھسے جو پوچھئے مے و معشوق کے سوا اسپیچ سے تلک ملاقات چاہیئے

انشا ۔ سید انشاء اللہ خاں نام تھا ۔ حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے ۔ مگر جائے ولادت مرشد آباد تھی ۔ ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے ۔ انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی ۔ اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی ۔

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا ۔ انشاء کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا ۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان امڈا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا ۔ مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کا بڈھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا ۔ بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی ۔ مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں ۔ یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو ۔ اسی بنا پر انشاء کو بھی داخلہ کا شوق چرایا ۔ چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں ۔ دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے ۔ پھر بھی ننگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کر کے چار و نا چار چند روز نباہی ۔ اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش مذاقیوں ۔ گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنا رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا ۔ اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا ۔ لکھنؤ اس وقت آج کا لکھنؤ نہ تھا ۔ گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا ۔ ذرہ میں بیٹھیے ساقی مہماں نوازی کی صلائے

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں اُن کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم وفضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ اُن کے شاگرد ہو گئے - انشا کو تمامتر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پنچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخرالامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوسکے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگین کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اسپر یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے - ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ ہستوڑ شوخ مزاج - رند لاآبالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ بیری پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد اُن کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعال اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی -

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آتے ہیں ۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوئے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے ۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے ۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا ۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے ۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آئے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے ۔ حقے پی رہے تھے ۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پہ ایک میلا سا پھینٹا ۔ گھٹنا پاؤں میں ۔ چکوں کا توبڑا ڈالے ایک کاڑا کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی ۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تنبا کو نکالا اور اپنی چلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اس پر رکھ دینا ۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں ۔ اور گڑگڑی شاک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے ۔ وہ جب دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو ۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں ۔ سب نے اسکی بات مانی ۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا ۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں ۔ سب صاحب آ جائیں تو شروع ہو ۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا ۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں اب یار بیٹھے ہیں ۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے ۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں ۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے ۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں ۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شعرائے دہلی سے معرکے پیش آئے

تو میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخہ انیس الاحبا مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہے
کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنون وغیرہ کا اس میں
کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد
مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس
نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ
تکالیف میں گزرا۔ اور انھیں مصیبتوں میں ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگئے

انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و
معروف ہے۔ دیوان کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کئی سے میری یہ مراد
ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقط۔ ایک اُردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں قصیدے رباعیاں
بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ
ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے
تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر۔ یا نوابی دربار کی مصاحبت کی وجہ
سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ
درباری مصاحب اور شاعر کبھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے۔ آپ بھی دیوان کو دیکھئے
تو ضرورت اور بے ضرورت۔ جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے۔ تذکرہ
گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خیال میں ہے تو صداقت
اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا کہ بجز ظرافت ہیچ صنفے را بطریقہ راستہ شعرا نگفتہ۔
حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی
اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلّم ہوتا جتنا آج ہے۔

ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ جو شخص بات
بات میں ظرافت کے دریا بہائے۔ کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کرسکتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھیے۔ بعد ازاں اڑواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے
بہر صورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔
مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم
ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی۔ ان کا
وجود اُن کی ہستی محض ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں
کوئی شعر کہتے ہیں۔ یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا
مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آسکے کوئی غلطی سرزد ہو
معاذ اللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ
عمر بھر رہا ہے۔ وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں۔

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور گرمی کیوجہ سے صافا۔ یا پگڑی
علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک
ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا۔ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری
بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے
شیطان دھولیں لگاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ جتنی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی
کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا۔ اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی
صاحب نے فردِ حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا۔ نواب صاحب نے کہیں
دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دیئے
نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا۔ انشا نے یہ رباعیاں نظم کر کے پڑھیں۔ اور غریب
مولوی کو دیوانہ کر دیا۔

اجناس کی فرد پہ یہ اجنا کیسا   یاں اہلِ لغات کا گر تینا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو جیز آگے — لیکن یہ نئی اپج اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے سجنا لکھیے — اور لفظ خرد خبا کو خجنا لکھیے
گر ہمکو ابھی نہ لکھیے ہوئے لکھنا — تو کرکے رخم اسس کو اخبا لکھیے

اجناس کے بدلے لکھیے اجنا کیا خوب — قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اپج لے لی ہے — اس تان کے بیچ سکا اپجنا کیا خوب

اجناس کے موقعن پہ اجنا آیا — سلماسے علوم کا یہ سجنا آیا
اخبا جیزے ست کالں پرویدزیبا — یہ تخم لغت کا لو اپجتا آیا

نواب نے کبھی روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آسے - پہرہ لگوا دیا تھا مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا - آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے سامنے جا کھڑے ہوے - نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آسے - اب یہ پہونچے ذرا تیوری پر بل آسے - انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا -

میں تو کبھی تھی نہ رکھو ای مرے پیارے روزہ — بندی رکھو لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جارہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی ع

حویلی علی نقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشاد یکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کردو تو انھوں نے فی البدیہہ کہا -

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی — نہ سم کی نہ تال کی نہ سُر کی

چشم بددور شیخ جی صاحب　　　کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجئے کہ کیا آج کام میں نے کیا　　　جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا　　　جب دھم سے آ کہونگا صاحب سلام میرا

ہیں روز حسن سے وہ نہایت گھمنڈ پر　　　نام خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر
تعویذ لال ہو کے نہ پھر یئے گھمنڈ پر　　　اک نیلا ڈورا باندھئے اس گورے ڈنڈ پر
یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے　　　چپے بچے کبھیں رہے آفت ا رنڈ پر
دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو دہی　　　فیروز شاہ کی لاٹ کے اس چوتھے کھنڈ پر
وہ پہلوان سادہ لب جوئے ڈنڈ پیل　　　یوں لاکہ کوئی عشق تو ہوا ایسے مسنڈ پر
انشا بدل کے تلنیے رکھ چھٹر چھپا کے　　　چڑھ بیٹھو ایک اور مچھڑے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں راحہ کے کنڈ پر　　　ننگر مہنت کرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ　　　عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھے ہتھوڑے کی خیر　　　تو یوں دیکھ اس گھوٹے جوڑے کی خیر
کیا دوسہ انشے کے مرے رخش کو　　　میاں ساقی اس سلفے کوڑے کی خیر
ہنسا یا جو میں نے تو بولے نہیں　　　نظر آتی کچھ اس تگوڑے کی خیر
لگا بیٹھو انشا کو ٹھوکر تو ایک　　　ارے اپنے سونے کی توڑے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہتھوڑپن کرتے تھے۔ ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے   جو حال ہو گیا ہے اس پاؤں کی تلی کا
مجھ سے نہ اکڑ زناخی تو رات کو کہیں تھی   چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی   جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا
انشا سوا سے اپنے اللہ کے جہاں میں   ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوانے کہی   منہ دکھاوے نہ خدا آپ کے ناداں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کیجے   جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت ہم تم رہے یہ بیڑا   ہے جس کے دم قدم سے دنیا کا سب کھیڑا
کیوں گیلی انگلیوں سے تو مجھکو ہے لپیٹتی   ہے ہے تری گلہری کیا مانگتی ہے پیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو بول اٹھی   لگ جاوے اسکے منہ پر اتنے غضب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنس کر کل وہ پری یہ بولی   کیوں تم نے میرے پیچھے انشا اللہ خاں کو پھیرا

کروں بستار کیا اپنی دوگانا کی رکھائی کا   دماغ آکر انھیں میں تھس رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا سنئے لگا ہے تو وہ ہیں میری   موا دربان کا لڑکا ملیندہ منجھلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیونکر بات جیت اس تلک پہنچی   دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

ہمسایہ میں کو تجھل ہوئی کل رات کو انشا　　گھس اسکے دونا نہ میں گیا چو رنگوڑا

تو قیامت بے سُری ہے حد بُرا تیرا گلا　　خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا
کیوں بڑا تھلکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا　　ہے تمھارا رادپ ایسا جیسے سوتے میں ڈلا
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں　　واچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا　　بی بی ہمسائی نے دی جیبیں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانے تو لوں نوچ کوئی مٹھی بھر　　بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا
شوق سے سونگھوں لے انشا مرے یہ بالوں کی　　دے حقیل خور کے ہونٹوں میں تو اکناگ لگا

کمبخت ہے وہ کام ڈگانا بہت بُرا　　صدقہ گئی کٹنی ہے بیزمانا بہت بُرا
دلسوز ہے دوامری پر اُس کا ہر گھڑی　　لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت بُرا

تو تو آسکتی نہیں جا ئیگی مرے عیبوں سے　　اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا
نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کسطرح سے انشا　　ڈہڈہی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے　　ارے او مقرکے لونڈے تو نہ پانی چھپاکا

ٹپک رہی ہے جو یہ کھچڑی کی بو تیرے جس سے　　اسکی ابتک نہ گلی دال نہ چاول کسکا
ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا　　چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا
کوئی سادی سی مرے واسطے لا ری انگیا

گو کلر و لہر بنت ڈاک ستارے کیا چیز
اس سے ہو جاتی ہے کمبخت گنواری انگیا

گیندا اک میں نے جو بھینکی تو بچا کر ان نے
کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا

بی بی مغلانی جو سی لائیں تھیں آئی نہ پسند
بیگما جی نے وہ سرادن کے سے ماری انگیا

جیسیں بو باس ہو تیری وہ نشانی دیئے ال
پچھلا میں کیا کرو بگا اسے تر سنہ واری انگیا

اوڑھنی مجھسے جو بدلی تو اجی باجی جان
وہ بھی اک دیکھیے جو ہو بھاری سے نیاری انگیا

تھی عجب کوئی سگھڑ جسنے یہ کاڑھے بوٹے
واچھڑی بنگلی اک پھولوں کی کیاری انگیا

ہاتھ انشا کا کہیں چھو جو گیا تو بولیں
تیرا مقدور کہ تو چھیڑے ہماری انگیا

سیل کے کونڈے اسکے آج ہیں کیا اسے دوا
ہے وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

کہنے جو میرا اوڑھا ڈوپٹہ ہو یہ دگانا بات کڈھب
لگتا ہے کہیں دونوں کو بیٹھے ہو یہ دگانا بات کڈھب

ایسی نہ چالیں چل تو ہو جا دو کھری جو لوگ کہیں
آپس میں ہی ان کے بٹا ہے یہ دگانا بات کڈھب

خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر جاتے کوئی بوڑھا سا
انشا تو ہے ہٹا کٹا سے یہ دگانا بات کڈھب

کوٹھے پر سیڑھیوں میں باکہ مندروں سے اُدھر
صحن میں ڈیوڑھی میں یا اوکہیں مت سے پھوٹ

سر بلا سے سے بھروسہ نہیں پڑتا کسو وقت
کسیکی کب وہ کدھر یاں کدھیں مت سے پھوٹ

بس بلائیں مری نہ لے چٹا چٹ
اسے دگانا تو ایک ہے نٹ کھٹ

دم دلاسا عبث نہ دے آنا
چل پٹی دور ہو پرے کیتی ہٹ

چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا
جب سنی اُس کے پانوں کی آہٹ

مت اجڑ گئے سے بھڑا اور غش نہ کھا کر گر — بیکلی نہ کر آخر جیبن نے ذری کم بخت
کچھ تجھے شرم بھی ہے بیٹھ پرے او کم بخت — تاڑ جاویں گے برے لوگ ارے او کمبخت

انشا سے ملتے کیوں نہیں عشق ہو بھلا تو دیر کیا — جی ہی یہ کھیلے ہو تو پھر لوگوں سے ڈرتے ہو عبث

سارے بھوتوں سے پرے ہے یہ موا خواجہ خبیث — مجھکو گھورا ہی کرے ہے یہ موا خواجہ خبیث
رات بھر کھانسا کرے ہے نیند آتی ہی نہیں — موت کے اب دن بھرے ہے یہ موا خواجہ خبیث
بیگما انشا سے پچیسی نہ کھیلو بس کرو — رشک کے مارے مرے ہے یہ موا خواجہ خبیث

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج — اے دوا جان وہ کمبخت برا کام ہو نوج
مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں — جسکو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج
دن دہاڑا ہی رہے ابھی تو بیچ اے انشا — کلموہی کالی بلا ہا ہے وہ پھر شام ہو نوج

باجی کہتی ہیں کہ اک مردوے پر غش ہے تو — مفت ایسا بھی کسی شخص پہ بہتان ہو نوج
ہاٹ کے ٹکرے پہ کھینچا جو انہیں تو بولیں — میرے کپڑوں کی طرف دیکھ ذرا اٹکو سوچ

کالے بادل نہ گھر آئے تو ارے او لوگو — آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح
کان کی لو میں گھسی موتی سی بالی کیونکر — جب کہ ہو سوئی کے ناکے سے بھی تنہا سوراخ

بلائیں لیتے جو لیں آنکی کل چٹاخ چٹاخ — تو کس منہ سے کہا بیگما نے چل گستاخ

میں ترے صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ
مت جگا نیند بھرے لوگوں کو داری مت چیخ

لگتی ہے چوٹ سا تو لگنے دے مسوس اور ذری
ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ

چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے نہ مل
ہتو اب منتیں کرکے تری ہاری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں
پاجامہ کھینچ ہے برف ہڑا دلا ازار بند

تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا پہ رات کو
وہ کھینچے دار آپ نے تو لا ازار بند

کیا بگڑ گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا
ہے سخت جیسے لکڑی کا چیلا ازار بند

انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجیے
دیجیے تو اپنا میلا کچیلا ازار بند

ہے تو سہی اجی یہ نکیلا ازار بند
لیکن کسی کا تو ہے ہو ڈھیلا ازار بند

اے دگانا مجھسے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ
تو کیا کر آج سے تو بھی بیس اک اکیس ڈنڈ

جو پری ہنڈی لگا دے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں
لوٹتی کیا کیا مزے سے ہے یہ موئی شفتل ارنڈ

جو مجھے لوٹ کے سو آئی کرے
ہو سنے سوتے کو اپنے کھا وے جھاڑ

ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول
ارے ادھیلے مرے نگوڑے کواڑ

لے چل انشا مجھے کچھو رستے
یہ تو ہے مردنا م اسکا ہے تاڑ

بیگما نے جو کیا جھکے سلام آنو کو
آغا مینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز

پوتوں پھلنا پھلے اور دودھوں نہانا یہ نصیب
بیاہ ہو سو تیگا ہوے ست تری عمر دراز

بیگما جان بڑی شرم کی ہے یہ بات
کچھ کہیں نطق سے انشا کی تماشائی تاز

بھیجدی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی — اسکے یہ معنی کہ ہیں لوہ میں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش — تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش
اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج — میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش
میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے — اور بھی ایک ذری میری دگانا شاباش

ادئی رابیل ہوگئی میں آج — گورے گورے ترے بدن پہ غش
پوستی میں غش ہوئی دگانا پر — راجہ نل جیسے تھا دمن پہ غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص — اجی دو کواریوں میں تو نہ ہوا ایسا اخلاص
نہ بتولے مجھے دو بیاں سے اڑنچھو ہو جاؤ — کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زناخی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط — مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی بھی مت ہو بے لحاظ — سانس مت بھرا دو گانا چپ اری او بے لحاظ
ہوتے سوتوں سے کہو اپنے جو خوش لے داسے چھیڑے — دال نے ہو یہاں سہیلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں مہمان مرے دل کا شوق — شکر کیا اس سے دو اجان مرے دل کا شوق
بات جیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں — نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق
ٹھٹے مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہو لسا — جان اور بوجھ کے انجان مرے دل کا شوق
طعنے مت کرو انشا کی طرف سے ادھر — میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

ہے جو دروازہ وہ دوگانا کا　　اُس میں بن چول کا کواڑ ہے ایک
اس کی زنجیر بھی نہیں لگتی　　آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

میں جھجک اٹھی لیکے انشا نے　　کل چبھودی جو میری ران میں لونگ
اری بی ایک ہی عیار ہو تم　　ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں　　جو نہ سمجھوں گی زنانخی جان تیری بولیاں
کیا یہ چھیڑ خانی کی باتیں آکے ہمسے چھیڑیاں　　سیکڑوں تمسے یہاں رگڑا گئے ہیں ایڑیاں

بلا سے اگر آئی ہولی کہارو　　نہ مجھسے کرو بدلی ٹھٹولی کہارو

ہاں وہ لائیے کمبخت جو چٹ چاہتی ہو　　اجی بس جاؤ کہیں کچھ تم تو بڑے واہی ہو
پھر جو بدل اٹھوں گی کچھ میں تو یہ ٹھٹھے دوگے　　قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

ستم بڑی قہر ہوا اے باجی جان　　نوج تم سی کوئی چھیتسی ہو
اے دوگانا تری مشغولی کو　　چیز اک موم کی پتی سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں بڑی کایوں ہی ہے تو　　اے ددا قرباں کشش بڑھیا کی ہجو لاہے تو

گلوری پان کی جو کھا رہی ہے اس سے کہتا ہوں　　ذرا کہہ بات کچھ جی میں بھری ہو سو اگل ڈالے
نصیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پینا پیسے　　بڑا ادا نہ جو ہو جی میں کہا جیبھ توں کو مل ڈالے

بڑائی میرے ٹھینگے پر خدائی رات میں میں نے / بڑے ایسے بہت سارے کڑہائی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے پچھیڑا اک جو ہے تا کند سا پھرتا / مبادا اسے دوا جی وہ کہیں تمکو کھندل ڈالے
غلیلہ پھر اسے گھڑیال کا کیونکر نہ ٹھڑا دیں / نگوڑی باؤلی چڑیا مزے میں جو خلل ڈالے
دکھاتا مدھ میں جوبن کے بھری وہ وقت آ پہنچا / کہ کول پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے
ارے تو ابلی ہی پڑتی ہے مارے چھل کے اوربدی / خدا ایسی بھی دیدہ نہیں کیسے تو ریچ چھل ڈالے

ہزاروں دیو دنکو بانکی پریوں نے پچھاڑا ہے / نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑھ ہو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں / ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو کچھ کہا کل اُن کی رات کاٹی / تو اُن نے کس مزے سے میری بات کاٹی

یوں جھکا مجھ کو رات کا جاگا جیسے / تم تو وہ چاہتے ہو سوئیں ہیں دھاگا سے جیسے
یونہی ہر بات میں بولا کرو سرکاری سُردا / ابھی آغا کو بہک کر کہا آگا جیسے
ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھائے انشا / مجھے یوں رات ملا ہو کوئی ناگا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے چھیڑے انشا / میری چھاتی جو چھوئے اسکی ہتیلی جل جائے

پڑ گیا نیل مرے گال پہ کیسا قہر ہوا / ارے کمبخت نگوڑے پڑے چھچھیر چٹکی
ہو گئی رات تو مٹھ لوہو لہان اے انشا / دیکھ میں تجھ پڑونگی نہ مرے لے چٹکی

چپکے دیتی کہول کنڈی لینا انشا کو بلا / ذرہ بھلا کیا چاہئے دربان لوپکا کچھ

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی ابتو نوبت بھی اکھوا بھی باجی باجی
اسے لو اس کو کوٹھڑی میں بیٹھے ڈرانے کیلئے اک عبا اوڑھ مدے کے بن بیٹھی ہیا جی باجی

چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی لا دے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی
بن سرڈھانپے ہوسے تجھے کیا چاہیئے بھلا بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
کو کا جی دیکھو میرے دکھانا یہ کیا بھبی پشواز اودی اور چلا کمبل کی اوڑھنی
انشا کے سونگھنے کے لئے اُن نے بھیجدی جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں شاندار بھائی تیرے صدقے قربان جاسے دائی تیرے
وہ چال تر چل کہ نام رکھے کوئی بے ڈول یہ ہیں ویدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جیتا تھا تو نکر عبث فضیحت ہو گی آ تو یہ سنے گی تو قیامت ہو گی
جالین چھوڑ دے نہیں تو ناحق اک روز بڑی بڑی فضیحت ہو گی

انعام - یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سہارن کے رہنے والے ہیں - حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے - عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں
آپ کے چند شعر دستیاب ہوے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے
ملاحظہ ہو۔

سندھیئے شلوار زر سم سکہ در تار داشت — باوجودش نالہ ہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست — گفت مارا قرضۂ بقال بر این کار داشت

سیٹھ اگر نشست با ما نیست جاے اعتراض — مالک ہمیان زر بود از گدایان عار داشت
بنگر بدا این تنگی حال مسلمانان سندھ — شیخ سندھی خرقۂ خود رہن ساہوکار داشت

حدیث از قرضۂ خود گو و راز ہیچ کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را
من از آن سود روز افزوں کہ قرضہ داشت دانستم — کہ قرض از کیسۂ سندھی بر آرد پیسہ پیسہ را
فغاں کیں بنیاے شوخ دھوتی پوش شہر آشوب — چناں بردند سود از ما کہ ترکاں خوان یغما را
سمن داوی و خورسندم جزاک اللہ نکو کردی — ہمیں زیبد بہ رہنا و قرضہ ہر بقال و بنیاں را

غلام دھوتی بقال تا حیدرا راتند — جواب کھاتہ وہی تو ہوشیارا تند
گذار کن چو صبا در دیار ہند بہ بیں — کہ از تطاول بنیا چہ سوگوارا تند
ترا بیاج و مرا آب دیدہ شد غماز — وگرنہ قارض و مقروض راز دارا تند

انوری - محمد اوحد الدین نام تھا - ایران میں علاقہ ابیورد میں بدنہ ایک گاؤں ہے جو مہنہ کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا - اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں اسی مناسبت سے اوایل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا - پھر اپنے اوستاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدہ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعرا میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور سنہ ۵۳۲ھ میں سلطان احمد [illegible] اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں [illegible]۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجوگوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ لہذا جب یہ بلخ میں پہنچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے بلکہ اصل بات مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی سوزنی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو کہکر مشہور کر دی تھی۔ مگر چونکہ اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر بگڑے اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا اور ڈاڑھی اکھاڑ کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہنچی۔ سچ ہے بد اچھا بدنام برا۔ لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ اسوقت انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخرکار سنہ ۵۴۷ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں شہرۂ آفاق تھا۔ اسکے عہد حیات میں کوئی اسکا مدمقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجوگوئی میں اپنے اقران و امثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسیوجہ سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت و ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہنچی ہے[1]۔ مگر کمال و جودت اور نیرنگ

[1] ہم بہت سخت انتخاب کے بعد یہ چند شعر لکھتے ہیں جو لوگ [illegible] ہزالی کے [illegible] وہ [illegible] ابیات کا آخری حصہ دیکھیں

میں ہے۔ ملاحظہ کیجئے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں۔

ای خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے — کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت

گر عمر تو چوں قد تو یابد بدرازی — تو زندہ بمانی و بمیرد ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوئے دشت — چند زن بیروں شدند از شہراں

چوں بصحرا ساختند ماوا دو سہ — چند خر دیدند در صحرا چراں

زاں سہ یک مادہ خر رغبت نمود — بر مثال عاشقاں با دلبراں

با عمود یک گز و نیم آبنوس — گادنی میکرد بر رسم خراں

کہ فرو می برد گہ بر می کشید — تیز می افگند و میکرد عاں عاں

زاں زناں یک زن آں گادن بدید — بر کشید آہے و گفت اے شوہراں

گر جماع اینست کایں خر میکند — بر کس ما می ریند ایں شوہراں

ز عظیم خیرہ را ریشے است بر گرد ذقن نالاں — کہ گوئی عنکبوتے بر کس گاوے تنیدستے

سرے دارد کل و ہر جا موئے زنند و دلالہم — مگس گوئی باطراف کدوئے خشک بدستے

بجائے ناف چوں آید درا دل سر بریدیش — دریغا گر بجائے ناف او رکابی دریدستے

آنکس کہ جگر خوردہ و بردی ہنر آموخت — در دور قمر گوید بنشیں قوت جگر خور

پیغام زناں می برد و بیلتے بزر پوش — با مسخرگی می کن و حلوائے شکر خور

اوج۔ تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے۔ اور یہیں کی گلیوں میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں ۔ اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے گھنٹوں پہروں منہمک اور سربگریبان رہتے تھے۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے۔ جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جا کر سناتے۔ اس وقت کے لوگ مہذب تھے کسیکو آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منہ پر ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیتے۔ جس سے توہین ہوتی۔ سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہ جاتے۔ ذوق غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے۔ ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈھا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ اسی لئے ان کی مشیخت آبل کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہو جاتے اور یا برابر داد دیتے۔ مرزا غالب نے جب اردو کا دیوان تمام کر دیا تو اوج مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا۔

دیڑھ حصّہ یہ بھی تو ہے مطلع و مقطع تنہا   غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کافر ہیں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں۔ تم تو شعر کے خدا ہو۔
ایسے ہی ایک مرتبہ کنور اجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہتھنی انعام دی۔
چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انھوں نے شعر کہا۔

نجومی بنکے جو ہتھنی کا دان لیتا ہو   جہنموں میں وہ مومن مکان لیتا ہو

دلّی میں شبیرن ایک بڑی نامی رنڈی تھی۔ خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے تائب ہو کر حج کو چلی۔ اوج کے استہزا کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا۔

بجا ہے شبیرن اگر چھوڑ دلی حج کو چلی   مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں وہ کہا نہیں جاتا۔ چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے۔

ہیں مچھلیاں بھوؤں کی جبین پرشکن کے اندر   الٹی ہے بہتی گنگا بھی بہولن کے اندر
دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کارخانا   ہے مہر شمع داڑوں اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں تحمل پہ سبیل دریائی — مری ہے کشتی تحمل نارحیل دریائی
مجھے اترتی ہے گرداب آسماں سے وحی — ہے راہبر خضر جبریل دریائی
میں کالا پانی پڑا ناپتا ہوں ہر شب و روز — زمین کا گز ہے مرا کلک میل پیمائی
بنا ہے کنگرۂ خار میرا دشت حصار — مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی
جہاز ہے مرا اک تار لنگر دم پہ — مرے عمل میں ہے جر ثقیل دریائی
میں اپنے کو پیچ کی ہوں موج میں بہا جاتا — حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی
ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے — یہ آب شور ہے دیتا زفیل دریائی
ہے اوج مرد کا دیدہ مردم آبی — نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر — طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر
جب ہوتا زر گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں — بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دمدمہ ہے باندھے خیال اپنا — ہے پل صراط اتریں یہ ہے کمال اپنا
طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سرائے الفت — سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا
کسب شہادت اپنا ہے کس کو یاد قاتل — سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
بھاتا ہے جوش عشق شیریں لبوں میں رونا — ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی — مولانا اوحدی کرانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو علم و فضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ اس لئے تھوڑے سے اشعار ظریفانہ جن میں اخلاق و نصائح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں۔

عارفے مشد بخواب در فکرے — دید دنیا چو دختر بکرے

کرد از دے سوال کاسے دختر　　بکر خوئی با ہمہ شوہر
گفت دنیا کہ با تو گویم راست　　کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست
ہر کہ نامرد بود خواست مرا　　ایں بکارت ازاں بجاست مرا

پسرے بابدر بزاری گفت　　کہ مرا بار شو بہ ہمسر وجفت
گفت بابا زناکن وزن نہ　　پند گیر از خلائق از من نہ
در زنا گر بگیردت عسسے　　بہ بلا کو گرفت چوں تو بسے
زن بخواہی ترا رہا نکند　　گر تو بہ گزاریش حیا نکند
از من و مادرت نہ گیری پند　　چند بینی و بار بینی چند
آں رہا کن کہ آسیا و ہمہ نماند　　ریش بابا نگر کہ نیمہ نماند

فرج گور است اندراں لحدے　　صحبت او عذاب ہر احدے
آلت شہوت تو گور افتاد　　زندہ زاں بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہوگیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اٹھنے لگے جمنا سے بخارات سودیشی　　لو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی
کیوں آنکھ حرارت سے نہ تغیر ہو پیدا　　تا پیر رخ چمکنے لگے ذرات سودیشی
جب پھونکدیا دل میں لگی پانی میں آتش　　ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی
یورپ کی نہ ملتی ہو نہ امریکہ کے گیہوں　　بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

چوپایہ نہ لینگے کوئی یورپ سے کبھی ہم | ہاگور کا ہو میل تو ہو شات سودیشی
شلے کی بسا رہا ایسی بچھے ہندیں گھر گھر | اک کشت سے یورپ کو کرے مات سودیشی
سوڈا ہو کہ منگنیشیا سب چولہے میں جائیں | اب چپیں گے عطار نباتات سودیشی
برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جھڑ لیسے | آہوں سے اٹھائیں گے بخارات سودیشی
طاعون کا کھٹکا ہو نہ ڈر قحط کا اے شیخ | ہاں فکر بلا کرتی ہے دن رات سودیشی

باپ بائے موجدہ

باپ - یادہ بابام نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں - مکرمی قمر بدایونی نے ورنہ جناب حکیم حافظ عبدالرحمن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام ملا ۔ لیکن افسوس ہے کہ حالات کچھ زیادہ نہ معلوم ہو سکے - قمر صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باپ جب بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - تو اکثر لوگوں سے نوک جھونک ہو جاتی تھی - ایک مرتبہ مستقل حریف پیدا ہوئے اور اپنے ایک شاگرد کا داد اخلص رکھا - مشاعرہ میں جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باپ کو بہت کھری کھوٹی سنائیں - باپ ایک حاضر جواب آدمی تھے - بانہ گیا یہ شعر موزوں کرکے اسی مشاعرہ میں سنایا - روئے سخن اپنے خاص حریف کی طرف تھا ۔

وہ پسر ہے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں | مگر سب نا جپ کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

حریف پر ایک اوس سی پڑ گئی - اور عرق شرم میں نہا گئے ۔

باپ کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے - نہ اسمیں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے - دیوان کا انتخاب کر کے یہ چند شعر درج کیے جاتے ہیں

ہر اک بات میں اوہی رہے مار ڈالا | کوئی تھے پڑھ کر زنانا نہ دیکھا

چرائیں کبھی ہم گھاس کبھی ہم ہلائیں — نہیں یار تیری گدھیا نے مارا
غضب ہائے حسن بیتا کا درد کے کہنا — مجھے آج جورو کے بھیا نے مارا

چھڑا کر کمر بند کہنا کسی کا — تو کیا پھاڑ ڈالوگے لہنگا کسی کا
بہت آزمایا زمانے میں ہم نے — نہ رنڈی کسی کی نہ بھڑوا کسی کا

نہیں ہے ساتھ اسے ہمراز میرا اور دشمن کا — میں اک اندھی پہ عاشق ہوں وہ شیدائی ہر کوڑھی کا

دیکھیے دل ڈر ہے مجھے اب یہ مریجاں دل کا — حال پوچھے نہ کہیں مجھسے مری مال دل کا

مری جاں قتل کے ملزم ہو تم محشر کا موقع ہے — ضمانت ہو نہیں سکتی مچلکا ہو نہیں سکتا
وہ کہتے ہیں مٹھائی دو تو وعدہ وصل کا کرلیں — پتے خالی کھلا دینے سے ایسا ہو نہیں سکتا
ابھی ہفتہ میں سنتا ہوں کہ بچہ ہونیوالا ہے — کہا انکا ناحق آن سے صرف مجرا ہو نہیں سکتا

پوچھیے کیا ہوئی شب وصل میں کیا کیا ہوگا — آج تو کچھ بھی نہیں بعد کہ بچہ ہوگا
گرچہ چنے کھائے ہیں میرے یہ ذرا یاد رہے — آج وعدے پہ نہ آؤگے تو ہیضہ ہوگا
شیخ کا جیب کتیں باپ ہوا ہے دھوکا — میرا سالا تو نہ ہوگا مرا سسرا ہوگا

جو نہ نیا دھوڑی کا پیٹتے ہے یار آج — شاید کہ ہوگیا کوئی عاشق پیا آج
جانتے ہیں مسکرے کو تماشے ہوئے — پیچھے ہے شیخ جی کے لگی لونڈیا آج

وہ آدھی رات سے ہی شب وصل چلدیئے   اس کا عذاب شہر کے مرغوں کی جان پر
دوزخ میں ہم پولس میں پڑا ٹے پہ جیل میں   کچھ تو کہو ملوگے مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وعدہ تو کب روز قیامت پہ   جگہ بچو نہ کیا کی بانس پر یا لب ہی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں   انھیں سب کو وہ اپنی ماں کا رشتہ دار کہتے ہیں

رقیب روسیہ کی کاٹ لینگے ناک جوتے سے   بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گر بڑے گھر میں

عدو بکری کا بچہ ہے یہ آخر کھل گیا سب پر   کہا کم بخت نے جب بزدلی سے زیر خنجر میں
غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں   نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی امان ہیں
تحفت کی رات مری چھیڑ پہ جو رو دئے مری   مجھکو یہ کہکے ڈرایا کہ خصم مار ہوں میں
ان کی سنت پہ شب وصل انھیں چھوڑ تو دوں   وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں میں

اغیار ترے ماں ہیں بہن ہیں کہ چچی ہیں   کیا حق ہے انھیں کیوں ترا سر باندھ رہے ہیں

غیر کے وصل کو اب ہوتے ہیں کمرے خالی   غسل خانہ ترا لکھا تھا مری قسمت میں

جز میرے ترا بوسۂ لب جس نے لیا ہو   اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو
کس واسطے اس سے تجھے ملنے نہیں دیتے   تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

سیتے دیکھا جو لنگوٹا مجھکو — دخت رز نے کہا لنگا مجھکو
وصل کی تاب ہو کیونکر خواہش — یا باب کہتا ہے بھبیا مجھکو

گھٹتی ہے دشمنوں سے جو رسا تمہاری — یہ بیڑیاں رہینگی اسے دلربا تمہاری
رندوں کی تم مذمت کرتو رہے ہو واعظ — اٹھکر خبر نہ لے لیں یہ سب جھپا تمہاری

ہم بھی ترے صحن میں اغیار بھی ہیں آج — یہ دیکھنا ہے اب تری کھٹیا کدھر رہے
کہتے ہیں آج تیرے یہاں سو رہیں تو پھر — اماں سے کیا کہیں گے کہ کل کسکے گھر رہے

خدا کے لیے سر منڈا دو مری جان — بہت بڑھ گئی ہے حجامت تمہاری

تا کہ مجھپہ خدا اور میں رنڈی پہ نثار — ایک کے گھر میں رہوں ایک مرے گھر میں رہے
پھر اگر غیر نہ ٹک جائے تو اسکا ذمہ — آپ کو حکم وہ دیدیں کہ مرے گھر میں رہے

وہ جوتوں سے کی ہے مرمت کسی کی — کہ بن بن گئی ہے حجامت کسی کی
کوئی نیچری سانڈ پالے پڑے گا — علیگڈھ میں ٹھہری ہے نسبت کسی کی

سنا ہے دختر رز آپ کی ہمشیر ہوتی ہے — میں ہی تو شیخ کی رندوں میں یہ توقیر ہوتی ہے

گر باپ میں نہیں ہے تو ماں میں قصور ہے — نطفہ میں تیرے فرق مری جاں ضرور ہے

جلائے بے خطا ہم کو تو اسکے آتشک نکلے — رولائے جو آہیں ناحق تو بیماری ہو رقت کی

ترا دادا نہ خفش تھا باپ الو کا پٹھا تھا — پرانا خبطی ہے بو نہ کیوں ہو تجھ میں وحشت کی

تضمین بر شعر شہیدی

فضول تجھ سے تو بدظن ہے اے بت گلفام — تری قسم نہیں کرتا ہوں میں کسی سے حرام
کھلا کھلا کے مجھے سیر سیر پھر یا دام — پری اٹھی مرے پہلو سے بارہا ناکام
فریفتہ ہوں ترے طرز دلربائی کا

براق - فرضی تخلص ہے مرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک معزز رئیس اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اسوقت سن شریف تقریبًا ۵۴ برس کا ہوگا نہایت باخلاق زندہ دل یار باش اور وضعدار منکسر المزاج ہیں۔ مجھ سے کافی مراسم ہیں۔ لیکن باوجود اصرار بھی آپ نے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا — واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ کے دیگر کمالات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپ کے لئے کچھ موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے۔ اور اگر مجھکو وہ سب کلام ملجاتا جو آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریف کا اس تذکرہ میں اضافہ ہو جاتا۔ مگر کیا کیا جاسکے کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی زبان سے سنکر اپنی نوٹ بک میں درج کر لئے تھے اور کچھ بھی نہ مل سکا۔ شعر یہ ہیں۔

محو دیدار ہر اک طرف دیکھنے والا ہوتا — ستے لہنگے میں اگر بند نہ ڈالا ہوتا

کل شب عجب خیال دل ناصبور تھا — لہنگا کسی حسین کا آغوش ہو رہا

اُس طفل خشت بخت کی تھی خشمگیں نگاہ ۔ ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپیٹ کے بھول گیا مثل نان جو ۔ شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھکے کچوں کی بہار تھی ۔ سینہ کسی کا باغچۂ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے ۔ مرغ دل سوزاں ہے تہ دام ہمارا

برق - اسم گرامی منشی جوالاپرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتاپور میں ۲۱ - اکتوبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۷ء میں ضلع کچہری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہانتک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاکر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کرکے وکالت شروع کی - ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۳ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جبکہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا -

گو کہ آپ اسم بامسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی - اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباں دانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے - منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر - مرزا مچھو بیگ ستم ظریف - منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب خاص میں تھے - جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسیوقت سے اودھ پنچ میں نامہ نگاری شروع کی - اسی سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں - اکثر انگریزی ڈراموں کے لفظ بلفظ ترجمے اس خوبی سے کئے کہ باید وشاید - بنگلہ سے چار پانچ ناولوں کا اردو

چہروں پہ چھریاں تھیں وہ پلکیں اڑی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک اور کھیپ آئی کہ اللہ کی پناہ ۔۔۔ اونچے وہ انگرکھے کہ کبھی واہ واہ
تیور سے آشکار کہ پیسو پہ ہے نگاہ ۔۔۔ آسے نہ کچھ خیال کبھی گو خلق ہو تباہ

بگڑے ہوؤں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بدہ بدہ کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے

دوش رفتم سوئے بازار ۔ کسے یافتم عیار ۔ ز ہر تیغ سبکبار ۔ بہ تزویر گرفتار ۔ ز خود رفتہ و سرشار سبک خیز چو رہوار ۔ تنش چوں تن تنبور ۔ سیہ خال رخ حور ۔ مثال شب دیجور ۔ بسر کوٹ بتیلون بدن شستہ ز صابون ۔ رخش زرد ۔ دلش سرد ۔ تن و جان ہمہ گرد ۔ نہ او صاحب ایمان ، ولے بندۂ شیطان ۔ نہ ہندو نہ مسلمان ۔ نہ از قوم نصاریٰ ۔ دو دو ہر سمت بہ صد شوق گہے تخت گہے ذوق ۔ گہے استاد و شاشد ۔ گہے جست و سراسید ۔ گہے ٹھوکر و سیٹی گہے چائے گہے کافی و شمپین و برانڈی ۔ گہے بیر و کلارٹ گہے پاکٹ گہے جاکٹ ۔ گہے شیر و گہے رم ۔ گہے تلخی گہے تم ہمیں فکر بہر دم ۔ کشتۂ حرص و ہوا را ۔ گفتم اے ہمسر فرعون ۔ چرا می شدی ملعون ۔ کسے نیست چہ یارت ۔ چہ بود آخر کارت ۔ ایں وضع کدام است کہ داری ۔ چوں شد ز خرد عاری ۔ شیشۂ ننگ شکستی ۔ در دانش بچہ بستی ۔ تو ئی دیوانہ و مدہوش ۔ رہ عقل فراموش بشر علم و ادب دور ۔ بہ مے گمرہی مخمور ۔ بگو نام و نشانت ۔ شوم آگاہ بجانت ۔ بکن دیر خدا را ۔ گفت عدوئے ناموس ۔ بر دو ام بگر لوس ۔ ٹم آدمی ہے کالا ۔ یہ ہو کالا تالا ۔ من صاحب لوگیم ۔ فدائی بسر میم ۔ صاحب پلیلی نامم ۔ بیجاں شہرۂ عالم ۔ ز رہ عزم تو چہ دانی ۔ کہ نا قابل آئی ۔ بزنم ٹھوکر و تھپڑ ۔ اٹھو گدا میر شکلم رو سیاہ را گفتم اے صاحب اوصاف ۔ مزن بیہدہ بہت لات ۔ بہ بیں روئے سیہ خویش

بنہ آئینہ وربیش - مشو طائر لقال برزن مفت پر دبال - بجز ربیکٹ وہم کیک - لکن ترک رہ نیک - بشو پیرو حسنات - برست از خرفات بہ بیں صدق وصفا را -

---

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں - بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علیحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتدائی ہے - اسوقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ — مے ہے اچھی کب اچھی توبہ
کعبہ گرجا اور بتخانہ — گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی — ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی — رندوں میں کیا ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی — سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کر کرتے — اون کی روٹی تھی بی توبہ
میں اور ایسا کام کرونگا — توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا — کسکی توبہ کیسی توبہ
اوری بندے ہی جو ٹھہرے — آ گئی دل میں کرلی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو — بہتی خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کر لو — کام دہاں پر دیگی توبہ

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیگر نام
نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر ان کے دیکھنے نہیں گئے - میر تقی نے لکھا ہے
کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اس وقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا - اب
خدا معلوم کہاں گیا - بہر صورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے
لکھتا ہوں - میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اس کے وہ پیشتر شعر
جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے - کاش ہوتے تو لکھتا -

جیسا کہ دیمک کی فوج چلتی ہے — زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھو تو تم کبھی کرکے سراغ — مرے سینہ میں دیدکوں کا داغ
ذرے کے دام میں نہیں خورشید — دیمکوں نے اسے کیا ہے چھپید
ڈرے دیمک سے وہ جو ہیں شال — یاں تو اب کسکے خصیو نیرہے بال
لنگکے زیر و لنگکے بالا — نے غم دزد و نے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی - نام و مقام بھی
لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام وام سب بھول گیا
شعر یہ ہیں -

طبیب را اگر علاج بخواہی — طلب وصل مہ سرائی کن
در شب ہجر وصل می پرد جانا — یک لحاف است اینجا تانی کن
بنیں کم شمشیر سید ہد بسمل — از کھلی دیدہ لہ سائی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا - آپ پنجابی اخبار
نویسوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے - اور نہایت ذکی و ذہین تھے - سرحد تک

پنجاب پنچ لاہور کے ایڈیٹر رہے اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔ ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا سنہ ۱۸۸۱ء میں بعارضہ تپ انتقال کیا۔ کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالبًا سابق جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی پر سر پیکار ہیں لو اور سنو — اُن کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے — اُن سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ کھتیا نہ تو ادرک نہ مصالح موجود — سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی — جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم نرے مولوی تھے آج طفیل سرکار — پنچ میں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نان نہ پڑے رہتے ہیں تسکیں کے مدام — آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا – شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے میر اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبد الغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص تھا۔ بابا غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم کیا بات کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے۔ چونکہ میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی چونکہ خوش مذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لئے انھیں ظرافت کا رنگ پیدا کر کے نئی روح پھونک دیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجووں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

دے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں　　سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقا نے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا تٹ گریہ دستور ہے　　دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں　　ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا　　اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو

یکجا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے　　اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تربینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب بھلا اس سے کیا بہتر　　اسمیں ہو وے جو نام شاعر کا

لیکے دیوان پکارتے پھریے　　ہر گلی کوچے کلام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے　　بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونوں صاحب کے　　اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی

کچھ نہ پایا سوا اسکے سخن　　ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تجھے ہم استادہ ترے در پہ ولے بیٹھ گئے　　تو نے چاہا تھا کہ اٹھا لے نہ اٹھے بیٹھ گئے

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں　　اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوا اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

مبکائی - اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۱۱ - اپریل ۱۹۰۸ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ - اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا -
نوحہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوز دل - مرثیوں کی فصل - رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیئے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا یہ الطاف الٰہی - ہے ہے مری شاہی
کرتا تھا میں بیٹوں کی بڑی پشت پناہی - ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت - ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی آ پہنچی تباہی - ہے ہے مری شاہی

کرتا تھیں و ارونہ صفائی مری عزت - یہ کیا ہے بغاوت
مہری پہ حکومت ہے یہ تنالی ہے الٰہی - ہے ہے مری شاہی

باری ہے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - اب دیدیا چارج
بیکار ہی بیکار لگی منہ کو سیاہی - ہے ہے مری شاہی

یہ رنج کیا ضبط تو تپ آ گئی مجھکو - لے میرے مجو
خواں مجھ کا جو بھائی نے تو وحشت آگئی - ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دلبر تھے لگے تیر سے چلنے - لگا نیل سا ڈھلنے
جب بورڈ میں جا پہنچی ہوئی میری منادی - ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے حمل ذرا راس نہ آیا - غیرت کو گھٹایا
کالا ہوا منہ پتہ ہوا کھی قسمت کی سیاہی - ہے ہے مری شاہی

بیٹے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم - ہو بلکہ وہ دائم
قسمت ہے بری بھی کہ خدا نے نہیں چاہی - ہے ہے مری شاہی

بیٹنگ میں تو سب تھے مخالف مرے آگے - غیر تھے سکھائے
دیکھا جو یہ چپکے سے ہوا گھر کو میں راہی - ہے ہے مری شاہی

سب ایک ہوئے اور اکیلا مجھے رکھا - فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو بڑی دہائی - ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کہ کریں میری اعانت باقی رہے عزت
منہ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی - ہے ہے مری شاہی

نیچا سر مغرور ہمیشہ ہی ہوا ہے - آخر کو جھکا ہے
لی دو ٹکی میں نے تو لگی منہ پہ سیاہی - ہے ہے مری شاہی

بلیغ - محمد ثناء الحسن نام ہے - مین پوری کے رہنے والے ہیں - زمانہ حال کے ایک

خوش فکر ظریف شاعر ہیں - اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں -

ہزاراں حسرت نافرجام برایں ہمت عالی — کہ من مرغوبۂ خود را در آغوش دگر دارم

چو دستم شد حمائل گفت آں نازک مزاج من — بترس از من کہ یک خونخوار خنجر در کمر دارم

خوش شارہ روزے کہ آں پرخور آید در کنار من — بسا خربوزہ و تربوز دارم نیشکر دارم

بلیغ بارلغ بلغو بلاغت صرف کن اینجا — کہ ہر اہل بلیغ گوید کہ من سوئیت تطر دارم

بلبلی - یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نراین صاحب شرما کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں - علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے - ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں - بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بدقسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں -

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے — دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے

وائے قسمت میرے نسخہ میں فقط انجیر ہے — چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تفسیر ہے

عقد بربادی مجھ بشاشت ہو لے وا اغلا تجھے — دشت رہنے تو رہٹی یا ترے ہی ہمشیر ہے

ہو ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام — تجھ کو کیا ابلیس ترے باپ کی جاگیر ہے

ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے — بس اسی رشتہ سے لیلی قیس کی ہمشیر ہے

اے بلبلی میں اپنے فن میں کیوں نازاں نہ ہوں — مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

بھولا ربھر - عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار دہر دہ فرخ سابقہ کا ... سکے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت ہندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا مصرع طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسۂ پُرزر بہ ۔۔۔ بد نمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ارذلاں پور دہین ۔۔۔ پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان ۔۔۔ از رہ مستقیم چکر بہ
ایلچی ہم بکار می آید ۔۔۔ خر عیسیٰ بحال خود خر بہ
وضع خویش اختیار باید کرد ۔۔۔ ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیا لیش ۔۔۔ خاکساری شما را احقر بہ
ہیچ خواب را نمود رنیست ۔۔۔ نو بود خواہ کہنہ چھپر بہ
قند زنگی ز نیشکر آید ۔۔۔ چوں شکر سپید ہر چقندر بہ
مفلسانیم در بساط حیات ۔۔۔ اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی ۔۔۔ جان پل چوں غزال اصغر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را ۔۔۔ این چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زبانہ انگریزی ۔۔۔ تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید ۔۔۔ نہ یکے گفت کہ او خوشتر بہ

ابو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا جس میں اس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک ہونہار

شاگرد ہیں - میر صاحب اور ابو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجنسہ درج کرتا ہوں -

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے - اس لئے جب شاگردوں کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے - ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے - میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں - مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور مذمت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا - چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں -

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آگیا - مولوی کا زور بچوں پر ختم ہوا کرتا ہے - یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو - جعفر کو یہ فرمایش پوری کرنا پڑی اور بھوت بڈارا نامہ جو اب تک انکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں -

ورد پڑھ ناد علی راکش بیتال کو باندھ — ورد پڑھ ناد علی جن و گردلال کو باندھ
ورد پڑھ ناد علی بھیرن گھڑیال کو باندھ — ورد پڑھ ناد علی بھوتوں کے سرپال کو باندھ
ورد پڑھ ناد علی بے خرد بیتال کو باندھ
ہو بیدا یا پرتواسے چھوڑ کے نکل جا — باندھونگا عبث بھاگ کے آگے سے نکل جا
کر اور کسو آدم دیواں پہ عمل جا — آ تو کبھی کہا مان شتابی سے نکل جا
بسم اللہ دا محمد کی برکت سے نکل جا
یا شیشہ میں ہو بند و یا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف اپنے دار طرح طرح کے کھانو

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے اِن کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا
اِن کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آن نیم کہ ز حلوا دہان بگردانم | کہ ترک صحبت شیرینیانہ کافر طرز است
کسے بجوہر یکدانہ نخود نہ رسد | کہ قفل حقہ کیسا بہا چہ کشا داست
دگر مگوے کہ نان نو عروس سفرہ ماست | کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است
نوشتہ است بہ روغن بچہرۂ حبشی | کہ این سیاہ زبان زعفران زاد است
چہ می بری اسے کاسہ لیس بہ سجاق | بہ گنج زر و عسل روزی خدا داد است

بپیشم در سحر گاہاں گزاری صحن بریارا | بہ بوسے نیکوئش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہوے فربہ اگر داری غنیمت داں | کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
جمال پرہ بریاں حسن و نبجہ شیریں | چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
چہ آرائی برنگ و زعفران رخسار آلودہ | بزلگ و بوے خال و خط چہ حاجت روے زیبارا
بگو بناق و ماست خوشہ انگور شعالے | کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

نمی گردم ز ذکر کالیہ حسانی | بحسکر پور قم فی کل حال
سحر برخیزم از بہر ہریسہ | ومن طلب العلی سہر اللیالی
درون رشتہ آں خورشید شلغم | کان الشمس فی جوف اللیالی
چو ازہم میدرم مرغ مسلم | فما ادری یمینا عن شمال

بوبک ایک بیاض قلمی میں بو یک باطعا توی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام وحالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھا نہ

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے - ان کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور رلاتی بھی ہے - اغلب کہ بوبک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے چیخ اٹھے ہیں - وہی شور وہی ہائے واویلا پیدا کرکے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے - اگر یہی بات ہے تو بوبک تخلص بہت ہی موزوں ہے - کریما کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے - ان کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لئے ان کو نظر انداز کرکے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی — شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو بڈھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں ہمت پست — گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مستا

کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست — خوے بد در طبیعتے کہ نشست

نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا — کریما ببخشائے برحال ما

کہا کہ یہ جورو ہے اے بوالہوس — ندارم غیر از تو فریاد رس

یہ کہتی ہے جورو نہیں برملا — کہ ہستی اسیر کمند ہوا

وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا — نگہدار مارا ز راہ خطا

میں کہتا ہوں اس سے کہ لے تو چھپا — خطا در گذار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر — کبھی مارے گھونسے کبھی پٹکا سر

بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر — تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر

تکیہ مکن زینہار اے پسر — کہ روزے ز دستش درآئی بسر

بوم - شیر محمد خاں نام ہے - ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں ۔ متین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے - مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا - اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے - چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز کلام پر رکھتے ہیں - اب سنا ہے کہ مےخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں - ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں - مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا - اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہو سکی - اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا - چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں - اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہوگی -

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پر چار کر رہے تھے - اُسوقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی - اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو مجھکو مل سکے لکھے جاتے ہیں -

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے ۔۔۔ اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جلاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر ۔۔۔ بیٹھے ہیں بنا سے ہوئے سوراج جلاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہوگئی ۔۔۔ اچھی خاصی ان جلاہوں کی کمائی ہوگئی
یہ ترقی کس طرح ملبوس کھدر کو ملا ۔۔۔ چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہوگئی

کیا کہوں شوق ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا — کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا
کیا ذرا سی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا — میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعوی کر دیا
خود ہوئے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہدیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج — کس لیئے رکھا ہے سر پہ مسیحائی کا تاج
پوچھنے کے واسطے آئے نہ تم میرا مزاج — ہو نہیں سکتا جو تم سے درد فرقت کا علاج
تمکو کس الو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلئے — کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے
اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے — صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے
مارے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹھہرنے دیتا نہیں کیا اُسے دوران سر — یہ کبھی اس شاخ پر بیٹھا کبھی اس شاخ پر
دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر — بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر
شاعری نے اب اُسے الو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد — ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد
اگر جوتے اُسے گار د کا گارد — زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضایع مگرداں

بھسنڈ ایک شاعر مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا — ہستا تری دم میں سوت کا دھاگا

جب ناچ دیکھا ہوا منظور یار کو — فوراً مجھے مدارسی کا بکرا بنا دیا

خطا کرتا ہے یہ مرا کنسر عطا کرتی ہی جاتی ہے — مری بیوی برابر ماتا کرتی ہی جاتی ہو

دنیا بدل گئی ہے کمہاران بناؤں گا — اب اپنی بیوی کو میں تنبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے دعوتیں کمبخت عادت ہوگئی — کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہے بیگن کے سوا

والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی — سید ولی کے پاس رہ کر مجھکو سید کر دیا

پوچھتے ہیں نام سب نٹ کھٹ سے لوگ — کہہ بھی دو الّو کا پٹھا نام ہے

دی ایک چپت ایسی گالوں سے لہو نکلا — وہ بھوتنی والا تو بیراگی گرو نکلا

. . . .

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں — کھوپڑی کا فقط بچانا ہے

جسمیں سے مجھے ہم عدم میں لے بھیجیں — اک بڑا وہ بھی کارخانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے — یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا — کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں تو سب لوگوں پر — پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں میں اور نہ کوئی چور ہوں میں — حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں — جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچے گلشن ہے اور میں گل پر چیخ رہا — میں سینہ میں نکالوں درد دل تو ماہیا

بیڈھب - ایثار علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں مشفقی قمر بدایونی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں انکی کلام سے نوشقی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ نقد ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جسمیں زیادہ تر بیڈھب کا اور باقی اُن کے استاد بھائیوں کا کلام ہے - پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں - اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں -

حمد خدا میں بیڈھب زور قلم دکھانا — ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا
اک آہ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا — اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا
دو سیر باجرے کا ملیدہ اڑا گئے — لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈرونگا نہ ماں سے ڈرونگا — جو اُخت کہیگی وہ بیشک کرونگا
نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا — تو تم ساتھ اپنے تمہیں لے مرونگا
اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دیں گے — تو میں آج سرقہ کا دعویٰ کرونگا
اگر ضبط ما ہاتی مدد کو نہ آئی — تو قاتل کو بھی مار کر ہی مرونگا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمھارا — بس اب آ گئی ہے خزاں سبزہ چروں گا
اگر ساس نے مان لی میری بیٹی صاحب — تو میں بیاہ سے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں اگر شعر و سخن و دنیا رہتا — کہ تھا نیا پرار سم ہوتے تو دیکھیا رہتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زنانا — اب کے جنم میں یارب عورت بنا کر اپنانا
اس راگ پر ہو لعنت یہ بھی کوئی گانا — تادیم دیم درنا تا دارے دیم تا نا

کیا وہ سیر جانی مجھے ڈھونڈھیگا جو کبھی — ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بار ہا بیٹھ گئے ارکے چنگی والے — راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن — آج تک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان ہے بے مہر کہ طاعون ہے تو — کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی ٹائر پیڈل نہ تھا
دانے دال کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — قیس کا ہنڈا اٹھا بیٹھا بہت نادار تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا — صدمہ آنتوں کو سکھاتا ہے سویّاں ہونا
آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے — قابل قدر ہے آموں کا بھی سویّاں ہونا
کبھی مذہب نہ گنا آگتا ہی قدر ہا پڑے — اور پھر چلے کے دن آئے تو مسلماں ہونا

قحط میں کیسا جھمیلا عید کا — پھنس گیا دلدل میں پہلا عید کا

مفلسی اسپر یہ پرخورداریاں　　عرس افطاری و میلا عید کا
ہیں یہ جیسے اور یہ لندن کا بوٹ　　شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لدکر چلدیا　　رہ گیا خالی طویلا عید کا

دل میں اترا تیر ہو کیا غیر کو اپنا کہکر　　ہوش میں آؤ کر بلا کہیں بیٹھا ہوگا
دل لگانے کی مزا اب تجھے کیا دینگے　　قید ہوگی کہ ضمانت کہ ٹپکا ہوگا
سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقدی کے ساتھ　　ہو گیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم رہا پڑھ سب اگر　　عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا
رات یہ اندھیر کیا بزم بتاں پر ٹوٹتا ہی تھا　　غیر تو دالان میں تھا اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں ہوا ایسی گھٹی کیوں ہو　　خدانا خواستہ جوڑو ہماری بے پڑھی کیوں ہو

جو یہ شوقین ہوا ایسا نہیں دلبر کوئی　　پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
خوب یہ دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑ کر کھینچا　　وہ یہ سمجھے کہ ہے پتلون کے اندر کوئی
پہلے معشوق انھیں رنگ اما کرتے تھے　　اب یہ صاحب کوئی کہتا ہے مچھندر کوئی
بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے　　ناز اٹھواؤ گے تم ایسے کہ پھر کوئی

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے۔ ہجو گوئی اور ظرافت میں ید طولیٰ حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو بنا لیٹا میر انشا اللہ اور میر انشاء اللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے ان کے زور کا اندازہ کیجیئے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ　　سب کہتے ہیں زیادہ ہونگے انشاء اللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ　　لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بیگم — تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کیے جاتے ہیں۔

بھتیجوں کی سسرال میں تمکو جانا نہ　　نہیں مجھکو دو بھر ہے کھانا تمھارا

میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو　　یہ احساں ہے سر پہ دگانا تمھارا

ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا　　تو پھر ننگ ہے اور شانا تمھارا

گھر سے گانے کے دگانا مری مہمان گئی　　میں یہ انگار دل پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف پار فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۸۹۱ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدہ چپ سی مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہمنے دیکھے تھے گدایانِ مسلمانے چند — چشم دل سے جو نگہ کی تھی بر ویرانے چند

شاغل ورد و دل و راہ حقیقت آگاہ — بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند

خدمت قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں — انکے مشغلے ہوں وہ یا مہدی اعلیٰ خانے چند

رات دن اُن کے لیے شغل عبادت ہے یہی — زر و پوشاک سے اُن کو نہیں یارانے چند

ایک چمن واں وہ فقیروں کو بنا دیتے ہیں شاہ — آسمان پر بھی نہیں اُن کے سے پاکانے چند

گو کہ چھٹی کی طرح سے ہی یہ چندا لاکھ صفت — اس کے رتبے کو کہاں پہنچے سلیمانے چند

دلِ احقر میں یہ آتا ہے شب و روز مدام — ترک اکرم سے کروں دنیا و ایوانے چند

پھری چھمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو ریختی کہنے میں مشاق تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا (جو دلی کے ایک مشہور شاعر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ گلستانِ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چالیس پچاس برس اُدھر اُن کی شاعری کا دور دورہ ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا تین شعر گلستانِ سخن میں ملے۔ اور دو سخن شعرا میں۔

دنیا کے مردو سے مرے اوپر فدا ہوئے	مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے
اب کے تو مردوں کے ہیں غایا نہ بیوفا	اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے
دل نہ کبھی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں	درگور مردوے مرے روزے قضا ہوئے

شاہ چپٹیا - ایک آزاد لا ابالی فقیر منش آدمی تھا - دہلی میں قیام تھا - وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا - جہاں بیٹھتا تھا - وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا - میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر ان کا نقل کرتے ہیں -

دل مرا گر دلبر یار کے منہ لاتا ہے	پیشکر خوردہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

پیٹنٹ بل سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف پر لٹیج کا تخلص ہے جو غزل ان کی نسبت لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں - ملاحظہ ہو - اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں -

ڈیر پنچ - آجکل آپ کے اخبار میں اردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اپنا شب بھی زمانہ سے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت بازآمد بندہ مگر پختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہٰذا اپنی رائے سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے - سنئے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سنئے اردو شاعری پہ بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں - اعتراض کسی قدر صحیح معلوم ہوتا ہے - ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضائے انسانی لے لئے ہیں - جن کا فراق اور وصال میں دکھڑا رو دیا گیا ہے - ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے - یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک مخلوط ہو جاتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہیئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جاسے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران رنگین بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پیٹنٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

گردوں نے دردِ عشق میں آفت مچائی ہے
تلی غمِ فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

کروٹ بدل رہے ہیں شبِ ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شبِ فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوشِ یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شبِ فراق طبیعت بہلتی ہے

برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام ۔ نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبرآباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے کبھی کبھی اردو کے شعر بھی

کہہ لیتے تھے ۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے ۔ ان کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی ۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے ۔ ایک دیوان ان سے یادگار ہے مگر نایاب ہے ۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے ۔۔۔ کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ۔۔۔ ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تا، قرشت

تبسم۔ مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹو گرافی کی دکان ہے۔ چند شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مر گیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا جس پہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا

آ دبوچا جو مرے طائر دل کو اُس نے ناز اُس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا

کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی کوئی سسر کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا

خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش تو کیا عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا

دُرِ غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں تو یقیناً دہن یار بھی سیپی ہوگا

غل مچاتے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں پپیہا ہوگا

بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم یار کا باپ کوئی جونپور کا قاضی ہوگا

جسکو دیتے ہیں مزے کھانے پہ ان کا عاشق غم نہ کیجیے اُسے وہ آم کی چٹنی ہوگا

کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آ کر شیریں دب گیا گر کہیں پتھر سے تو پچکی ہوگا

تجھ پہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور عشق کچھ چیز نہیں ہے کہ وہ مخفی ہوگا

بس ہیں تہذیب نہو تو ہو ظرافت مہمل حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہنسی ہی ہوگا

یاں یہ حالت ہو کہ ہم سے نہ ہو ضبط غم نہیں وہاں سوال جہل کہتے ہیں وہ کبھی ہم نہیں

ساقی گر نہ کرے میں پانی بھنگ پیتا ہوں ۔۔۔ گر لڑکھڑا گیا تو نہیں گر پڑتا ہوں

پردہ سسٹم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحبو ۔۔۔ پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں بننے تو دو

پاک ہو جائے گی سب آب و ہوائے راہ عشق ۔۔۔ صاف تم اپنی گلی کی نالیاں بننے تو دو

انڈے بچے گھر پہ جا کر دیں گے کیا فخر ہما ۔۔۔ آشیاں بیشرق سے جاناں اڑان بننے تو دو

آٹھویں دن ترک الفت دور از انصاف ہے ۔۔۔ اپنے عاشق کو ذرا تو شیرواں بننے تو دو

اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر ۔۔۔ شیر خوار ہے ابھی قاتل جواں بننے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کر لیتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ سنہ ۱۸۱۲ء تک بجبیر و ممانیت کلکتہ میں موجود تھے اردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف ہیں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جا سکے مگر شستہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پہ مچل مچل جانا ۔۔۔ یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رتا

نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر ۔۔۔ لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ

میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تجھ سے التماس ۔۔۔ کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے

غصہ اٹھا اٹھا کے یہ سنی بار بار کا ۔۔۔ اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔

شیخ کل میکدے میں آ بیٹھا تھا ۔۔۔ آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصنف سخن شعرا اور گلشن بیخار۔ خمخانۂ جاوید سب اسبات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور نقل محفل ہوتا۔ تاہم بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اور ان میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رہے تو رہ ہے جورو دکھتا تھا
آگئی اسکے پاؤں تک مسر لے آرزو پہونچا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا
کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بازو کبھو پہونچا

کریگے شکوہ کو موقوف میاں بس جیتے
میں بھی بدلوں گا تو ناحق تو خفا ہوئے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں مہربان
دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصور۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت میں زندہ تھے۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان ریختی میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام بہلول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

متخلص بہ تحسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا سے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا سنہ ۱۲۸۰ھ میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں — کوئی قدر کیوں ان کے نخرے اٹھائے

توفی ایران کی ایک مخدرہ عصمت آپ کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سجز قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرہ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ تو بی بیچاری ان کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش — یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من تو صلح کنم — تو باکرتش بساز و من با کیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی ———
میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے کشت مرا — کا واک شدہ چونئے از و پشت مرا
گر پشت بسوے او رسے خواب کنم — بیدار کند بضرب انگشت مرا

تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی سست رگے کشت مرا — رونے بنہ بود از و بخبر پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت — بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں چھپا ہے اس کے یہ ۔ باقی ہیں ۔

ملا ہمہ ناز و غمزہ اتا گشت مرا — تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ شب نشستے من خواب کہی — بگذار کہ وا گرفتہ از پشت مرا

حسرتِ تائے ہندی

ٹیٹیری - کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں ہے یہ تین شعر ان کی طبع وقاد کے دریاے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۂ پیش کرتا ہوں -

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں — جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت تجھکو — اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری کمبخت جاتی ہے — مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر جاتی ہے

ٹریڈ مارک - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے - موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے - اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے -

پرچ - آداب عرض جناب من - دنیا اور اسکی مضافاتی کھیڑیا دھسان الٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کانوں میں دم کر دیا ہے - جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیرت دے گا - تو شعر کا مذاق تا بقاے حیات کیوں چھوٹے گا - رہا یہ جھگڑا کہ اردو ستانی میں شاعری کیجاوے یا حال و مستقبل میں - ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں - یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رکتی دور کیوں جائیے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کریجیے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغاں سمجھنا چاہیئے۔ ماضی کی شاعری سے تجاوز کر کے ....

حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے۔ اور اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کر سکتے ہیں۔ اگر صحت و سلامتی دمساز ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصۂ نظم نذر ناظرین کر دیں۔ میں موجد پیٹنٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور حاشیہ میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ دوسری حیثیت سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے غزل بے بدل پر حاشیہ لاجواب یعنی خمسۂ دنداں شکن یہ ہے ۔

شہ رگ پہ دم بدم مری گردن ملتی ہے — دیوانگی کی نہر شب روز ابلتی ہے
گلشن میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے — صدمے میں آتش عشق بجھ تو جاتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی سے سینہ میں چلتی ہے

ٹخنوں میں درد ہو گیا وہ خاک اڑائی ہے — ایڑی سے پاش پاش ہی پنڈلی کلائی ہے
جز خم دل میں ہم کہ حلق تک بن آئی ہے — گردوں نے دردِ عشق میں آفت مچائی ہے
تلوؤں غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے جبڑا یار کا آسرا — بخت سیہ کا لیتے ہی کیا گلا
اچھا ہوا تو مجھ کو نازل ہوئی بلا — چھینک آئی ہمنے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

صبح شب فراق میں اللہ کی مار ہیں — ہے دوپہر تو لوٹتے ہیں بخار میں
المدعا کہ شام ہوئی انتظار میں — کروٹ بدل رہے ہیں شب بھر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بند رقص ہی ہے

بیاں شکم کا حال ہوا سوز ساگر ثاقی — یہ حسن اتفاق ہے یا سوء اتفاق

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مراق ۔۔۔ سارے گنا گیا ہوں پراچت نہ فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دئے ہمنے تار تک ۔۔۔ قرم بھی بھیجے ایک سے تو یک ہزار تک
ملتا نہ تھا ملا نہ انھیں گھر میں پار تک ۔۔۔ دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوشِ یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں ۔۔۔ وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں
جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں ۔۔۔ شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہے ساری پراغ ہیں ۔۔۔ جو رنگ تیرے سر میں وہ دلکے داغ ہیں
یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں ۔۔۔ تصویر یار ہمنے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہے زکام برابر علاج ہے ۔۔۔ گرمی میں ہے بخار جنکا احتیاج ہے
اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے ۔۔۔ برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر نانت ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد ۔ اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھیک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی زبردستیوں کا ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے ۔۔۔ آئے آئے جھم جھم آئے ۔۔۔ پنچ دوارے ٹیسو آئے
پنچ بہادر کہاں ہیں آئیں ۔۔۔ ہمری اسچ گرج سن جائیں

پنچ
آنا کیوں چلا جاتے ہیں — آتے ہیں کبھی آتے ہیں

ٹیسو
آج باتا یہ ہم نے ٹھانی — لا یہہ ہوئی ہمکا یا پانی
تنک تنک سا ہم باتا تپتی ہے — رتی رتی حال سنی ہے

ہندوستان
ٹیسو سا رابت ستا مَس — گھر گھر ہیت بھیک منگا تس
بھٹکنگی ہاں عمر گنوا دا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایسن بجوگ پڑا لیچھ آن — چند چھپین اس جا پان
کہو کہاں سے اب ہم لاوی — دوسرے کی جو لگی بجھاوی
جھنجھی کوڑی گھر ہاں ناہیں — کہو کہ کہہ کی کھیر سنائیں

ضرورت
کہہ دو بہت نہ شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں — جہاں سے جیئے وہاں سے لائیں

ہندوستان
پنچ بہادر سنتے ہو — سنتے ہو کبھی سنتے ہو

بازاری لڑکے
پنچ بہادر جیتے ہیں — دیتے ہیں کبھی دیتے ہیں

ٹیسو
جھنجھیا ہمری نانی بڑی سیانی — جہاں بیٹھی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — بنا بار سے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

	راجہ سب کی سنتا ہے	روتا ہے اور کہتا ہے
	عقل گیان سبھی کچھ ہر لیا	کہو تو جھوٹے سچ کچ کر دی

بازاری لڑکے	کھیلو کودو جانے دو	مرلی سہے مر جانے دو

ضرورت	پنچ دوارستے کا لایو	پیچ سیج لہو کا پایو

ہندوستان	ہم کا ملی نہیں اک پائی	کیا جھوٹے لیکھا سمجھائی

ضرورت	اچھا اچھا دیکھیں گے	دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان	اے بدبختا ہم کا کن کینا	پھر سے کرم مار کا لکھ دینا
	یا ہی دیکھا کرم کا لیکھا	جا سے بھینا بھی دکھ دیکھا

حرف ثائے مثلثہ

ثریا۔ جمیعت علی نام تھا۔ جھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں تھا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی گوئی کی طرف ہو گیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو دھن نہیں

اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ نصیبی کو جلاتی ہے سدا وہ چھیپے — میری سوتن کے کبھی یونہی آگئے لیے

دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی تھے جا کے وہیں — اپنے نینے کا نہ تھے کیوں رات کو بھاگ گئے

شام سے سوتے ہیں منہ پھیرے مردوں کی طرح — آئے تو گھر میں کبھی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچا لاڈو تو نہ زنہار کہیں — کنواریاں خود تو بساتی نہیں گھر بار کہیں

ان کو آنا ہو تو آجائیں وہ گھر ہے ان کا — مجھ کو کیا کام ہے جائے مری پیزار کہیں

آجکل کنواریاں بیگم بڑی نکلتی ہیں — ننگی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اقرار کہیں

ڈھکو ہر کام میں کیوں انگلی ہی پھر ماما — رات بھر جاگی نہیں ہے جو یہ بیمار کہیں

ماما کا ہے کہنا کٹنی ہے یہ اچھی خاصی　　مجھکو کر ڈالے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ پھر جاتی ہے　　ڈھونڈھ دے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو　　مار اپنی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں　　مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

حرف جیم عربی

جان - میر یار علی نام تھا۔ میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا۔ مگر بسبب فکر معاش آخر میں متوسلین درباری میں ملازم ہوکر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی سخنداں مرنج آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر سنہ ۱۲۷۴ھ میں مجبوراً ترک وطن کرکے روزگار کی فکر میں دلّی گئے۔ مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی۔ آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدردانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے۔ تا اینکہ سنہ ۱۲۹ھ میں ۶۳ برس کی عمر پاکر پیوند خاک ہوگئے۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُنکے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا۔

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادرزاد اندھا شاعر تھا۔ وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال سنہ ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے تذکرہ شعراے دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صابر میں یہ عبارت دیکھی "زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اس سبب سے کہ ان کی طبیعت کو خود اس صنعت کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد آن کو معلوم ہوا ہوگا کہ خود سید انشاء نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہٰذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا۔ اسیطرح تذکرۂ مہر جہانتاب میں بھی انشاء ہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں۔

ارے نادان تپن اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے ‏ ‏ رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں ‏ ‏ سکھی کر رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن بجز ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس پر مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا۔ مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی اسمیں باقی نہیں رہی۔ مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا کثرت سے زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپا تو نا پید ہو گیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اسکا انتخاب کر کے کانٹے نکال دئے اور پھول چن لیے ہیں اور اس انتخاب کو چھپوا یا ہے۔ سنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے
والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے اُن کے یہاں
بیگماتی زبان ۔لکھنؤ کے ۔روزمرہ ۔شیریں کلام عورتوں کے محاورات ۔رسوم و رواج کا اسقدر
ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں ۔میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد
مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لیے پورا دیوان دیکھنا پڑا ۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور — کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

پھبتی کہی چراغ ہے بیٹے کی جھونجھ میں — محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
یہ سات پیڑھیوں سے ہوا بعد اتفاق — کنبے میں بیگما کے دولہا جو نظر پڑا
جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا تباہ — برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

انگا میٹھا برس جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے — کہیں مشاطہ کہے پیغام اب مصری کی نسبت کا
وہ دل در گور جنیاں لے کبھی جو نام الفت کا — کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
وہ تھے استاد ان سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت — کیا ہے نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا
کلوارنی یہ مرتا ہے لعنت اسکی لیش پر — قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
مستانی سوت پر پڑے خالق مرا وبال — پڑ جائے اس کے حلق میں کھانڈا شراب کا
سو موتیوں سے جلا ہر نے جو جو بہ کھیلے — چال وہ چھٹے ٹکے کی کہ بکی نیکو مکر چلتا
رہ گیا کس سوم کا پیٹ جو جنتی نہ رہا — تیر ہوا اس مہتاب کو یہ چاند ہے شوال کا
سا اس نندوں کی محبت کے میں قربان گئی — جاؤں میکے تجھے منگوا دو سواری مرزا
تم سلامت رہو صدقے میں تمہارے مرزا — کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا
پکا نہ تھا کچا تھا وہ جن اے پرسچا تم — کل سر پہ چڑھا آج نگوڑا اتر آیا

نہ چھینکا ڈھیلا نہ کھٹکا را جب چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا نہ ٹڑی
نہیں تو لاکھ کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کا لا کبھی لال ہو گیا
غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکمے بال کا
راکھ دل کے نوچ یا لزدہ لگا ہے تال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہے کہ ان میری سوت
کھائے پھل تلوار کا اور پھول نہ نکلے ڈھال کا

خالی کے مہینہ میں وہ خالا نہیں رہتا
در گور مرے پاس رزالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہوں ماموں سے محرم میں بھی رنڈی
موباف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اک پٹھا ہے پکو تو سو خطرے سوں سے پلے
مردوں پہ تو کوئی بھی کسا لا نہیں رہتا

حسن جاتا رہے چھاتیوں کا ردیا ہے
صدقے اس عقل کے جس نے یہ بتائی انگیا

اگر یاد نہیں آتا ملا کر دیکھ لو دو اسب
مری نارنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پڑے کی آنچ کا صدمہ
یہ وہ چلا پا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ جاتے ہیں باہر ہول کھلا مغلانی
ادھڑی دو بار گر ٹھیک آئی انگیا

کوڑھ ان چھاتیوں سے ٹپکے آپ جو پہنے
میں تو کوسوں گی مری جس نے چرائی انگیا

اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنائیں
اپنی جبر دو نکموئے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہنے میں تھا مرد کا کام
ایک دو بولوں میں جلال ہوا

خدا نے جو منی کو قوم میں ان کی کیا پیدا
بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں ہمارا اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہے کہ دیا
چھوڑا پڑا قدم میں نے تو اچھا دہل گیا

تصویر ان کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے
بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی وہ رات کا پھر وہی گھپلا نکلا
کوئی گل پھولے گا پھر سوت کا جی جل نکلا

بہو نہیں تل ہے مری مہتابی کے چھاتی پر کہیں
چاند کے پیٹ میں خورشید یہ تارا نکلا

جان صاحب تو ہے رات کو خانم کے گھر
مجھ نجیبی نے عیبث عیش کا سامان کیا

کہتے ہیں دیتی ہوں لاڈو خانم قسم خدا کی یہ دیکھ لینا
نکال لونگی میں وہ نو دیدے کیا کسی سے جواب اشارا

میں پاس بیٹھی تھی دلھا بھائی کے گر وہ سنتے تو ہوتی آفت
کیا غضب کیا یہ تونے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

رہونگی میکے میں اپنے جاکر سواری منگوا دو مجھکو صاحب
یہ سن نند ونکی بولی ٹھولی کر نہیں کیا کٹ کٹلا گوارا

کھاتا ہے چرا کے خوب نہیں مانتے پان کا
منھ کی کہیں کھلا سے نہ چسکا زبان کا

محرم نکیلی چھاتیوں پر پھبتی ہے نئی
انگیا غلاف جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خوالی ہے مری دونو طرح
بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اسے بوا پتھر کا دل ہے اس موئے بے پیر کا
تھا نکھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا
یا دور دور کرتے ہیں اب اے جان آشنا

کرتا رہا وعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا
مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا
منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

ناک کٹوا کے میں منڈوا دونگی بی سوت کا سر
دشمنوں کا مٹے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے ہوا سال بھر ہوا

سوکھا ستو کھا گورا گورا
کملو کا گھر والا ہوگا

کھلا جنگل میں آکر حال ان چڑیوں کی چونچ ٹیکا
ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پیسا اپنے مچھند کا

لگجا سے نہ کوسا کسی کل جبھی کا ظالم
ہونا ارے مشہور بلا کو نہیں اچھا

جو شوہر ہے لٹورا کہتی ہوں اسکے حق میں
چڑیا حلال کردے تجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کو کھو جلی مانگ جلی دکھیا ہوں
ٹھنڈا رکھے گا تجھے اوہی جلانا میرا

تم اگر رو گے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا
کیا خاک کبھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں
گھروالا گھر کو کہتا ہے تحفہ سا نہ ہو گیا

مجھے نفرت ہے سورت نگوڑے جان جیا کی
وہ اسکی شکل کیا ہوئے ہوا قربان کی صورت

ہے دوالی سے سوا آجکا دن آج کی رات
گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات

صبح کو دیکھا ہے منہ شام برن کا میں نے
خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات

تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے
اور رہ جاؤ بوا آج کا دن آجکی رات

جو دال دلیہ ہو وسے بسر تجھے دکھائیں
بھائی کو بھائی کیا ہو کمائی کی احتیاج

نشہ میں تاڑی کے جورو کو مارا بلٹرو سے نے
نکل گئی مری بچی کی اک کٹار میں روح

جیتے جی بندی کو اللہ دکھائے سہرا
مجھکو کیا لوگو جو گھر اسکا لٹا میرے بعد

سچ میں کہتی ہوں نبی بخش برا ہے داماد
رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد

قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا
سوت بچو بنہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کارخانے میں خدا کے ہے کسے دخل بوا
بچہ تم پہلے جنیں بیاہ ہوا میرے بعد

رنگیں کی ریختی ہے سخن میر ا ریختہ
فتنے کو فوق کیوں نہ ہوا سے باجی نور پر

جھجر میں باجی ایک مسلمان تھا کمہار
یہ حال اسکے گھر کے نظر آسے نور پر

دلوایا شب برات میں مردوں کا فاتحہ
لوٹے گھڑے پہ بدھنی پہ مٹکے مشور پر

نہ دیکھ دولہا کو سامنے نندوں کے آگے گھونگھٹ اٹھا اٹھا کر
نئی نویلی دلھن ہے بچی انگی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا
بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کریں وہ مجھ پر نہ قرق اتنا کچھ ان کے گھر میں تو ہیچ ہی ہیں
کروڑوں ہیں نے بگاڑ ڈالے گھر ندیے اپنے بنا بنا کر

لگائی سوسن نے ایسی مسی کہ جیسے لطیخ نے کھائی کیچڑ
کسی نے ارا ہے منہ میں پتھر نہیں آتی ہے پان کھا کر

خدا نے چاہا تو ٹھنڈے ٹھنڈے بیٹوں رہنگی سوچ کس طرح خیدہ
چلی ہوں دنیا سے جلتی بھنتی اسی نے مارا جلا جلا کر

نصیب سید ہوا اگر ہے میرا نکلیں نکلے گی کھاٹ اسکی
وہ سکھ نہ پائیگی جسنے بھیجا ہے الٹی پٹی تمہیں پڑھا کر

ہو نہیں بڑھیا پہ جو الزام کے گلے کا تختی ہو لا
اب بھی یہ کند چھری ہے مرے دوچار سے تیز

سوت ستا گالیاں نہ کھلواتے
تمکو ہوتا جو کچھ بھی میرا پاس

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی
کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

عجب طرح کی سختی دیکھے اس نے ماں کے — نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں

بجلی گرے الٰہی مہاجن کی جان پر — کیا پڑ گئیں کھٹائی میں کانوں کی بالیاں

سنتی ہوں ایک روز بلاتی ہیں مردوا — کیا نیک بخت ہیں مرے ہمسائی والیاں

جیسے بھاتے ہیں مجھے باجی تمہارے ہاتھ پاؤں — گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

مرے شے کھاتی ہو نہیں قسموں کلاموں کی قسم — تیرے من پوچھے گئی ہو نہیں جو اک بار کہیں

جا کے سسرال میں دکھاتے صنم قائم تو — پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ — بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

اپنے گھر والے کی وہ جا کے خبر تو لیویں — اُن کے بہنا سے زیادہ نہیں مکار کہیں

بیاہ خانم کا تو کر دینے کو تیار ہوئیں — باجی کوڑی کا سہارا انہیں لاچار نہیں

میں پڑی کیا اہیر کے گھر میں — پھنس گئی لوڑھی بھینس والی میں

اچھا بن کھو سے نکل جاؤ گی میں اب — اوقات مجھ منحتی کی ہو دلی بسر نہیں

سید الکل کہتے ہیں پیا اکا نساتہ میں — لیکن بھائی سب کی ہیں شیخوں کی ذات میں

مری ہی جاتی ہو تم مجھ سے عقلمند نہیں — یہ باتیں چیت میں لقمان سے بھی بند نہیں

نہ شوق گانے کا مجھ کو نہ ہے بجانے کا — اسی سے حسن مرا مرد کے پسند نہیں

بڑھیا کے بوڑھے چوچاو پیر مرد کیا مرے — اتری ہوئی کمان ہیں لے پی کے تیر ہیں

آنسو ابھی جب جھڑی لگتی ہے دم بھرتا ہے یہ — دل لگوڑا بن گیا جھنگر کر برساتیں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں ہائی کرایہ کا مکان — چھپا دنی کا گھر سختی بیچ کر بیٹھا گیا

خصم چھڑا کے مرے دل نے پار کروایا — کیا اسی نے ہے بے راہ راست مجھ کو

نہ جاؤ تم پڑو چولہے بیٹھ دیکھتے بھائی کو — لگی ہیں درد مری لوں بلا لائے وہ دائی کو

الٰہی کوڑے پڑیں ایسی خلائی کی ہاتھوں پہ — کہ جس نے کر دیا غارت مری انگیا کے بازو کو

میاں صاحب پیں ہو دہ سنگی بیچی کر سوار — رن کو کیا سو تم کو لائے ہو داری رات کو

سوت کی بھبتی نہ کھائی بانجھ دنیا سے چلی
دل میں میرے رہ گئے افسوس یہ ارمان دو

پھٹکار کیسے منہ پہ برستی ہے چل پچھے
منھ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ

مسجد کا طاق بھرنے نگوڑی چلے گی کب
کیا فرض ہے دوگانے کو کرنا سنگھار کچھ

خوب گن سیکھے کواری کھیلکر ٹیلڈن کے ساتھ
رات کو مسی ملی اندھیرے سوتن کے ساتھ

....

دوسری مجھ سی لٹے صدمے میں چھاتی پھٹ جائے
میں بھی برباد ہوئی اس مُئے اٹھانے کے ساتھ

شمع افروزی کی پی چھپا تو پھر بھبتی کہوں
تیل پانی کے کنول آج میں روشن دیکھے

یہ درشن کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی
دو چار پڑے اپنے ہوں دو چار تمھارے

ڈر لگے کیونکر نہ ان دونوں کی مجھکو چال سے
چھوکری اندھی ہے لڑکا نہیں دجال ہے

ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں مٹکتا ہے موا
جان صاحب کی ابھی دیکھو حماقت نہ گئی

تانبے کا تار لانا نہ اکدن ہوا نصیب
سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے

حلوائی کی دکان کی پھبتی نہ کیوں کہوں
دن رات آسمان مٹھائی کا تھال ہے

کیا ہوگا گل ہزار کھلائے موا بہار
میں پات پات ہوں وہ اگر ڈال ڈال ہے

کھلوا نہ ٹھوکریں موئے دل دربدر مجھے
رسوا نہ کر ذلیل نہ کر گھر بگھر مجھے

بائمن یہ مجھ سے کہتا ہے پوتھی بچار کے
پھیرے میں تم پھنسو گی اب تین چار کے

منگا دو مجھے ڈولی میکے کو جاؤں
تمھارے لئے کچھ برائی نہ ہوگی

جعفر۔ مرزا مومن بیگ نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو محمد شاہ کے ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق متین سے متین شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی ـــ تا صبح کیوں نہ ہووے چمن بیچ چٹا پٹی

آنچھ نین میں بس کہ نباہے ترے لئے ـــ یہ خیمہ سیاہ و سفید و بیٹا پٹی۔

پڑتے ہے کیوں نہ ہر اک بات میں تالی وہ چھینسی ـــ صفا دانتوں کی روشن سپاہی میں بتیسی

جعفر زٹلی۔ میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہرصورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزبان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس کا رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہنچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو فہو المراد۔ ورنہ غصہ کے تھرمامیٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکالکر پہلے اسی شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کرکے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبدالقادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نیک سیرت ساکت خوشمزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے از راہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سُنا۔ طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا ان کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی۔ بیدل نے اشارہ سے بھی بادل ناخواستہ منظور کرلیا۔ آپ نے کچھ ہجویہ شعر پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی ہے"

ع۔ چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پشم۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے ہی عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلاکر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے لہذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لیئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آ گئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹل سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا چانستاں حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "بھوت بڑارا نامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند نازکو ایک اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک ہجو نامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں ہجو سے نامے کو نادر سخن ستی   سُن مرحبا کہو گے مجھے اس بچن ستی

مشہور ہے یہ بات کھفوسے زمن ستی   ہجو سے کو شیخ جی نے دغا دی تھی فن تنا

تس کا کروں بیان تو جان دہن ستی

یہ ہجو ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ جعفر زٹل نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمایش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گھونگھٹ   تا کے بود ایں گرمی بازار جو ہے تو
تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی   بے رنگ پتنگے کا اڑن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہوگئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہوگیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہوگئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل   دمبدم از دمدمہ جاں در خلل
توبہ ازیں مسکن روزن فراخ   روز و شب آوازۂ کھس پھس چوں شاخ
توبہ ازیں مسکن پر شور و شر   مرحلۂ پر خطرہ خوف و ڈر
پر خس و خاشاک یہ سر ٹوکری   نزد خرد بہتر ازیں نوکری
جعفر ازیں کوچہ دہی مورچھل   شرم حضوری بکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش   کہ عجّی بزد کرد بچی دبخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوے اور دکن کی طرف چلدیئے مگر بد قسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفرا کیسے بنے — افتادی اندر بحر و بر کہہ جعفرا کیسے بنے
در بیکسی تا بودہ با درد و غم آلودہ — مفلس شدی و در بدر کہہ جعفرا کیسے بنے
از ہجو آن سلطان خود کردی پشیماں جان خود — درماندہ بے بال و پر کہہ جعفرا کیسے بنے
اسباب ہم برداشتی تخم فلاکت کاشتی — اکنوں کجا آں سیم و زر کہہ جعفرا کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانکتے ہل ہانکتے کودوں کھا کے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نثر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ؎

ز خان جہاں شاہ گیتی پناہ — زبیداد جوآں ز ٹل داد خواہ
جُوآں پڑگئیں در قبا و ازار — نئی آئی مشکل یہ دلّی دیار
رکت کی جو پیا میری پیاسی پھریں — کہ حیران و ہلکان مجھکو کریں
لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں — بغل بیچ دشمن مری ہو رہیں
جوآں مارتے مارتے شب گزشت — و لیکن جوئیں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دئے۔ مگر چند روز بعد اور اسباب پیش آئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آ کر کبھی چیخ نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی اور خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسی طرح اُن کا مشغلہ شاعری خالصا کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے۔ اور خوش طبعی مسخراپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ اُنکے ایک ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج وخندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم وفضل وفنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی مایہ ناز نظموں کا دار ومدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دہلی میں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند ونصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفرا در جہاں معاذ اللہ　　ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند　　گرچہ عفریت واہرمن باشد

جعفرا مفلسے کہ زن بہ کند　　آہ آں زن زلست مردک خر
آرزوے دلش بہ دل ماند　　خود بپے نان خراب ورسوا تر

بزاری گردان در افتادم بگرداب پریشانی — دل و دین رفت و نیاں شد رہ و رسم مسلمانی

بلے خوش گفتہ مصرع جعفر این از رہ فطرت — چرا کاری کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانۂ شاہی میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا۔ بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا۔ خیر اسوقت تو جعفر خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

منم آن رستم وقت روئین تنم — کہ دہ پا پڑا ز مشت خود بشکنم

کنم روز اندر چپاتی بہ شیر — بر آرم دمار از سر مور تیر

کشم گردن پشہ را در کمند — مگس چند را من در آرم بہ بند

بپوشم اگر جوشن جنگ را — ہزیمت دہم پسوئے لنگ را

بہ صد حملہ بال مگس بر کنم — قطار دو صد مور برہم زنم

اگر بر زنم پنجہ در دال خیا — خجل ہیبت و قوت من در حیات

بدوزم برمح سنان دو ورا — شگافم بہ چنگال فالود را

درین دور ثانی رستم منم — بتاسا بہ گرز گران بشکنم

بہنگام خشم و تردد تلاش — کنم غرق انگشت در دال ماش

من آن شہسوارم کہ در روز نبرد — بر آرم بہ یک شت از پنبہ گرد

چنان بشکنم رشتۂ خام را — کہ سازم خجل رستم و سام را

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم — چہل خانۂ موش ویراں کنم

چو قصر سازم از خنجر آب دار — بحلوا و جغرات ہنگام کار

اگر بر کشم تیغ تدبیر را — ببرم سر شیر تصویر را

تہمتن منم گر کشم تیغ خشم — تراشم بہ و ضرب یک موی پشم

نہ آنم کہ بگریزم از گوز خر — بگوزش کنم سینہ خود سپر

بنام و نشان جعفر پر ہنر — چو گوز خر آوازۂ من بلند

ننلرزہ از من در اندام شوم — کنم زیر پیوستہ در کام شوم

سر مسکاں بہ بستر دار بہ — نہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ

بترسد دل شوم از شاعراں — چو از باز و شاہین دل طائراں

چو بیند مرا شوم تکبر کند — چو از گربہ مرغے کہ کرکر کند

اگر بنگرد صورتش از بخیل — گریزد چو از گردگاں شاخ فیل

بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن — بہ ہمت جناب سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اسیوقت خبر آئی کہ مغلیہ فوج مغلوب ہوکر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی کوکلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑگئے۔ دو نظمیں لکھیں جن میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے۔

بشنو بیان نوکری جب لگا ہونے نوکری — تب بھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا ضبط ہے

ہر روز مجرا آ کے کریں دربار کیسو گر پڑیں — بے شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا ضبط ہے

دس بیس مجرے میں گئے دن بخشی نے لیے — دس بیس میں جھگڑے کئے یہ نوکری کا ضبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے یہاں چوری ہوگئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

دلا در مفلسی سب سے اکڑ رہ ‏ ‏ ‏ بہ عالم بیکسی سب سے اکڑ رہ

چکن اور زر کا چیرہ پشم کر بوجھ ‏ ‏ ‏ چھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑ رہ

اگر شلوار نباشد کسکو غم ہے ‏ ‏ ‏ لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑ رہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے توانگر ایں محل آبشورہ تابکے ‏ ‏ ‏ شربت قند و گلاب کورہ کورہ تابکے

کج کلاہ و قرب شاہی عز و جاہ و سال و ماہ ‏ ‏ ‏ پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تابکے

کل شیئ ہالک جعفر زبان را ببند ‏ ‏ ‏ این تنہاے زٹل پھیکا پھکوڑہ تابکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفرنامہ لکھکر قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر بہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی نہ ہوسکی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفرنامے کے یہ تھے۔

زہے شاہ اورنگ و بانکا بلی ‏ ‏ ‏ کہ در ملک دکھن پڑی کھلبلی

برآمد بلشکر بصد دھوم دھام ‏ ‏ ‏ کہ ہاں چل پڑی بر سر روم و شام

دریں پیر سالی و ضعف بدن ‏ ‏ ‏ نکالی دھما چوکڑی در دکن

زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا ‏ ‏ ‏ نہ ہلد نہ ٹلد نہ جنبد زجا

کمر بستہ ہشیار میدان میں ‏ ‏ ‏ شب و روز تیار گھمسان میں

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے دوسرا ان کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے نیکی جگہ میں رہ گئی ‏ ‏ ‏ تخت اور چھپر کھٹ دھرے گئے آخر فنا آخر فنا

مولا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ کی یاد کیا ‏ ‏ ‏ [illegible] آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ تنگ

ہلکا ہو گیا تھا۔ اور بجائے ظریفانہ تلمیحات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پیرانہ جذبات زیادہ ہو گئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سر عروس جہاں　　چند پاپوش و چند کھلہ زناں

زانکہ ایں بائکسے نکرد وفا　　بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ زناں

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف بادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنمیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں جنمیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ لغت کے طرز پر ہے۔ زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کیمطابق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ انکی لغت بھی ان کے کلیات میں

شامل ہے۔ ان کے علاوہ اور اقسام کی نثر بھی پائی جاتی ہیں۔

حصہ نظم ۔ جس میں ظرافت ۔ واقعات ۔ ہجویات ۔ رقعات ۔ دستور العمل ۔ پنجہ و پیچ ۔ رجز ۔ نسخہ جات ۔ مسئلے ۔ غزلیات ۔ مورچھل نامہ ۔ کچھوے نامہ ۔ مسدس ۔ ظفر نامہ مرالی ۔ سپش نامہ ۔ تضمین قطعات ۔ اردو فارسی سبھی کچھ ہیں ۔ اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے ۔

اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں ۔ ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو ۔

انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باشد بنگیجو ۔ در چال ٹھیکے مو بمو ۔ دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار ہے

جورو لڑاکا گر بود پر خوف و ڈر آگر بود ۔ ور گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار ہے

جو نار پچھلے چال میں ستی کی بجھر چال میں ۔ کالا تو ہے کچھ دال میں از دیہا و زنہار ہے

جو رانڈ ہو کا جل کرے چوٹے چندن پر دھرے ۔ چوڑی پہن مہندی کرے بر گردنش تلوار ہے

گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب پر نہ دے ۔ بیٹا جو دہ یاری نہ دے ایں ہر سہ تن فی النار ہے

سسرا جو ہو دل تنگ جی ساس خشن پلنگ جی ۔ داماد سے بیرنگ جی اس سے سگ سردار ہے

جعفر بہ بوستان جہاں دم غنیمت است ۔ شادی نصیب گر نشود غم غنیمت است

دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا ۔ زاں ساگ خام پنجیہ شلغم غنیمت است

گر ایک صفا نبود روبہ کار تو ۔ یک نیچہ گدہری یا لم غنیمت است

آواز شیو برہ نرسد گر بگوش تو ۔ آواز بول بنگم و نا لم غنیمت است

تر بوز و خربزہ بود گر میسرت ۔ یک سبز پھانک کھیرا بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ
کروں اب خبر شہر و بازار کو — لگی آہ میری خدا یار کو
خدا یار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت و پیزار شد
چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار و دستار او
تڑاتڑ سڑا سر لگی لا گئے — مٹک چال مرزا لگے کھا گئے
پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشندا اس کا تال گنڈا کیا
دریغا چہ صورت چہ دستار او — چہ پاجامہ چوڑیاں دار او
چو این ماجرا جان بابا شنید — دوا دو دوا دو پیاپے رسید
زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا چھڑایا لگڑ نے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بومڑی — کہ گیدڑ کے منہ سے چھٹی لومڑی
خدا یار مسکیں وہاں تھم گٹا — بلیا کے پنجے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھو داس چوکی نویس

سگ لینڈی ازوے نکوتر بود — کہ از عفت عفش مر ورا ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

سوائے خداوند گیتی پناہ — توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند — خدائش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

جو تجھکو بُرا من میں جیتا کرے ۔۔۔ غیبا غپ شپا شپ کے پالے پڑے

من از ضعف چوں چوبی و کلوسیم ۔۔۔ نہ چوری سرا نیل منگلوسیم

مرا طاقت ٹکرا و کجا است ۔۔۔ تن و توش آنکس چو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برد کر دئے انھوں نے ہجو کہی جسکا یہ اثر ہوا کہ قمر النسا بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا ہجو کا ایک شعر یہ ہے ۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے ۔۔۔ فتح خاں کی الٰہی۔۔۔۔ نکلے

مدح حسن معشوق

جعفر چہ بہی باشد کہ یا غکی ہولا ۔۔۔ بر حسن تو جبریل گرفتار ہوہے سو

یا تیر اتا کانی و برچھی تغافل ۔۔۔ امروز مجھے مار نہ اسے یار جوہے سو

جوانی کے جانے کا غم

ذرا دیکھا کہ جوبن جیلا روٹھ کر ۔۔۔ اٹالی تالی کا گھر موس کر

ارے ہائے جوبن چلا جائے ہے ۔۔۔ چہ چارہ کنم ہائے رے ہائے رے

مرا عشق و کھیل پنا از تو بود ۔۔۔ شب و روز البیل پنا از تو بود

طفیل تو بود ایں کلیل و پلنگ ۔۔۔ بہیل تو بود ایں البول و ترنگ

جوانی ز من چوں شنید ایں بیاں ۔۔۔ بگو گفت در گوش ہو شمیاں

کہ اے کل چٹرو پیچ ہر و کہنہ پال ۔۔۔ تو ئی میزبان و منم میہمان

ندانی کہ مہماں نگیرد قرار ۔۔۔ بجز ایک شب یا دو نادو سہ چار

بر و صبر کن با بڈھا پا پہ ساز   ازیں پس مکن پا بہ غفلت دراز
بڈھا پا بود مغفرت خواہ تو   رود تا لب گور ہمراہ تو
جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں   کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در قیام و قعود از کشش نفس مخور غوط   در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد
دارد خبر از لذت چپ چاپ ہما دتا   آنکس کہ شکم سیر بہت کھوہ نباشد
بر تھیہ تتا تھیہ تتا تھیہ مستر ول   تا رفتے تو فردا چو سیہ تودہ نباشد
چہ سود بود توبہ بہ شیبی و بہ پیری   منظور چنیں توبہ پچھلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب   کہ تا دے لڑا دے بہ فن و فریب
نقارے دماموں سے دھول دھول کیا   پہسرنا و کرنلہ بہ پھول پھول کیا
عجب اوٹ این کوٹ بیجا پور است   کہ ہر برج او مثل بہنہ سر است
چہ گویم ازیں قلعہ بے لگاو   کہ انگشت را نیست در وے لگاو
لگا کوٹ کو مورچہ جاے کر   نکالا سکندر کو انگلا سے کر

زہے بادشہ اچھا دو پوت   بلی و ولی نعمت چار پوت
ازیں ہیں بیٹے نپٹ ناخلف   پسر خود خلف ہے و گرنہ تلف
وگرنہ چہ یارا حسن شاہ را   کہ گرداند امرے شہنشاہ را
مگس را چہ طاقت کہ با شاہ باز   بہ ہیجا در آید بود کینہ ساز
چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند   چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ باز ہرۂ و مشتری ... بہ نخوت زند دعوئی ہمسری
چہ گیدڑ چہ لٹری بہ پیش پلنگ ... چہ جھینگر چہ مچھی بہ پیش نہنگ
چہ جھمل کہ دعوای رائی کند ... چہ کھٹمل کہ پرچار پائی کند
چہ قطرہ کہ سرباردریا شود ... چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگر کہ برکوہ چکر زند ... چہ مینڈک کہ برفیل ٹکر زند
چہ جمشید شوزہ چہ عبدالرؤف ... کہ دیکھے سنا ٹھوک سے چول آروف
چہ مرناجی پنڈت چہ مرزا خلیل ... بیک دھار پیشاب گردد ذلیل
درآفاق بسیار چکر زدم ... بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم
باین حسن و سیرت چو تو دلنواز ... ندیدم دریں سیر گاہ مجاز

چیلش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ ... زبیداد جوان ڈٹل دادخواہ
جوئیں پڑ گئیں در قباؤ ازار ... نئی آئی مشکل بہ دلی دیار
آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی ... چو دیدم کہ فوج جواں کی چلی
لڑائی پڑی جوان سے وقت رات ... جواں کا چلا منھ چلا میرا ہات
جواں مارتے مارتے شب گذشت ... دلے یک جواں از میاں کم نگشت
کروڑوں جوئیں اور اکیلا منم ... دونوں ہاتھ سے تا کجا میزنم
کہ در رقبہ این قباو ازار ... پھروں کھیلتا میں جو دولت کے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب ... کہ از زور جوان خورد پیچ و تاب
جو را کاس جوان کند ترکتاز ... شود سرنگوں طرہ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور ... جواں مارنے میں نہ کیجیے قصور

محمد امیں خاں بڑے سارد ھول — جو اس سے گئے چوکڑی مار بھول
جو شہ داد خاں جی بٹھے شرع دار — بہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگزرد در عسرت حال — بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکیں عشند ال — بداں ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر زرکوب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آں صنم تنہا نیا یداز من آب — میکشد ز انداز یکسا غر بلاء ز روئیں آبتن
چوں برد حامل کسی از وملتش کہ پھل آسیا — سے جہاں داز من او دحالت گردید آب

جگت ۔ جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری۔ سے ہر قریب قریب ۳۲-۳۳ سال کی عمر ہو گی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی۔ اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر عیوب کو فروگذاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ دوہرا۔

بڑے بھنسار ہولی کے جو بھیّا ہم سے سن پائن — بلوا بھیج کے لوا کے ہا تھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر — بچھونا پھر رسوئیاں دالے کرسے مان ای کھوتا

گگوری دان چاندی کا کہن بھگوا سے لے آؤ — دسا دریان اں بھوجی سے کتنہ کھوب لگوائین

کچوری پوری ربڑی دال موٹھ ادہرفی تیکھی نے — پڑکیا اوپہ پیر یا گھر میں اپنے کھوب پکوائن

گرچہ ہم کہہ سکتے نا ہمیں بڑی کھاتر بھی ہمری — ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلوائن

بارل لہنگا دوپٹہ بھوجی گائن ہاری ہلوائن — ہماری گود ماں بیٹھلا سے کے نکانا می سنوائن

عبیر اور بتاسہ رکھا رہا بھر بھر کے ٹھریا میں — ملن بھر سے کبھی گلواماں اور اپنے منھ میں ملوائن

منگائس دار دہوا کی بہت اچھی سی اک بوتل — چڑے ہی سوک سے بھر بھر کے کلھڑ ہمکا پلوائن

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو — نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا کفن کو

ہمہ تن پاس کر دیا تو نے — ستیاناس کر دیا تو نے

دونوں رخسار عنایت کر پا اک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے

دہمکا کے بوسہ لوں گا کہ رشک شاہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب بادشے

جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیو اپنے دہقاں سے — کہ اپنے کھیت پر لیجائے میری چشم گریاں کو

چشم نے میری اشکباری کی — کاشتکاروں نے کاشتکاری کی

ایک دن رو دیا ہرا سے امتحاں میں ناتواں — سو سمندر سا کلٹر نالے لاکھو دریا بہہ گئے

میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھکو — کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائیگا

حسینوں سے نظر مجھسے لڑی ہے — لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے

خبر دیتا ہے چکی ان بتوں کی — نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے

پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں — تمھاری زلف ہے یا ہتکڑی ہے

شرح الذور پہ ان کے ہے عیاں خال — یہ بیڑ سب دودھ میں مکھی پڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — بت بے پیر پر لعنت خدا کی

ٹھلک کر ناک پہ انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غمِ ہجراں ہے یا پھاگن کی آتش — دلِ ویراں میں ہولی سی جلا کی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اُسی دن سے مری چاندی کٹا کی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بُری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربتِ دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن کا
مثل لقا کے اترانے لگا وہ ماہ لقا — اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آوارہ بیدار ہیں مچھر — نمرود سے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں بس آزاد ہیں مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحبِ اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شبِ وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہم نے شبِ وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھ سے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی — چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے
جس طرح مٹ گئے ہیں یہ شاہانِ پیشتر — اودھ میں گئے کیا کفن پہنے ہیں ہائے باپ رے

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین چوتھا نیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے — ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلۂ ہوا سے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفا سے خوش مزاج ہوتے ہیں -

رواں جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا   تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا
چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اس ستمگر کو   جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیروں کو   بنا میں ہیکڑی سے اپنی چوکیدار پھرتا ہوں
ترے غم نے مجھے بخشا ہے ساماں عشرت کا   کہ شکل اپنی بنائے مثل موسیقار پھرتا ہوں
کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجیے   اسی کے واسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف تم نہیں ہو جی   کہ ہر اک کو دکھاتا جلوہ دیدار پھرتا ہوں

اس پہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر   شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے
سیم کی طرح دل گداز میں ہے   میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ   تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب   اک جوابی ہے اک سوالی ہے
زلف سلجھی رہی تو ہے وہ گوٹا   اور الجھی رہے تو جالی ہے
ہم غریبوں کا بستر اک یہ   اک پرالی بچھی نہالی ہے

مت برا مانیو جمیل اسکا   اس کی گالی نہیں سہائی ہے

جوشش - ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا - مگر لوگ رحو رحو پکارتے تھے - اور اسی نام سے مشہور ہوگئے تھے - تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے - ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے - اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۲۲۹ھ میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے - ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے - جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا -

بیتے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گذرا   بولا کہ ابے تیرا ار دستے ہی جنم گزرا

جوکر - حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں - گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی شگفتگی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھ سے اچھی خاصی ملاقات ہے - مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے - آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک مخصوص طبقہ شعرا کی انجمن ہے - آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں - اسوقت ۱۹۲۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی - مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہتا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اسی پہلے کلام کو قند مکرر سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کھڑے ہیں سوگوار سے ‏ ‏ ‏ تھوڑا سا تیل لے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا ‏ ‏ ‏ کہ اُن کی جھونپڑی کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوں ہوا ہوتا ‏ ‏ ‏ تو لیلیٰ کے اوپر اونٹ سا پیر ساربان ہوتا

کسی کے کان کٹ جاتے تو کوئی گونگا ہو جاتا ‏ ‏ ‏ اگر بندہ نصیب دشمنان مجنوں فغاں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مٹکا تھا یہ چھٹی ‏ ‏ ‏ کرایہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دُبلا اور وہ موٹے چھپکلی مٹکے پہ کیا پھرتی ‏ ‏ ‏ جو اُچکاتے وہ اپنی توند تو پھر میں کہاں ہوتا

حسین چھینے سہ دیتی تھے بناتے جھنڈیاں اُنکی ‏ ‏ ‏ جو سینہ میں میرا اگر سیاں دھجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہان پر شب کی راتیں ‏ ‏ ‏ اگر خود ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں ساربان ہوتا

کبھی دس گھر کبھی کھیلنے میں کام آ جاتا ‏ ‏ ‏ مرادل دل نہ ہوتا کاش اِملی کا بیاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی کی جھونپڑی میں گھستا ‏ ‏ ‏ مرے صیاد۔ جو کر کا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمیِ روزِ شمار سے ‏ ‏ ‏ مردے نکل کے بھاگ رہے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو بولنا بنانے کی یار کو ‏ ‏ ‏ کچھ گھیلے کھود لے گیا میرے مزار سے

لنگڑا یاں ڈنکے ٹمار دیکھی ٹوٹی ٹانگ ٹور ‏ ‏ ‏ الفت میں بیچ پڑ گیا اب ماتمدار سے

وعدے میں آج ہے نہ چھوٹا کا پوچھا استعفٰی ‏ ‏ ‏ جلدی سے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی — اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی
کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی — کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی
جب پردہ محمل سے لیلیٰ ہوئی تماشائی — مجنوں نے حماقت کی گر چھینک نہ دکھلائی
عشاق گراں جانسے ہاری شب تنہائی — یہ کہتی ہوئی بھاگی مردود نہیں ہیں کیوں آئی
کیوں ہنس کے نہ اک چھینک مردے کو جلاتے ہو — چھینکنے میں نہ ملجائے اک روز مسیحائی
واہم اُن کا دم رخصت کام آیا بہت میرے — وہ بیٹھ گئے اُٹھ کے جب چھینک مجھے آئی
کمبخت کو سنگھنی سے فرصت ہی نہیں آتی — اللہ کرے اسپر عاشق ہو کوئی نائی
یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں — تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی
جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو — آخر تمہیں جوکر کی کیا چیز پسند آئی

منہ شیخ نہ لگ شیفتہ زلف دوتا کے — داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے
صیاد کا بندہ ہے سگ جھجو ہو کا دشمن — اللہ کرے گر پڑے چھنگی پہ یہ جا کے
جو آہ مرے صبر میں حائل ہوئی اُسکو — بالائے ہوا پھینک دیا ٹانگ گھما کے
دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک — رکھتا ہوں پر کلغی میں جو جھوجھو لگا کے
کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے — رہتا ہوں دربار پہ میں گھوم گھما کے
جب قبر کو کھل جاتی ہے جھنجھو کی کبھی آنکھ — دیتا ہے اذاں اونٹ کے کوہان پہ جا کے
جوکر ترے انداز ظرافت کے تصدق — رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اُس بت نے نہ یہ جانا — بنجائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا
مقتل میں یہ کہتا ہوں ڈلسے کہ نہ گھبرانا — جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھسک جانا
مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا — اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا زچہ خانا

ساقی سے مرے کس کی ہمت ہے جو مے مانگے | اک ہاتھ میں چھتا ہے اک ہاتھ میں پیمانا
آہ دل سوزاں ہے یا آنچ ہے جلووں کی | عشاق کی محفل ہے یا کوئی چمن خانا
دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں مینڈک سے | ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے دھوبی رو رہی کپڑے کا یہ منظر حشر ساماں ہے | کہ سارا چاک ہے اور ایک گز کا گریباں ہے
ادھر دریا ہے خوں جاری ادھر انبار مردوں کے | یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمین کوئے جاناں ہے
انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جو دیکھا | تو میں یہ کہہ کے بھاگا اب یہاں کچھ اور ساماں ہے
عجب کیا ہے جو وحشی حرکتوں سے اپنی باز آئے | اگر سب مل کے چلائیں گریباں ہے گریباں ہے
دم مہر سے میں جو پوچھی اس نے خیر و عافیت دل کی | تو فرمایا کہ وہ ٹیسو تو زیب طاق نسیاں ہے
کیا ہے گردش ایام نے لیلیٰ کو بھی پاگل | لیے ہر دم پھرے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے
زمیں کے اس طرف آباد ہیں سب اہل امریکہ | تو کیا یہ ملک بھی منجملۂ گور غریباں ہے
ہزاروں ہی سڑی سودائی اس نے کر دیے پیدا | میاں جو کر یہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی ماں ہے

وہ دن نزدیک ہے اس گھر میں اک شادی رچی ہوگی | ہمارا چھوکرا ہوگا تمھاری چھوکری ہوگی
جو حال آیا تو یہ حالت تمھاری شیخ جی ہوگی | بندھیں گے پاؤں میں گھنگرو گلے میں ڈھولکی ہوگی
شریک بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو | وہ آتے ہیں نقاب الٹے ہوئے بے پردگی ہوگی
نگاہوں سے تمھاری ڈرنے والے دیکھنا ہوں گے | دکھائی آنکھ اگر تم نے تو انگلی پھونک دی ہوگی
اسے تو آپ ہی شاید کہیں گے اپنا دیوانہ | کہ جس کے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیر دی ہوگی
میں سنتا ہوں کمر معشوق کی معدوم ہوتی ہے | وہ کیا شے ہے جو اس نے قتل پر میرے کسی ہوگی
گزر جائے گا کوئی انتظار شوق و حلت میں | خدا کی مار کمبخت اب یہ کنگھی ختم بھی ہوگی
بڑھا دی حضرت گاندھی نے پیدا وار ترکوں کی | خدا چاہے تو سمرنے میں وہی مصطفیٰ ہوگی

طواف کعبہ کرکے بھی مقدس جو نہیں ٹھہرا
خرِ عیسیٰ نہ ہوگا میر حج کی وہ گدھی ٹھگی

وہ ہے یہاں کے لئے ہے ہے وہاں کیلئے
پچھاں تو ہاں کیلئے ہو زباں پچھاں کیلئے

کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے
میں صاف کیا کہوں جیسے کہاں کہاں کیلئے

لگائیے یار نہ جو تم تو دل درست نہ ہو
یہی تو ایک مرمت ہو اس مکاں کیلئے

میں چنکے لایا ہوں بہر ام گھاٹ کے لٹھے
بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے

ہزار عاشقوں کا خوں بھی پیجئے لیکن
کہاں وہ بات جو تھی قیسِ ناتواں کیلئے

یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے
دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جو بندہ یا ہندہ ہے نہ کوئی نام ہے نہ تخلص ۔ مگر اودھ پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا ۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمایئے ۔

دل سوے دلربا روانہ ہے
واہ کیا منقلب زمانہ ہے

جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق
مرد عورت میاں زنانہ ہے

جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن
میری سُشّیریا کا وہ دہانہ ہے

آجکل کے حکیم ہیں عطار
سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے

مسی اسدرجہ گہری تھوپی ہے
اُن کا منہ کالا اصطبل خانہ ہے

غیر کی آنکھ میں سور کے سے بال
دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے

جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق
صبح و شام ساتھ کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پہ
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے ۔ دلی کے ایک پیرزادے ہیں ۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے ۔ آپ کا مشاعرہ ہونا دودھ میں چائے کا ہونا ہے ۔ سردست حیدرآباد میں مقیم ہیں ۔ دو مضمون آپ کے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک طلبائے حیدرآباد کی نوشتی کے خطرناک نتائج ۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں ۔ اور جگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اردو سے نقل کی جاتی ہے ۔ وہو ہذا ۔

بھلا کہیے تو کیوں سننے لگا تھا پاسباں میرا ۔۔۔ مجھے بلوا کے خود ہی آپ نے لیا امتحاں میرا

اندھیری ہی بھلا میں اسی کی قدر کرتا ہوں ۔۔۔ شب مہتاب میں اکثر ہوئی ہے جیب پیار میری

جناب شیخ مجبوری ہے تو اب ال حاضر ہے ۔۔۔ کہ سب کام آ گئیں تو بہتا فیہ بہت مرغیاں میری

ملٹھی کا ستی کب تا نگ کھا نتا خطمی و خیری ۔۔۔ دوائیں اب تو بدلو اے حکیم نیم جاں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا ۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الرغم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اول اول مضامین غلیظ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کئے تھے " لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنالیا اور اس گندہ ذہنی نے انکو اگھوری بنا دیا ۔ گویا یہی اس کے بدن میں رچ گئی تھی ۔ مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی آسکو سچ مچ حلال خور

سمجھتا - صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھادیا
حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں گھنا تھا انتہا میں کر دکھایا - آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گوگا پیر
کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے
بطریق پاتراب کے جنگل کے کسی گوشے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے
اگرچہ رنگ نہایت ہی مہمل اور بُرا اختیار کیا تھا مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے - گو انھا لنے
کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے - اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا
دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے -

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے - جن میں سے دو نہایت
مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشاق تھے - ایک کا تخلص گوڈر - اور دوسرے کا حیض
تھا - جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہوسکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں - جو اُن کے تذکرہ میں
درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اسکے
بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے - گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی
صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے - مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے
انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دیوان میں نہیں ہیں - انتخاب میں
بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی
صرف کئے ہیں - اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

گو ہا بھی تھی ہو گی اک رات کو ہی گھیرا آبدست — مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک
گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار تجھ اس ترک کو — لینڈیوں سے بند ہوگیا ہے شیر لستاں کا تپاک
موتنے میں تم چلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو — برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باراں کا تپاک

جب سے اترا ہے شیخ کا مہتر لپسر سے ربط — بدلا ہے گوہا چھی چھی سے اُن کی قبا کا رنگ
پائخانہ اتنا کہ لیدن سے رشک چمن بنا — گند و بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

بیت الخلا میں یار کے کیا غیر جا سکے
دہشت سے گوز بند ہے اُس نابکار کا

پھولے پھلے ہر اک شجر شاخ باغباں
تھالوں میں گو پڑے جو کسی گلعذار کا

کیا کہیں تجھ سے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی ہگو
پائخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

تجھ سے جو چرکیں وہ خفا ہو گیا
رُعب سے پیشاب خطا ہو گیا

طائر ذکر بہ مدح غیر کبھی
گوز کے مانند ہوا ہو گیا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے
پنجۂ مژگاں سے جھاڑ آیا ہے پاخانہ آج

خواہش آرائش گیسو ہے چرکیں یار کو
چاہیے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

شیخ جی کو پھر طبیبوں نے بتایا ہے عمل
ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل سرسام کا

سامنے اُسکے نہ کیجے گفتگو ہر ایک سے
گو اچھالے گا بہت چرکیں اپنے نام کا

سُنئے گر تم داستاں ہگنے کا رستے خطرہ کے
غرض اظہار کے قابل نہیں احوال اپنا

قبض سے اب یہ حال ہے صاحب
پادنا بھی محال ہے صاحب

شیخ صاحب سر مبارک پر
ق
یہ مڑی سی جو شال ہے صاحب

رند کہتے ہیں پھبتیاں اس پر
لینڈی کُتّے کی کھال ہے صاحب

اب کے چرکیں جو زر کماؤں گا
پائخانہ میں سب لگاؤں گا

موتنے پر کبھی جو آؤں گا
سیر دریا انھیں دکھاؤں گا

تیرے گھر سے جواب کے جاؤں گا
موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

فخر ہوگا میں تیرا عاشق ہوں
گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

نوجوانو ضعف پیری پر مرے ہنستے ہو کیا
آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا موتا بیٹھیگا

روز و شب ہگنے سے کم اُنکے نقاہت تو تھے
مہتر خوش رہا چرکیں نے وطن چھوڑ دیا

سامنے اعلیٰ کے اسفل سرکشی کرتا نہیں
سامنا پھسکی سے ہوسکتا نہیں ہے پاد کا

ایکدن بھی دل نہ اُس بُت کا پسیجا آہ سے
تھا اگر گوز شتر نالۂ دل ناشاد کا

پادنہیں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا — مجھ میں اس میں فرق ہے شاگرد و استاد کا

یہ دعا ہر روز و شب ہے چرکیں کی گو کا پیر — میں بھی اب مہتر بنوں جا کر الٰہ آباد کا

پھپھال — اس تخلص کا ایک مختصر دیوان میری نظر سے گزرا جس کے متعلق تحقیق کرنے پر بعض اسباب سے معلوم ہوا کہ جناب الو صاحب فلیس کا یہ دیوان ہے موصوف لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر تھے تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ غالباً طبیعت کے استغنا اور ذاتی وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ مگر سعدی۔ انوری۔ عبید زاکانی وغیرہم حضرات جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کمالات کا ایک جز سمجھ کر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی زمرۂ ظرفا میں شامل ہو تو کچھ نقصان رساں نہیں ہو سکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام تو پیش کر دیا [illegible] بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو۔ مگر کلام کی پختگی اور متانت بار بار مجھ کو یہ یقین دلاتی ہے کہ کسی نو مشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ ظرافت کی برجستگی و شوخی۔ محاورات کا استعمال برمحل ہر ایک دیکھنے والے سے صنعت سخن کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرما لیں گے۔

اٹھ گیا یار غم تیسرا یار پیچ فن کا — دست بلبل کا کھل [illegible] کیسی متن کا

[illegible] پایۂ فن کا — کہ اٹھے دیکھ [illegible] درخت [illegible] کا

[illegible] — کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا

دھول [illegible] — نہ کیوں [illegible] دل [illegible] کا

[illegible] اگر سر میں بال خود [illegible] — [illegible] مدفن کا

بڑھی ہے صدمۂ فرقت سے اب یہ گزرہی | چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تختے | نشاں مٹا گیا ہے رحم میرے مدفن کا
دعا چناں کی ہے یہ اُسکا مُنہ بڑے یارب | چراغ آکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت ابھی سخن سے سرگرانی بھی | کٹہل ہوں باغ جنت کا وہ توڑا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو پکے گی ڈھیلے ڈھیلے عندلیب | اور انڈے سے جو بچے ہیں وہ سونے سیلے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں پکنے کو ہیں بڑگد کے پھول | دیکھنا ہو جائیگی کوؤں کے ریلے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اُس کے آشیاں کو دیکھنا | آج پنجوں میں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ | نہ ہیں اِس پار نہ اُس پار ہیں آپ
پہلے کتنے آپ نہایت لاغر | اب تو مجھسے کہیں تیار ہیں آپ
دیکھئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب | نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات | در پر رہی کسیکی سواری تمام رات
گائی جو آکے اُن کی کہاری تمام رات | ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں | اُسنے چلائی زور سے آری تمام رات

شہد کھیں سرخ مرچیں اگر تیری تلوار کے پھل میں | تو کیوں منہ کو لگتے ہیں زخم واسندار کیا باعث

روٹی نہ ملے گی جو ہوا مجھکو خلل آج | اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

کس مرہم پہ چلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری
دکھلا تو لگا ہو تری چھڑی میں کہاں داغ

دل بیچنا ایسا مری جان لپٹ گیا ہے
اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ

میروص وہ شاید مجھے مشہور کریں گے
مل دیتے ہیں جو میں دکھاتا ہوں اپنا داغ

فرقت میں کبھی جلتے ہیں تیرے وصل میں بھی ہم
المختصر اے یار چنیں داغ چناں داغ

عید کے دن لوں گلے لپٹا وہ مجھ سے دوڑ کر
جسطرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف

بے ستوں پر ایک پورا لا کے بیٹھا ہی کوہکن
ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف

گھیرے ہوئے ہیں گھر کو تیرے بے خطر عاشق
بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پر عاشق

جلتے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی شکایت
کھچوا ہیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق

عاشق کا چناں عین غزل بحر میں نہ دارد
معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق

پاندیدہ جانتے ہیں مجھ کو وہ پابد نظر
شغل ہے نوشی ہیں کہتے ہیں کہ ساغر سے الگ

رات بھر رہتی ہے کھڑ پڑ لیتے ہیں رستیاں
اے چناں وہ کو نیند آتی نہیں ہم سے الگ

تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی کھلبل قاتل
گر گئی بھاگنے میں جیب تحمل قاتل

سنتے ہیں یار کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل
اس سبب سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمل قاتل

تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یار ہم
کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم

قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
کل چرا لائے تری تلوار ہم

رکھ کے کہتے ہیں ہتھیلی پر سر
سمجھتے ہیں یہ در شہوار ہم

رات کاٹی چلو سے چکری کی طرح
وہ رہے اس پار اور اس پار ہم

قصہ دل کی کچھ مرمت کیجیے قصاب سے
مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم

پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں
ناک بھر رہنے لگی رومال میں

ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق
ڈال لے شکر چنے کی دال میں

پوریاں پکیں اوڑھے جام شراب
چپکے جھولا ڈالے لئے کھنال میں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں
کھائیے روٹی بھگو کر دال میں

چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ
کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں

آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا
رات کو آنا مری سسرال میں

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ
چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں کھال میں

اب چنی بیگم جواں ہیں اے چناں
اپنی شادی کیجئے اس سال میں

اسقدر بالوں سے رگڑا تن بدن
سر سے پا تک ہو گئے ہم آئینہ

شکل حوا سی نظر آنے لگی
کیوں لگا یا قد آدم آئینہ

یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے
میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے
کہاں گرتے ہیں انڈے آشیاں سے

ثنا کنگھی کی تیری گر کروں میں
جوریں جھڑنے لگیں لاکھوں یہاں سے

طلوع مہر یہ کہتا تھا یہ تیس
مری لیلےٰ نے جھانکا آسماں سے

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حال
زمیں چپٹی ہوگئی ہے آسماں سے

ہے اس کے در پہ سب بانکوں کا مجمع
چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے

شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے
سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہال اچھا ہے

جس کے چبھنے سے لہو بند ہوا اے صیاد
تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے

جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی
نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں
گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

وہ سا تھ غیر کے مل مل کے گاتے جاتے ہیں
میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجاتے جاتے ہیں

چھوچھو کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالہ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے وصول وصیّہ پنڈتوں مولوی میں
اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر
چاول پکائے جا کر مرگھٹ پہ کھوپڑی میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا
الوّ نہ بول جائے دنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو
میری تو عمر گذری بس تو ویٹنگی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن
ایسا ہر بیس کا بندہ آ جائے گا کمی میں

صد انقلاب در پر آئی ہے مغربیت
تہذیب نو کے حامی خوش ہیں بے حیائی میں

وہ دن بھی آ گیا ہے نزدیک اب کہ جس دن
دلہن ٹمٹم پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اے چونچ تجھ پہ ورنہ
یہ لاجواب باتیں آتیں کسی کھوپڑی میں

چرخوش ــ سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ قریب تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپ نے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخن گوئی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے
شام ہی سے جو در دلبر پہ چلانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی
کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے
زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مر جانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک
یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اس کی رسّی کا درازی جس کی ہے ضرب المثل
اک سرا دونہ کے اندر اک سرا تھانے میں ہے

مرد تھا وہ رہ بنے عورت بنی ہے نرسما
فرق اب باقی زمانے میں نہ مردانے میں ہے

مادرِ قیس نے لیلیٰ سے کہا سُن بیٹی — ساتھ اپنے مرے بچے کو نہ حیراں کرنا
نا ہو تمکو مبارک ہو یہ خدمت لیکن — ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا
لیلیٰ خوش خوش تو چلی سوے درِ آئینہ دل — کام بندر کا نہ اے حضرتِ انساں کرنا
ہو مبارک تجھے اے عشق کے پکچر سلیس — قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا
کی ہیں اُس شوخ نے حیلے سے خفیہ پاس — اس چہ خوش کو بھی ذرا داخلِ زنداں کرنا

ایروپلین عشق کا جب لے اڑا اب مجھے — اک تل دیا حسن دکھائی دیا مجھے
ہے صاحبانِ عشق کو لازم فسردگی — مٹی سی ایک مس سے ہوئی عشقیا مجھے
مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں — اس عشق نے بنا دیا بہروپیا مجھے
کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی — اپنے خدا کی مار لگی ہتھیا مجھے
ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے بدحواس — کچھ ایسا منہ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے
یہ ہنستے ہیں کیوں مرے اشعار پر چہ خوش — سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا مجھے

یہ سوچ کے وحشت میں اچکنے لگا مجنوں — لیلیٰ کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے
جو قیس جیسے حکمتِ قدرت سے پہنچ جائے — منصور کا پردادا بھی منصور نہیں ہے
بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز — ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے
در آئینگے اک روز مری آہ کے گولے — کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے
ٹھنڈی سے چلی جاتی ہو بکٹٹ جو نہ ٹٹ — دُم نور کے گھوڑے کی ہے گو نور نہیں ہے
ایجان مجھے ذبح نہ کر بیٹے کرنا — تھانہ مرے دروازے سے کچھ دور نہیں ہے
ہر عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس — پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حاء حطی

حالی ۔ خواجہ الطاف حسین نام ۔ حالی تخلص ۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب
کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہونچتا ہے ۔ آپ پانی پت کے رہنے والے
تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہوگیا تھا اور اس کے بعد
اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا ۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور
اہل قلم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا ۔ آپکے مفصل حالات جابجا ملتے
ہیں اس لیئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری
سے بحث کرنا مقصود ہے ۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا
حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ
مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے ۔
جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ
ادب پر لگا دیا ۔ جس طرح اِن کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں
جدید طرز پیدا کیا ۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا ۔ مگر ظرافت کو پھکڑپن
یا ہزل گوئی ۔ یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا ۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود
رکھا ۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جس
سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں ۔ جہانتک غور کیا جاسے مزاح اور خوشدلی
کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں ۔ اور ظرافت سے حقیقی
مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے ۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

کیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقول لیکھ

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل آئے　　جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ ان کی ظرافت کو گدگدیاں کہیے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے معمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لیے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہو چکی ریجانِ جوانی کی بہار آخر حیف　　طبعِ رنگیں تھی مئے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں　　جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہت ہے جوانی نہ امنگ　　سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل میں آخر　　نہ رہی پیتر وہ مضمون سجھانے والی
ہاں مگر کیجیے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں　　لائیے باغ سے اور دل سے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصلِ صنم کی کبھی فرضی تصویر　　کیجیے دردِ جدائی کی کبھی نقالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی کہی ہو نہ مثل　　قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیر زادے کو　　تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیر زادوں میں　　لازمی ہیں وہ اس میں بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی　　ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں　　جبکہ تھے ساتھ سب حبیب و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف　　کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال　　وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

جاکے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا | تیر آ کر جگہ کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظرافت کو سوجھی | رکھ کے بالائے طاق سب آئیں
خاک تو دہ پہ ہو کے جا بیٹھا | لوگ کرتے رہے چناں و چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر | کوئی تجھ کو جنوں ہے اے مسکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا | جبکہ جائے مفر نہ ہو کہیں
زد سے ان بے پناہ تیر دلوں کی | کہیں جاں دار کو اماں نہیں
مجھکو ہر پھر کے شش جہت میں حضور | امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

اہل علم و عقد ہیں متفق اس رائے پر | سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

سید احمد خاں سے اک شخص نے پوچھا کہ آپ | کس لئے رہتے ہیں صاف حضرت اقدس سے الگ
آپ بھی نام خدا ہیں تارک صوم و صلوٰۃ | اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی دیکھئے مشرب ہے صلح | پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے | بات یہ ہے ان لوگوں سے کام اپنا نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں | بلکہ ساری کوفت اسکی ہے کہ ہو ویسا نہیں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال | انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش | پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار | چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ پیشہ سوال کا
پہلے جو مانگا اوروں سے ملتی تھی روز بھیک | آتا تھا مانگنے میں بہت دل کو بے مزہ
رہتی ہے جب سوال کی اس قوم سے ہمارے | بنتا ہے کچھ نہ کبھی ملتا نہیں ٹکا

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تلک اے ناداں یہ حب مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ — ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
سنکے ممسک نے کہا اے سادہ لوح — زر لٹانا رائگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیبِ دشمناں — آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اُسکو یہ آپ تاب مثال
کہا فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور — جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل — نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ جنھیں نہیں ملاپ — دولت و بخت ہے ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انھیں حاجتِ اعوان نہ تلاش انصار — نہ انھیں خوف بد اندیش نہ بیم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یکجہتی — اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دست قدرت کے ہیں سب ہاتھ سفید و سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر — کردیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اُسکے — فرعون کا تھا مصر ہی نے منہ چلایا
وہ خطۂ ملعون تھا یہی جسکی بدولت — تھا دل میں خدائی کا خیال اُسکے سمایا

میں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم — اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا
کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا — جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے — نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑھی[1] گئی یہ ایک برس نیل کی رَو میں — یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون — ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے — ہو جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آ آکے جو لوگ — تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم — وہ گویا تمسکو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک — نہیں انمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر — مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی برگشت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج — واں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار — قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی — سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

---

[1] دلّی کے نواح میں باڑھی خصوصاً کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال و فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول — جو چل بسے کوئی اِن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائیگی خطا ہمیر — کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں — پر آیا جب امتحاں کی زد پر ایماں
کی عرض کسی نے کیجئے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جان بھی ہے تو جہاں

ایضاً

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا — یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقیٔ بشر — یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب — ہو جائیں گے جھل جھلا کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا — کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ — محتاج کر اسکو جلد اسے یا خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکا — ہوتا نہیں مومن کا ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے — سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم — سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت — یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ — کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت — لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں — سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال — تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل — اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر کہ حضور — ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجّام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا۔ جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا۔ مگر آب و دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اُسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لیئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ کی داڑھی میں جمعہ اور منگل کو خضاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اُسکو پہنتا تھا - اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع
کو روش درویشانہ سے مزین رکھتا تھا - اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے -
تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگوئی کے مقر ہیں - چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں
کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے - مسٹر الیٹ فیلن نے
اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ۱۷۹۳ء میں اسکی عمر ۳۵ برس کی تھی - اشعار ظریفانہ
کا انتخاب یہ ہے -

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے ‌ ‌ ‌ بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا
کیوں مجھکو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں ‌ ‌ ‌ میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں
آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں سکھ بچے ‌ ‌ ‌ ان تلک حجام ہی پہنچے نہ یہ حجام تک
خط آئینے کی بھی اپنی رسائی نہیں وہاں ‌ ‌ ‌ حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں
قیسوں پہ میاں پڑتا ہے تب سو گھڑے پانی ‌ ‌ ‌ بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو
اس شوخ کے کوچے میں نجایا کرو حجام ‌ ‌ ‌ چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمہارے
کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر ‌ ‌ ‌ آج اس کوچے میں اُن کی بھی حجامت ہو گئی
لگ چلیئے جو اس شوخ سے سینہ میں تو اے وائے ‌ ‌ ‌ جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور ہٹا لے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے
متصل رہتا تھا - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا - اور خیال ظاہر
کیا ہے کہ غالبًا کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونتًا لکھا ہے -

کام کیا نادر یہ حجام نے ‌ ‌ ‌ شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق - میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسے اور میر علی آشنا

اور غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے ۱۲۸۵ھ میں نساخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

چھٹی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے — کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے
تمھیں صورت کا غرہ ہے تو یاں کس کی محبت ہے — تمھارا حسن مہنگا ہے تو کس کی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جاں بخشی نہ کی — اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

ظریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے ان کا جدا انداز تھا — کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی ستھنے باز تھا
دیتا جب دیتا جا لیلیٰ کے کتے کا کفن — چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تاوے قیس سے پرند کو — ناقہ لیلیٰ بھی اک گھوسٹ کبوتر باز تھا

بار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے — ہٹیے ہٹیے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر — اچھا اچھا کوئی لے دیجیے خرگوش مجھے
گالیاں سن کے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں — اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اسکی بھیانک صورت — جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
ان کے ہشیار بھی کرنے کا نرالا ہے چلن — کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
رو کے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ ظریف — آپ لا دیجیے زربفت کی پاپوش مجھے

حزیں ۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس برس ادھر کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں جو ان کے معاصرین

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھولوں کا ہار ہے — سمدھن تمھارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوتی ہے ڈیڑھی گر کر دل سیدھی طرح سے بات — گھوڑے پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے
سمدھی بتا دو تم کو یہ کیسی ہے بے کلی — آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے
سو کھا ہی اس نے یار آتا رقیب کو — سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے
سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا — لائق تمھارے منھ کے کرٹیا کہار ہے

حکیم مولوی محمد سمیع ارادت اللہ خاں نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علمائے فرنگی محل سے ہیں۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں۔ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظریف کو غزل رواروی میں سر مشاعرہ دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اسوقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی۔ اگر یونہی مشق سخن جاری رہی تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

انوکھا آپکا انداز اے اللہ میاں نکلا — نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

دفعتہً چوکی میں چالان ہوا خوب پٹے — پی کے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے
لائبل کیسی چلاؤں گا میں تجھ پر ساقی — مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
رہ گئے دست حنا رنگ کے ورنہ اکدن — شہر والوں کو پتہ لگتا کہ عشاق گئے جانے سے

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا — بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن — کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مار ڈنڈوں چھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر — شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاءاللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے — کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد گلچیں نے ستانے کیلئے — باغ میں ٹولٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہ پیدا دل شیدائی میں — ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں

دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو — پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کہتا تھا نئی روز لنگوٹی باندھوں — ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو

آکر چڑھی ہے سر پہ جو کھلتی شباب کی — وہ چھوڑتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واعظ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم — بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

پر عذر کیا اُسنے اور جانے کی ٹھہرائی — دو آدمی اور انہیں اک ننھی سی چارپائی
پہلے سر زانو پہ اک زور سے چپکائی — دیکھا جو اُدھر اُسنے بندہ ہوا انجرائی

جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علیشاہی — تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی سو بیبیاں کرتے

ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھرپک — مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے

چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں — عدو کی بزم میں ہنڈے جلائے جاتے ہیں

پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہے بہشت — اور بھاگو صدر سے بیمار ہجراں دیکھکر
وندناکر گھس گیا میں محفل دلدار میں — منہ جو نہیں پھیرا مجھے دربان نے چپالی دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا چھیڑنے پر ہائے حکیم — یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی گزارتا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا مگر وہی اوباشانہ رنگ مد نظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا۔ غرضکہ اِن کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل پورے طریق سے اسپر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور
عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزاں اگر زرے ہست مدہ ‎ ‎ ‎ زرجز بجوان رند سرمست مدہ
موے سر زلف امرد از کف مگذار ‎ ‎ ‎ سر رشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ۔ رحیمی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین رنگین مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے مر چکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں کچھ شعر کہے تھے اونھیں میں کا ایک یہ شعر ہے۔

اوندھا پڑا ہے نیچے سدا ہر جوان کے ‎ ‎ ‎ تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چندر بھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمیناً چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں۔

زمانے کے عجیب بدلی ہے رنگت کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اُڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے روکیں کسے فیشن سے وفا میں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے ہوا میں بھر رہا ہے وولن میں ہے
نئی تانتی کی گرمی خون میں ہے اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پرانوں کی وہی چالیں پرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

ٹیوفیشن کی ایسی چڑھ بنی ہے سٹک ہاتھوں میں پاکٹ میں گھڑی ہے
سخی کالال قسمت کا دھنی ہے وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی پیٹے غل مچائے
مثل ہے ایک چپ سو کو ہرائے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں پرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گرمائے ہوئے ہیں پری کے دام میں آئے ہوئے ہیں
اڑے پھرتے ہیں اترائے ہوئے ہیں محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

بگڑی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ مس روزی بنایا　　بڑے دن کو کلب گھر میں سجایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا　　سمند ناز پر کوڑا لگایا

چہ غنڈ ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چلبل　　نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل　　نہ چوڑی پاؤں میں پہنی نہ چھاگل

نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھو کا حسن گدرایا ہوا ہو　　جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو　　برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن　　کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن　　گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں　　کسی لیڈی سے ملنے کو مشن میں
تکلف سے نہ شرمائے ٹفن میں　　کہ سب ہپ کرکے رکھ جائے دہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گدگدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

خندہ - میر شجاعت علی صاحب نام ہے - بریلی کے رہنے والے تھے ظرافت کے رنگ میں بہت خوب کہتے تھے ۱۸۷۵ء میں زندہ اور بخیریت موجود تھے - چند شعر کلام سے انتخاب کئے جاتے ہیں -

ایک سے ایک شب بستر میں بڑھکر آیا — کبھی پسو کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا
پھونس سے یار کو جاڑوں میں بچایا نہ ملا — کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا
اپنی گھوڑی کو جدا کر تو شکرے سے اے شیخ — ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں کوئی دس سیر چاول اور من بھر شیر ہو — ڈالدو کھاری نمک تو خوب ان پر شیر ہو
مے پیو تو شیخ صاحب کی بیاں توقیر ہو — پاؤں میں گھنگرو بندھیں اور ناک میں زنجیر ہو
کیا کوئی چھیڑے انہیں اور کیا لگائے کوئی ہاتھ — ناک کے پکڑے سے جنکے پھوٹتی نکسیر ہو
ہے دہن کا انکے بوسہ میرے سودا کا علاج — جس طرح اے خندہ تلی کی دوا انجیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے — گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے
لہانتا اودھر کے چھپر پہ مائیوں بیٹھے — کہ جب نکاح کے دن آن کے ہمن چار رہے
لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں تسے — مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہم تو ہنے نہیں اب باخبر ہے رشوت کے — لوگ کھاتے تھے بچا سے کچھ بچا سے پہلے
سینہ پر ٹیکے ہاتھوں کو وہ سر پیٹتے ہیں — ڈھول پیچھے سے بجا کرتے ہیں تاشے پہلے

خنداں - عبد الحمید نام تھا - لکھنؤ کے رہنے والے تھے - ان کے والد دہلی سے لکھنؤ میں آکر رہے - مگر پھر یہیں رہ پڑے اور پیوند خاک ہوگئے - خنداں مرحوم اول

ظرافت کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ بعد کو فنا تخلص کیا۔ اور متین شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی ۲۴-۲۵ برس کی عمر میں ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔ اول اول میں باقر صاحب جمیل برادر خورد پیارے صاحب رشید مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد خاں صاحب نظم کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے۔ راقم تذکرہ کے بے تکلف دوست تھے گھنٹوں شعر سنتے اور سناتے تھے۔ خود بینی اور خود پسندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج واقع ہوئے تھے۔ وہ کہے ہوئے چند الفاظ تبدیل کرکے اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ کم رو۔ میانہ قد۔ سانولا رنگ تھا۔ سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ جو ہنستے وقت نہایت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے منھ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ کلام ضائع ہو گیا اور اب ظرافت کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ جو لکھا جاتا ہے۔

میں ایک ساز ہوں مگر اُلٹے طرق کا   وہ چھیڑنے لگا تو میں خاموش ہو گیا

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۸ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جولائی سنہ ۱۹۱۹ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے۔ ۲۴ برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پہ مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہوکر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلیٰ پر پہونچ گیا۔ قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کرلیتا تھا۔ انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے۔

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم — آتے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے
یہ جھوٹ اور ہمسے بس اب رہنے دیجئے — ہم ہی تو رات جھانکتے تھے تیرے در سے
سن کر پیام بر سے مرا نام یوں کہا — وہ ہی نہ دبلے پتلے نحیف و نزار سے
معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب — ایسے دکھنے میں سیدھے ہیں پرہیزگار سے
خود مجھکو تجربہ ہے بس اب چپ رہیں کیا کہوں — خالق بچائے ایسے شریروں کے وار سے

کیا بری شے ہے یہ گھبراہٹ کہ جس سے آدمی — آپ کچھ کہتا ہے منہ سے کچھ نکلتا ہے مگر
ایک منشی سے شتر خانہ پہ جو مامور تھا — پوچھا اک انگریز نے ذکر ہو تم کس کام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں ہو گئے اُس وقت وہ سنکر پریشاں اسقدر
میں شتر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے ولے کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے کر رہے تھے گفتگو با ہمدگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو کر چکا تھا غیب ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ویسے لوگ سب وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیاح نے میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کیا عجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے سوچکر یہ اُس نے قصہ مختصر
اُس نے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں خدمت زمزم میں بھی گاہے گذر
سن کے اُسکے منہ سے یہ سیاح نے سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بوڑھے ہو گئے حضرت بہت کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستر سے اُدھر
سن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات تب کہا سیاح نے یوں ہنس کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

دبنگ۔ حافظ سراج احمد نام تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر نہایت بیباک پھکڑ تھے۔ تمام شاعری ادباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل اندراج مل سکا۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا　　کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

دُگانا تخلص تھا ریختی میں۔ مگر متین اور عاشقانہ کلام میں منجر تخلص کرتے تھے منشی اسداللہ نام تھا۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مقام چھپڑہ ضلع ہگلی کے باشندہ تھے۔ ان کے آبا و اجداد کا وطن قدیم دلی تھا۔ مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوئے کہ ترک وطن کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اور یہی قدیمی وطن ہو گیا۔ چنانچہ دُگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لیے چھپڑہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھ کر ان کو کلکتہ تعلیم کے لیے بھیج دیا۔ اور یہیں تعلیم پائی۔ دُگانا کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثنائے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے۔ کلکتہ میں اسوقت مولوی عبدالغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے جو بعہدۂ ڈپٹی کلکٹری یہاں پر مامور تھے۔ چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا اور منجر تخلص اختیار کیا۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لیے دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہو گیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے　　صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چھاتیاں لیں گلے سے لپٹا کے　　پھر لیا زانو میں دا ب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں　　کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

دل جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہے شوق داغ دل کی کنکیا اڑانے کا ۔۔۔ بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریبانکی

مرا سِ ناز کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بُت نے ۔۔۔ ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی

سوال وصل پر جو ہر دم انکار رہتی ہے ۔۔۔ مری جاں کیکی دن ہے یا گردن ہے ٹٹیاں کی

بسے رے تو کیوں ہو سید ہا کہنے پر لو آؤ بیٹھو تو ۔۔۔ تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی

میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوش وحشت میں ۔۔۔ اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلی کبھی جھانکی

نہیں راضی کسی صورت سے جھولا جھولنے پر دل ۔۔۔ مگر ڈوری ہو شاخ سرو قد میں لف جانانکی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڈھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گزارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہوگیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۸۵۸ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا ۔۔۔ مت کسی اپنے یار سے کہنا

اور یہاں دلکی بیقراری سے ۔۔۔ روز دو تین چار سے کہنا

سب پہ جی ہم اگر لاکھ برائی ہوگی ۔۔۔ پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلگیر منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے - مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے - اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات
کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو - چنانچہ اسی افتادِ مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ
خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدّی - گوجر - جاٹوں کے روزمرہ میں
شاعری شروع کر دی - اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا - مگر دلمیر نے
اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۶ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ
مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے - اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا - دلمیر کو انعام اور
خلعت دیا گیا - بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا
مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لیے اُن لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ سہرا دلمیر کے سر رہا
۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے - مگر انقلابِ سلطنت کے بعد سے اس
رنگ کو ترک کر دیا - پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں - غزلیں - قطعے - مثنوی - سبھی کچھ
کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہو گیا - اور اپنی زندگی ہی
میں طبع کرا دیا - آخرکار ۷۷ برس کی عمر میں انتقال کیا - انتخابِ کلام کے ساتھ ترجمہ بھی
دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر
وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مرادآباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں - کیونکہ دلمیر نے
صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی - بلکہ اُن کے طرزِ تکلم - اُن کے طریقِ معاشرت
اُن کی وضع قطع - اُن کی صورت آبادی اور بود و باش - اُن کے جذبات - اُن کے اطوار
اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے - یہ ایک انتہا کے کمال ہے
اور اسوجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تاوقتیکہ اُن کی
معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو - اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان
ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں - مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت
اندوز ہو سکے گا - اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

اونمیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھا الک ہے مرے مالک — تو باپو ہم تیرے بالک

اے میرے خالق اے میرے مالک — تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں

راتوں مارے دنوں جوادے — تیرا انت کوؤ نا پاوے

تو راتوں کو ہمکو مارڈالتا ہے اور دن کو زندہ کردیتا ہے — تیرا بھید کوئی نہیں پاسکتا

تجسا ٹھاڈا کون ہے دوجا — جا کی جگت کرے سنگ پوجا

تجسا زبردست دوسرا کون ہے — جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے

توہی لاڑے میگھ ملارا — توہی بوادے بونڈا ہمارا

توہی گھٹا سے پانی برساتا ہے — توہی ہماری کھیتی اور بونڈے بوآتا اور کاشت کراتا ہے

ہے مرے صاحب بخشن ہارے — پھاڑے کھوٹے کاگد ہمارے

اے میرے بخشنے والے اللہ — ہمارے اعمالنامے بدی کے چاک کردینے والے

دلبیرا ہے تیرا داسی — توہی دیگا تازی باسی

دلبیر تیرا غلام ہے — توہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہے

نعت

نبی محمدؐ رب کے پیارے — جگ پر جا کے راج دلائے

خدا کے پیارے رسول محمدؐ — تمام دنیا کے سردار

رب کے بھیجے جگت میں آئے — ہماری کھاطر دیوا لائے

خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے — اور ہماری خاطر شمع لائے

جن دیوے نے کھولو اندھیرا — کرا اُجالا جگت گھنیرا

اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی — تمام دنیا میں اوجالا کافی ہوگیا

قُران سریہہ کہدا کی بانی ۔ ہمیں سنائی پڑھ کے جبانی
قرآن شریف خدا کی باتیں ۔ اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہم کو سنائیں
پاپ کٹے اور پن سنوارے ۔ ہو گئے ہمارے کل نستارے
جس سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں ۔ اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی فاطمہ ہماری ماتا ۔ نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا
بی بی فاطمہ ہماری ماں ۔ دین و دنیا میں ہیں بخشش کرنیوالی
ہمارے نبی کی پیاری جائی ۔ جا کی سینک حوراں کھائی
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی ۔ جن کی حوروں نے سینک کھائی
باپو کی امت جن بکسائی ۔ مالک سامنے دے دے دہائی
جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی ۔ خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے ۔ امت کھاطر سر کٹوائے
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے ۔ جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی ۔ جنہاں ملکوں دھوم مچائی
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں ۔ جنہوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی
کر دیئے لکھوں نیم کے بندے ۔ ٹرطمہ ہو گئے مارٹنس گندے
لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے ۔ ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا — جاڑا لگے سوڑاں دہس جا

آج رات کو ہمارے گھر رہ جا — بڑی سردی معلوم ہوتی ہے لحاف میں چلا آ

چار پہر کا کاٹن کے ہے — بڑی پچھر کے تڑکے نس جا

چار پہر رات کا گزارنا کیا — صبح صادق ہوتے ہی اٹھ جانا

میں کرلوں تو نے چما چاٹی — تو سانتھڑ سوں سانتھڑ کس جا

میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا — تو ران سے ران ملائے پڑا رہنا

تو مونے بھولا پنچھی جانے — تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا

تو مجھے بھولا جانور جانتا ہے — کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی نار میں پھانسی دیگا — کاہے کاڑن ناڑا کا ڈھیا

کیا ہماری گردن میں پھانسی لگائے گا — کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے

اک مٹھی دے ٹپان لکاٹے — موسوں ڈوڈھا بھاڑا کا ڈھیا

ایک بوسہ دیکر جان نکال لی — مجھ سے ڈیوڑھا کرایہ وصول کرلیا

کے مجنوں مہاڑی ہوڑ کریگا — جنگلاں جنگلاں تاڑا کا ڈھیا

کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا — جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا

سو پریاں دلبر عشک ماں — ٹانگ تلے او سارا کا ڈھیا

سو بار دلبر عشق میں — مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا ۔ مارکے اپنی ناڑ گٹ ڈراسا
تیری جدائی میں پیارے جاں دیدوں گا ۔ اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں ۔ میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے ۔ میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے ۔ لو مہارا سارڑا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے ۔ یہ ہمارا سالا اوت ۔ بلاسا

آجا مہارے پاونہا آجا ۔ دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا ۔ جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے میت کسی کی ۔ پیت پچھوڑے کو ٹھی تاجا
ای دوست کسی کی محبت نہ کرنا ۔ محبت کو ٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرو ۔ مہارے ہی اوپر وہپوسا باجا
اے دل اوت تیرا کیا گیا ۔ ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑگئی
ناہیں رہو من بیری بس کا ۔ پر گیو چسکا جوبن رس کا
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا ۔ اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑگیا
جد تیری پایل سیج بجے گی ۔ میں تو گوڈوں گاڑا ٹھاؤں گا
جب تیری پایل سیج پر آواز دے گی ۔ میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں موسے ہوڑ بڑے گا ۔ تونے لیلی ڈھگ بٹھاؤں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا ۔ تو تجھے لیلی کے پاس بٹھاؤں گا
جو تیرے نینوں کا جڑ ہوگا ۔ میں تو سینوں مرجاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہوگا ۔ تو میں اشارے کے مارے مرجاؤں گا

کاکا کانا تاؤ کا   میں لاگو نہیں کاؤ کا
نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی)   میں کسی کو اچھا نہیں جانتا
مانگن آئیو پُھارکا مانڈا   یو تیرا پھوڑا ناؤ کا
پھلکا حلوا لینے آیا ہے   یہ تیرا پھوڑا نائی کا لڑکا

مُنہ جُھریا دونگی دوارے نیاؤ کا   پلہ کھوسے سے ہے مہاری چادر کا
میں ایسے معشوق کے منہ کو جھلس دوں گی   چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے
ہے رے موسوں نے کے ستم پاڑے   گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا
ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈھائے ہیں   سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوڑا کرلے پیٹا مجنوں ہٹ تری دادکی پونچ   ہاتھ ہتکڑی ساٹھ من کی ناڑ سوہن کا کڑا
مجنوں آ ہماری برابری کر ہٹ تری دادی کی دم   ہمارے ہاتھ کی ہتکڑی ساٹھ من کی ہے اور کڑا سوہن کا

لارے کلاڑکے پھول سراب   سیسا دکھے جیسوں گلاب
اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلادے   شیشہ گلاب کی طرح سرخ سرخ چمکتا ہے
پاؤں پاگ کاکھ میں جوتی   ایسی دارو پیو زناب
پاؤں پر پگڑی اور سر پر جوتی   جناب ایسی شراب پینی چاہئے
کلاڑا کا پھر عشک کہات   دیہی روکھ نہ چھوڑے بات
کلال کا فر عشق بھڑ ڈالتا ہے   بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا
دلیرا سر سہرا باندھیو   چلو رے بھائیو چڑھی برات
دلہیر کے سر پر سہرا باندھو   بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڑھا نوسو پانی نوسی — کٹھاسے رسے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

بڑھا نوشہ نئی نوشی — اٹھا لے رسے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

کرلے ری چمرو کی راج — اوہی چھلنی اوہی چھاج

او چماری کی لڑکی خوب راج کرلے — چند دن میں وہی چھلنی ہو وہی چھاج ہے

موج مارلے سبھی اُڑا لے — عبد لگ رہویسے کوٹھی ناج

عیش کرلے مزا اڑا لے — جب تک کوٹھی میں ناج رہے

یو دلیرا جنم کا بھوکا — کدہیں نہ دیکھا مٹکے ناج

یہ دلیر ہمیشہ مفلس ہی رہا — کبھی اس کے مٹکے میں غلہ نہ دیکھا

چھورا رہو نہ چھوری ایک — رہتے مقدم اوت کے اوت

کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی — مقدم یعنی چودہری صاحب اوت کے اوت ہے

کہدے رے پانڈے ساچی سانچ — ہمارے کرم کی رکھاں پانچ

اوبرہمن سچ سچ بتا — ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے

اب کے سیر دکرم میں کھول — بھر لو ناج سول کوٹھے پانچ

پانچ کوٹھی اناج سے بھر لو

پابد اچھلو کھا کھا ناج — جا بد ہرنا بھریا پھلانچ

ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو — جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں

کہے دلیر جو پانڈا جھوٹ — سر پر مارو جوتی پانچ

اگر نجومی اسے دلیر جھوٹ بتائے — سر پر پانچ جوتے مارو

دھولے بلد کی دہاڑی پونچ — الاگے بڑی سہانڑی پونچ

سفید بیل والی دم — بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑاسے بیٹھے ٹانڈ — پھیرے گوپھیا کھیدے سانڈ
مچان پر بیٹھ کر کوے اڑائے — گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا
سب سوں بھلے یہ موسل چند — کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ
سب سے اچھے موسل چند — نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں
نیناں تیرے باڑے ملوک — ایک سیں ماں من دو ٹوک
تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں — ایک اشارے میں دلکے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں
گورے گال مکا کے پھلکا — جنہاں دیکھے بھاگے بھوک
گورے گورے رخسارے مکئی کی روٹی معلوم ہوتی ہے — ایسے کہ ان کو دیکھکر بھوک بھاگتی ہے
پانوں جوتی سر نا پاگ — ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ
پانوں میں جوتہ نہیں سر پہ پگڑی نہیں — ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں
کے لاگو پھاگن میں سواد — مکا کی روٹی چنے کا ساگ
پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا معلوم ہوتا ہے — چنے کا ساگ اور مکی جوار کی روٹی

دوپیازہ۔ یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے جس کے پھڑکتے ہوئے لطیفے آجتک زبان زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دلچسپی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا عبدالرحمن تھا۔ خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے۔ ترکی فارسی عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے۔ مگر تمسخر اور ہزلیت اسقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی زد میں آگئے تھے۔ کوئی بات ہوتی۔ کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر یہ اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے۔ ایک بات کہتے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے اکبر کے جلیس خاص تھے۔ ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی ۔۔۔ ہر مجلس اور

چھبتی ہوتی ہوئی پھبتیاں کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہے - اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا - وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی - اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے - مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا - ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے - آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھپیا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے - کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا - کہنے لگے کہ بس اب دو پیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا - اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار رہیں - چنانچہ اثر آک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف - النامہ - ملانامہ - یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں - اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے - اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا یا من کا شوخ گھونا — ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرت ہے تک چھکنی ہاتھ لکر — تین تاک شیخ کینی ایسی طرح ملونا
تالی بجی سے ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے — رم ورسے بغل میں بھاگا لے اوڑھنا بچھونا
دو پیازہ از دل و جان قرباں چرا نباشم — جوبن ہے مدھ کا ماتا وہ سانولا سلونا

پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے — لٹت ہیں تن بدن پر اکھ بیٹھے
دو پیازہ کی دلداری کرتا ہے — مگر صد گریہ با خواری کرتا ہے
دو پیازہ اسپ ناکس ہنڈیا میں آئے کے — مکھی کے ہاتھ پھنس گئے جاسے نجانے کے

دور خی - لالہ ہر چند نام ہے - لاہور کے رہنے والے ہیں - انگریزی میں ایم اے

تک تعلیم پائی ہے۔ سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں۔ مجھے مرزا واجد حسین یاس یگانہ
سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مزاحیہ
کے لئے ایک نیازمندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب
نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال
سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور
سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا ایڈیٹر صاحب سے بھی
اُن کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ اُنھوں نے بھی بربنائے اخلاق وعدہ فرما لیا
مگر اس کے بعد اِن نہیں کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہوگیا۔ لہٰذا سردست دو شعر جو میرے پاس
ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے
ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں
اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتدائی
مکتبوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں۔

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا میں — اس بات کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت ہدہد بھی شاعر بن گئے — جانور کے سر پہ تاج اچھالتے ہیں

مرزا دہلوی اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ
داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری۔ اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر
المامور معذور نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

ناکہ داغ جیتے میں ایک ہی داغ تھے — اٹھنے میں دیکھئے نہ گئے کر چراغ تھے

باغ سخن میں مانا ہر چند عندلیب — روغن میں رنگ میں تو شبیہ غراب تھے
تند سیاہ گرچہ مقابل تھا تیغ کام — شیریں بیانیوں میں مگر پھر بھی راسب تھے
تھا جامہ زیبیوں میں تو کچھ سرج کچھ ٹوئد — یہ سچ ہے دھوپ چھاؤں کے وہ آفتاب تھے
تھا تذکرہ تو پورٹ کا و ہسکی کا بزم میں — گو مست حسن صورت کیف شراب تھے
چٹکی کبھی لیڈیوں کی کمر پر کبھی خوب بال — نکھی فیشن پروں پہ تھے لاجواب تھے
کرتے تھے حسن کی تو ولایت میں کورٹشپ — بے پردگی کے باب میں لیکن حجاب تھے
ڈوبے ہوئے تھے رنگ قدیم و جدید میں — خوشبو میں ہر طرح سے لونڈر گلاب تھے

والہ طالب علی نام تھا۔ بنارس میں قیام تھا۔ اور یہ خوش کلام تھا۔ سنہ ۱۸۷۲ء تک زندہ تھے۔

بندہ بے دام ہوں کہتا ہے آپ کی تکرار میں — شوق سے بیچو کھڑا کر کے مجھے بازار میں
مجھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھوڑا ہی کیا — گالیاں دیتے ہیں وہ قسم کھا کے ہر دم پیار میں
ہو گیا ناز ان کو اپنے حسن پر حد سے سوا — جو نہ کہنا تھا کہا سب نے انکے پیار میں

اپنے مرنے کا کیا دعویٰ جو لوگے یہ کہے — بولتے ہو مر کے تم دنیا میں زندہ ہے پھر
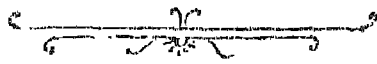
حرف ڈال ہندی

ڈاکٹر۔ نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی گلے میں کاکلِ پیچاں نے ڈالی ہے
ادھر ٹٹی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے

حیا کا ہے یہ کہنا کہ خواب ناز سے اٹھیے
نہیں تو اب یہاں لٹ سونکی چوری ہونیوالی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے استغنائے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی۔ شوق در ہر دل کہ باشد رہبرش درکار نیست کسی نہ کسی طرح کچھ شعر اُن کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپ ارے ٹاپ ارے
ارے باپ ارے باپ ارے باپ ارے

سنا ہے کہ بسم اللہ کی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایک روز ڈھینڈس صاحب نے اُن کی دعوت کی مگر اُس طرف سے وعدہ وفا نہ ہوسکا۔ ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

یاد ہیں سات سو چھیاسی کی
ہنسے تازہ شراب باسی کی

ایک مرتبہ کسی کے یہاں تحفتہً پلاؤ بھیجا۔ مگر وہ صاحب کچھ اِن سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا اور بعد کو جب خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرا دیا۔ ڈھینڈس صاحب کو معمول سے زیادہ رنج ہوا اور یہ شعر کہا

آج زردہ پکا کے پائیں گے
فاتحہ ہے پلاؤ مدفوں کا

حرف ذال معجمہ

ذاکر۔ شیخ زکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر مرحوم دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی ثقاہت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت بیہودہ پن اور چھچھورے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہوگیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظ نے چند شعر محفوظ کر لیے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لیگیا — وہ بت کل مصلا اڑا لے گیا
فقط خالی پاکٹ کے مالک ہیں ہم — بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

بھوکے عاشق کے واسطے ذاکر — گال سے شیرمال اچھا ہے
نہیں تخصیص زلف کی کوئی — آپ کا بال بال اچھا ہے

قتل بھی کرتا ہے اور پھر وہ جلا دیتا ہے — خوب قسمت سے ملا مجھکو کھلاڑی معشوق

جب مرے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں
پھر وہ کس کام کا کمبخت اناڑی معشوق
بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ذاکر
کورے مٹکے میں دیا ہے جو تاڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا پہرہ ذاکر
نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف
قابل رشک ہے آزادی مارگیسو
نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگان کوچۂ جاناں اب کھٹکنے ہو گئے ذاکر
جو دربانوں سے بچ جاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح - حکیم منشی محمد اسمعیل خاں نام ہے - دہلی وطن ہے - ایک زمانہ میں محلہ بہاڑ گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے - اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں - پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے - اسمیں بھی ظرافت کا چٹخارہ رہتا تھا - غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں - اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں ۱۹۱۲ء میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی - انتخاب کلام ظرافت یہ ہے -

تنگ ہیں کفار تو محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے
اچکا ہے اڑا لیجائیگا کنگر میخانہ
شراب پاک جنت کو وہاں حوریں پلائینگی
کہیں جنت نہو واعظ تری ہمشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا
ذرا سے ایک بوسے پر تمہارا دم نکلتا ہے
جوش جنوں میں بھی نہ نکلے ہم اپنے گھر سے پا
یہ آبلے ہی پاؤں کے پاپوش ہو گئے
میں نے لگائے گھر سے جو اس سحر فن کے پانو
چھٹی سے پاؤں ہو گئے ایک ایک من کے پانو

چھلّی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن | ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پاؤ
مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا | اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پاؤ
سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک | آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیمتن کے پاؤ
صد شکر پایا مرتبہ عزت قتل سے | سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پاؤ
چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں ذبیح | مفلس نہیں کہ میں رکھوں باہر وطن کے پاؤ

ذکی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلّی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھڑ پکڑ ہو گی نہیں تو آپ سمجھا دیجئے | گالیاں دیتا ہے، ورنہ آپکا دربان مجھکو
زلف پرپیچ کی الفت میں ہیں پھیر ایسا دل | دیکھئے کر جوٹ بھول بھلیاں مجھکو
دی ہے سو مرتبہ جب یار کو چٹّی میں نے | تب کھلائی ہیں کہیں ڈھیلے کی گلٹیاں مجھکو
جب کہا قیس نے بچپن میں لپٹ جا پیاری | کہا لیلیٰ نے کہ بھئی مار یگی اماں مجھکو
وصل ہو جائے چھیڑا اس لئے کرتا ہوں فقط | ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفت جاناں مجھکو
اے ذکی گر گئیں نزلہ سے جو اُن کی پلکیں | نظر آنے لگا ہے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا ساربان کے لئے | کہ بھیجا جلد نکل چل شتر کو ہانکنے لئے
نہ آئیگی کس لئے صیاد و بالش چھوٹا ہے | یہ گوشہ نشین ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے
سمجھا رہے نہ چھپنے بھی ہمیں یہ کہتا تھا قیس | دو وقت تو رہے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

کھلا کے قیس کو لیلیٰ نے اور الٹی دی — کہ ہوگی فاقہ سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے

یہ حال ہے ترے کشتہ کا ابتو لے جاناں — کہ کتے لاش پہ لڑتے ہیں استخواں کے لئے

تو اس پری کی محبت میں گھوم جا اے غیر — کہ تیرا باپ بھی لوٹتا تھا تیری ماں کے لئے

کسے لگاؤ گے تم تیر مر گیا عاشق — وہ فاختہ نہ رہی اب غلیل خاں کے لئے

اے جان جاں بتائیے گیسو کدھر گئے — وہ کون سے گدھے ہیں جو یہ کھیت چر گئے

ظالم بس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو — سمجھو کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مر گئے

سوتے ہیں سے گیا کوئی زلفیں تراش کے — وہ مجھ سے بدگماں ہوئے مونچھیں کتر گئے

طفلی میں کھو نہ دینا کہیں ماشقوا کے گل — پھر روؤ گے کہ میرے کھلونے کدھر گئے

ذلیل - نوبہار نام تھا - میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی - نہایت شوخ تیز طبع شعرگوئی کا شوق تھا - مگر تخلص کی رعایت کو ہمیشہ مدنظر رکھتی تھی - یعنی ریختی کے فحش شعر کہتی تھی - دو شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں -

میں نشے کی بھی سختی نہیں ناصح کیا ہے — اپنے کرتوت پہ جب دم کہ اترائی ہوں

تیرے اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا — ہمسی پریاں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ذوقا - شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہے تھے - ایک شعر ان کا ہے - اسے خواہ وسا کی بڑ سمجھیے یا ظرافت جانیے -

نے بام کے ہیں پایہ نہ زینت کسی در کے
ہم بانس کے روڑے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

ذوقی۔ میر عبدالواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف درگاہی کے صاحبزادہ تھے
بلگرام وطن تھا۔ نہایت شیریں کلام۔ اور لطیف الطبع تھے۔ اُن کے والد سید محمد اشرف بعہد فرخ سیر
کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے۔ اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی
وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے۔ اور اسی معرکے میں بتاریخ ۲ محرم الحرام
۱۱۳۴ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مولف نخانۂ جاوید نے غلطی سے
انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے۔ مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے۔ جیسا کہ تذکرۂ سرو آزاد کی عبارت
سے ظاہر ہے۔ ذوقی مرحوم اردو فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ اور بعض اشعار میں اپنا تخلص واحد
رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اس واسطے اسکی تعریف میں پورا ایک دیوان
کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے۔ اس میں غزل۔ رباعی قطعے۔ مثنوی
مخمس۔ ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا
ہے۔ جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

آنانکہ پردہ از رخ لوزینہ وا کنند	آیا بود تواضع سخنے بما کنند
نان از تنور مہر بپیدا شدہ کہ تا	لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست	اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت از جدا کنید	پنہاں ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست را ز تنش برکشیدہ اید	بار دگر بہ کیسۂ ندانم چرا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیران انبہ را	بر کام دل ز محنت زنداں رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربت انار	نوشش کنید و تخلص خود را دعا کنید

شیریں نشد ز لقمۂ شکر نشد جگر	چشمم نشد ز سیر مزعفر نشد جگر

چنداں بہ ادب دستِ تمنی داشتمش من | با شیر و شکر حب ہمہ نشدے گر
حلوا نفرودے بدماغ ایں ہمہ قوت | ذوقی ہمہ اجزامش برابر نشدے گر

نقل بگیر بزباں یکدو سہ چار پنج و شش | ریزۂ قند در دہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب | چمچہ بزن قراں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
پیدۂ و نظر سیب را اگرچہ تفصیل گفتہ اند | لیک بدانتو زیاں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہد انبام بکف گرفتہ از کمال شوق | بوسہ دہم بشتے آں یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پُر از مزعفر با کاسہ پر از برنج و شیر | خوب نمایدم بخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع نغز اطعمہ دہ چہ خوش است ذوقیا | خربزہ لطیف خوش نشاں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تنہا دل ز ذوق بر نیم بیتاب می گردد | کہ از یاد زلالی محو پیچ و تاب می گردد

ببیں بسوئے چپاتی بہ دیدۂ انصاف | کہ بے وصال شکر حالت ہزاراں چیست
غرض ز موسم برسات لولد و بوندی آمد | دگرنہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ شکر از خرمی بخود بالد | کہ آں ز او ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمنائے ملاقات شکر لے ذوقی | آب گردید دل شیر بہ الفت سوگند

حرف رائے مہملہ

راحت ۔ دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے ۔ باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا ۔ جو حاضر ہے ۔

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا ۔۔۔ انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا
میں اپنی ایڑی چوٹی پہ ٹھنڈی کروں آگ سے ۔۔۔ یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا
روؤ گی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر الٹی ۔۔۔ تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے ہوا پھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا تھا ہاتھ ۔۔۔ نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے ہندکی بات
جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال ۔۔۔ گھر میں آکر صاف کہدیتے ہو تم باہر کی بات
گدنگی بہری کب تلک تو گونی بیٹھی رہوں ۔۔۔ نندکی باتیں سنوں ہے ہے کہیں تو بیر کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں بیا ۔۔۔ مجھکو تو بچی یہ بڑھاپا چلا آتا نہیں

کھلا تو ہوتا ہوئی پوری آرزو تیری ۔۔۔ دوگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری
لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان ۔۔۔ غلام سے گئی پکڑی جنم میں تو تیری

رحیم ۔ ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے ۔ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے ۔

اری ناداں تیں اپنے سجن کو کیوں اٹھایا ہے
رکھا کر میرے کو جاگ میں کسی نے ذوق پایا ہے

بہت پچھتائیگی میری نصیحت ان کہی ہو سیا
سکھی کو رات سوئی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

رسوا — خیرات علی نام تھا۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا۔ نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پہروں ہنساتے۔ غزل گوئی کا شوق تھا۔ میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے۔ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے۔ چند شعر مع حالات کے ایک قدیم قلمی بیاض میں نکل آئے جنہیں سے متین۔ اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جا سکتے ہیں انتخاب کر لئے

نالہ کرے نہ ہجر میں اختر شمار ہو
شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو

رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے
دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ ادھار ہو

مجنوں کی کبھی دست درازی ہے تو اک شد
سر مونڈ کے لیلی کو چڑھائے گا شتر پہ

میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا ہوں
تونے تو نہ بھیجے تھے سپاہی مرے گھر پہ

کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں ہیں
اتنی سی کسر ہے نہیں کوہان کمر پہ

رسم۔ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے۔ جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت معقول ہے۔ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر وہ فواحشا کی حدود میں پہونچ جاتی ہے میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرمادیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے۔ کلام بھی بہت کم دستیاب ہو سکا۔ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف ستھرے ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجائے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان استقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پہ غلغلہ ہے کہ در اوپنے کا — پھنسی ہیں مادر وطن جناب نور بافتہ

نہ اُن کی والدہ ہوتیں نہ وہ عشق مرا — خدا دراز کرے عمر اُن کی نانی کی

پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ جو بہنے سے — ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی

گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں — ادھڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی

شدت ضعف کا کیا ذکر کہ آکر شب غم — چارہ ساز آکے سہارے سے کھڑا کرتے ہیں

ہمنے سر ڈھانکا انھوں نے فیل بکو کر دیا — اب وہ کمبل اور ہم اپنے خون کا دعویٰ کریا

رشک۔ ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے۔ ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکی۔ دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوئے تھے اب کمیاب ہیں۔ منیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے ۱۲۸۲ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال کیا۔ اگرچہ نہایت متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھے جاتے

چاول الماس گوشت لخت جگر — فرقت یار میں پلاؤ نہیں

پیٹ کھانے سے کیوں نکلتا ہے کباب — پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

اور کیا ہے ترا لعاب دہن — یہ اگر قند کا چواؤ نہیں

اب کے جاڑے ہیں اور نالۂ و آہ — اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
یہ زمینِ غزل وہ ہے اے رشک — جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایۂ حیات کبھی مجھکو بھیجدے — جھوٹا تری رکابی کا توروں سے کم نہیں
یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے — نکلے بھی کانپور کے گوروں سے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل سنکر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھیچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں — رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً میں نے بھی نہ لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے معزز انگریزوں نے اس کی بیحد دلدہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرا دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ چلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خبط یہ تھا کہ ہر سال بہت سا حلوا - اور روٹیاں سگِ اصحابِ کہف کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے تقسیم کرایا کرتے تھے - تیسرا خبط یہ تھا - کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے - یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو وحیِ آسمانی جانتے تھے - چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے - بلکہ آپ کے کلام کو رنگِ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ لچر و پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں - پڑھنے والوں کے لیے زعفرانِ زارِ کشمیر ہے انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو ہدیتاً بھیجا - اُن کے لیے ایک سامانِ تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اس وقت، قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو - چنانچہ تعمیلِ حکم کے لیے انھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا - چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس صحیفہ کو نقل بھی کیا ہے - اب چند شعر نمونۃً درج کیے جاتے ہیں -

الٰہی دانشمندی مرا خدا	الٰہی تو امیدوارِ دانی ترا
ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد	آبِ باراں کہ حکمِ خدا نیا بند عید کہ باراں آمد
خم غدیر را کہ پیغمبر داد و ملک داد	خریدار ملک را صلح سر تاج داد
منصور حلاج بدار و مدار انا الحق گوید	شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید
صاحبقران بجنگ سمرقند نونہال شد	بنیاد جنگ کردہ کہ ایلدرم خوشحال باشد
سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آمد	گولہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد
صورت نور کدارمنی در کلکتہ بسیار	خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار
زنانِ کلکتہ را آب بسیار	گردن صراحی دار و شرابِ پیالہ

مقرر کردہ عالم بحق کہ از وے شناس	خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جسمیں بیشتر تمسخر کا پہلو مد نظر رہتا ہے - انتخاب کلام یہ ہے -

سکون اختلاج دل ہوا جس نے اسے پھانکا ۔ سفوف عاشقی ہے نام خاک کوئے جاناں کا

چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا ۔ کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا

وارنٹ میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار ۔ حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمھاری اونگھتے ہو رات دن ۔ یہ تو بتلاؤ کہ افیون اسقدر کھاتے ہو کیوں

گھر بیٹھے دید رخ کی ترے کب ہو نصیب ۔ قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہمکو آج تل شکری چٹائے گا ۔ سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے قلعہ کا ساماں قاضی جی ۔ کنویں کا آنکھ پانی ہوگا اور سیری شکم ہوگی

رنگیلے - محمد اسمعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - کچھ عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مین پوری میں مختار تھے آ رہے تھے - اور اُن کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے اُن کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا سنہ ۱۹۰۲ء میں معقول عمر پاکر انتقال کیا - ان کے احباب نے اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے ۔ پھر بھی کافی دلچسپ ہے نمونہ کلام یہ ہے ۔

پتیلی میں نہ اُن کی چھپ جائے یہ کہتا ہے ۔ لیے پھرتا ہے قاضی ہاتھ میں کفگیر میخانہ
ہمارے شیخ جی ہٹنے کی اکثر مشق کرتے ہیں ۔ کہیں دیکھ آئے ہیں ہلتی ہوئی زنجیر میخانہ
کمربند انکا مستی میں کھلا لنگ سرک آیا ۔ کہاں آ کر کھلی ہے دیکھئے تقدیر میخانہ
کبھی ٹھرا اڑاتے تھے کبھی گودڑ چڑھاتے تھے ۔ جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ نکلے پیر میخانہ
بڑھاپے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے ۔ رنگیلے اب نہ چوکو اب کرو توقیر میخانہ

نسیم صبح کے یا بو بھی کیا فر فر نکلتے ہیں ۔ چمن سے جب ترے گیسو لئے عنبر نکلتے ہیں
وہیں پر ہر قدم پر تالیاں فتنے بجاتے ہیں ۔ پہنکر وہ نیا جوتا جہاں چرمر نکلتے ہیں
ترا کوچہ بھی اک ٹھنڈی سڑک ہے سیر دانوں کی ۔ ربڑ ٹا نکلتے ہیں کبھی موٹر نکلتے ہیں
چٹائی اُن کی میرا بوریا دشمن نے سب لیکے ۔ ہمارے دو گھروں سے کرچ فرنیچر نکلتے ہیں
مبارک ہوں عدو کو ہلکی ہلکی چسکیاں انکی ۔ سنا ہے وہ بچانے کے لئے بنا کر نکلتے ہیں
رنگیلے دوڑتے پھرتے ہیں اُنکے گول کمرہ میں ۔ انھیں تو وصل میں بھی پکڑوں جاکر نکلتے ہیں

اے شب غم تری صورت پہ خدا کی پھٹکار ۔ دیکھتا ہوں اُسے نہیں بھی تو ڈر جاتا ہوں

رنگین ۔ مرزا سعادت یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے ۔ اِن کے والد مرزا طہماسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے ۔ اور ہندوستان کے نوابین امرا اور روسا کی سرکاروں میں ملازم رہے ۔ رنگین کی پیدائش قصبہ سرہند میں ہوئی لیکن انھوں نے نشو و نما دہلی میں پائی ۔ اور عمر بھر یہیں رہے ۔ سیر و سیاحت کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی ۔ اشغال کچھ خاص نہ تھے

کبھی تجارت کر کے بسر اوقات کرتے اور کبھی نوکری اور ملازمت اختیار کرتے۔ چنانچہ عرصہ تک مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں مصاحبین کے زمرہ میں منسلک رہے۔

فن شعر کا شوق ابتدائے عمر سے تھا۔ شاہ حاتم سے مشورۂ سخن کرتے تھے طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی تھی۔ متین۔ عاشقانہ۔ ناصحانہ۔ ظریفانہ۔ سبھی قسم کا کلام موجود ہے۔ ریختی کا موجد بعض بعض لوگ انھیں کو کہتے ہیں مگر یہ بات تحقیق سے دور ہے۔ ان کی ریختی میں حقیقتاً عورتوں کی زبان اور روزمرہ جذبات وغیرہ موجود ہیں۔ جان صاحب کیطرح نہ سراپا آورد ہیں۔ اور نہ فواحش سے بھرے ہوئے ہیں۔ کلیات رنگین کا نام نورتن ہے جس میں چار دیوان موسوم بہ ریختہ۔ بیختہ۔ آمیختہ۔ انگیختہ اور دوسری کتابیں ایجاد رنگین۔ فرسنامۂ رنگین نامہ۔ مجالس رنگین وغیرہ موجود ہیں اور انھیں کے ساتھ ایک مثنوی موسوم بہ دلپذیر بھی ہے۔ جو اسوقت کی بہترین زبان ہے۔ نہ صرف زبان بلکہ اس مثنوی کا طرز بیان۔ قصہ کی روانی۔ وغیرہ سب باتیں قابل داد ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسوقت کے تمام باکمال شعرا نے متفق ہو کر اس کی تعریف کی ہے۔ بلکہ جرأت نے تو مصرع تاریخ یہ کہہ یا ہے کہ۔ ہے یہ بدر منیر سے بہتر۔ ایک دیوان انگیختہ سراپا ظرافت اور ریختی ہے۔ اسکی نسبت کوئی رائے دینا فضول ہے سب جانتے ہیں کہ رنگین کا درجہ اس بارہ میں اتنا ہے کہ لوگ ان کو موجد تک تسلیم کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ باوجود سب کچھ کہنے کے بھی درجۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اور اس صنف خاص میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں۔ سید انشا نے بھی اگرچہ طبیعت ہمہ گیر پائی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ ظریفانہ یا ریختی کے رنگ میں رنگین سے بڑھ نہیں سکے۔

داری تری جا نہیں خالق ہے تو خلقت کا — کب مجھ سے بیاں ہووے فرد تری قدرت کا

اب آنکھ پھر مجھ سے لگا دل بھول دعا ہیں — ہندی کو چٹے ہو کا رنگیں کی تمنا ہے کا

مجھ پہ طوفان نہ رکھ جاؤ کا چل دور ددا — جھوٹ جاسے منہ کا تری جائیگا اڑ نور ددا

ایک تو شکل ڈرانی سی تری بیجا سہی — تسپہ یوں گھور کے دیکھے مجھے مت گھور ددا

اس لگانے سے ترے اور بجھانے سے ترے — تیرے تالو میں الہی پڑے ناسور ددا

بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی — چڑھی ہڈی تری کرتی ہے مجھے چور ددا

دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تونے — اور کیا چاہئے کیا ہے تجھے منظور ددا

رات باتوں میں یہاں تونے گزاری انا — صدقے تیرے کسی ڈھب سے اسے لا ری انا

سوچ اس کا نہ ہو گر مجھکو تو پھر کسکو ہو — جانتی تو نہیں کیا پالو ہے تمہاری انا

آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی چاہ — روز و شب بہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری انا

ہوتی جو ہوئے سو ہو بندی ملے گی شرطی — وصل کی اس سے دلا آس تو میں ہاری انا

اٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے تو بیچ کے پاس — پھیر سنبھال مرا میں تیرے واری انا

چلو چل کر قطب صاحب میں جھولا ڈالکر جھولیں — دوگانا مینہ برستا ہو مہینہ ہو یہ ساون کا

کروں قربان میں اس شوخ کو جالی کی کرتی پر — دوگانا مجھ سے اٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ دامن کا

ہلا کر سر کیا کرتا ہے تو مجھ سے یہ ہنس ہنس کر — زناخی مارتا ہے مجھکو ڈورا تیری کی دلکا

جوانی ہے وہ پھٹ پٹ آئی حف نظر میری — وہ کون انسان ہے جو خوش نہیں ہنگام جوبن کا

کل جو مغلانی نے سی دی تھی مروڑی انگیا — ہو گئی تنگ بہت چھاتیوں سے نگوڑی انگیا

لے گئی کھول کے توشکیے دوگانا ساری — ایک بھی میرے پہننے کو نہ چھوڑی انگیا

ٹھیک اب کچھ نہ گات پہ ہے نہیں مغلانی — تنگ اس سے بھی ذرا سی ہو تھوڑی انگیا

نیند آتی نہیں کمبخت دوانی آجا — اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا
ہاتھ پر تیرے سے کسکے ہے چھلے کا داغ — دی ہے یہ کسنے تجھے اپنی نشانی آجا
بال ملتے کے جو ڈوریسے سے لیے ہیں تونے — شکل لگتی ہے بُری آج ڈرانی آجا
غم ہے رنگیں کو نہ میرا لو ہی اُسکے پیچھے — مفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

مُدگانا کو اور مجھکو دیکھا جو لیٹے — تو پھر کیا گرج کر ہوا بھوت خوجا
غضب ہے کہ رنگیں کا دل پھاڑنے کو — نیا روز کرتا ہے کرتوت خوجا

دائی تھی چوٹی گھر اُسکے میں کل چور پڑا — ہوئی باجی وہ فضیل چور کے گھر مور پڑا
دن دہاڑے جو چلی آئی تیرے گھر میں — کل مُدگانا تیرے آنے سے بڑا شور پڑا
کوڑھ ہے پن سے جو دودا تونے لگائی مہندی — تو ہتیلی میں مری دیکھلے یہ چور پڑا
تیری خاطر کروں کیا تک سیر مُدگانا پیاری — قہر اُس بات کا لپکا ہے تجھے در گور پڑا

ہونٹ کو اپنے دداتونے بنایا ہے چونک — کیا مری چڑ ہے دھڑے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس حجتی بچہ نے یہ غضب ڈھا لا کیا — چھپ کے مجھسے منھ مُدگانا کا مری کالا کیا
حف نظر کوکا جو میری تھی جوان جو ہتی کے بعد — پیٹ اُسے جب ہوگیا تب دوسرا چالا کیا
کون ایسا ہے دوا جسپر کہ اتراتی ہے تو — کوئی پیدا کیا نیا پھر چلنے والا کیا
اسے دوا کس سے کہوں رنگین کی چھل بل زیبا — سیر دوڑانے میں اس نے بات بنگالا کیا

میرے گھر میں دوناخی آئی کب — میں نگوڑی بھلا نہائی کب

صبر پیرا سمیٹتی ہے وہ — شب کو بولی تھی چار پائی کب
کل زنا خی تھی میرے پاس کدھر — اوڑھے بیٹھی تھی میں رزائی کب
وہ نہتی تو گھر میں اپنے ننر تھی — پاس اُس کے گئی تھی دائی کب
دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم — پاؤں میں میرے موچ آئی کب
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں — اور مسکرائی تھی ملائی کب
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی — آرسی اُسنے تھی دکھائی کب
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ — پیش جاوے گی یہ بُرائی کب
گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں — اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو ننج — تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو ننج
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے اَنّا — عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو ننج
اٹکا میں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین — اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو ننج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازاربند — جا کر دو دادہ مجھے کالاری ازاربند
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تین دن — بُن بُن کے بیچتی ہے بچاری ازاربند
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو اَنّا یہ کہتی ہے — آیا نہ باندھنا تجھے واری ازاربند
باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے — کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازاربند

زہر کردیتی ہے وہ کھانے کو لاکر مجھے ڈر — آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دو پیا
کیا گئی گزری ہوں میں ایسی کہ جاؤں ڈر کر — اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دو پیار
ہو وہ دن ناپید جس دن جھگڑوائی وہاں — واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دو پیار

اُس نے ہمسائے میں آکر گھر لیا تو کیا ہوا　　اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دو رپار
دلپہ میرے نقش ہیں رنگیں کی ساری خیال　　اُسکی ہجو ائی ہوئی مہندی لگاؤں دو رپار

کروں میں کہاں تک ادارات روز　　تمہیں چاہیئے ہے وہی بات روز
کہاں تک سنوں کان تو اُڑ گئے　　تری سنتے سنتے حکایات روز
گئے ہیں مرے گھر میں سب مجھکو مار　　کیا کر نہ رنگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی　　کیوں مرے واسطے باجی نے سلائی پشواز
تو دوا ایک سے اللہ سے اد حرفت باز　　قادری مانگی تھی تو دو رطلے کے لائی پشواز
رشک سے منہ پہ سنی کے گئی پھول بسنت　　میں نے رنگیں یہ پہنی جو رنگائی پشواز

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش　　جتنی گوئیاں کی ہے نباہ سے خوش
تیس دل میں کسی سے ملتی نہیں　　ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو آئے مرے گھر میں تو مجھے جانے لوٹ　　جاؤں گھر اُسکے تو مجھسے کرے وہ پان دریغ
دل کی میں نے دی تھی محبت کہ اُس سے اتنا　　نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان دریغ
آج رنگیں کو بلاتی ہوں میں اور گھر میں مرے　　کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دریغ

مجھکو اس بات کا نہیں ہو کا　　بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب مہرے دوگانا کو مراد ہیاں ہے کیا خاک　　انسان کی انا اسے پہچان ہی کیا خاک

کنگھی میں کپی تیل کی انا انڈیل ڈال
سوکھے ہیں بال سر میں مرے آگے تیل ڈال

یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب
بندی کو یوں تو چاہیے تو کولہو میں پیل ڈال

شوق مجھ کو کھوج منی کو جو ہے اس بات سے کم
بولتی مجھ سے دوگانا ہے بہت رات سے کم

مان کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ دوا
گات میری بھی دوناخی کی نہیں گات سے کم

بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام
اور میں آگاہ ہوں اس حرف و حکایات سے کم

کوئی پیس کر خوب سی لال مرچیں
تے دونوں دیدوں میں بھر جائیے آنول

گر کہے گی مجھے کچھ منھ پھوڑ کر باجی تو پھر
ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی اچھی چوڑیاں

اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بارہا
پہنیاں رنگ رنگ کی ہیں کتنی ہی بھاری چوڑیاں

شفتلین یوں چڑھ ہیں نظروں میں تمہاری گیاں
اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہے لول پڑا خاک چاٹ کر
گوئیاں کیطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوئیں

ہیں حسرتیں بھری مری رگ رگ میں کوٹ کر
رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کا گھونٹ
تجھ پر کہیں بجلی پڑے درگاہ کی گوئیاں

ہے دل میں یہ ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے
خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میری
کھنچی اس سے بھلا کب تک رہوں میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر بچی اس سے بھلا کب تک بہلتی ہیں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہارو چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤں نگری سے مرجاؤں سارے لگے تمکو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دھمک سے ہے بجتی گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے مغز کے بس اڑا دو نہ کیڑے سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں اُتری ڈولی سے بیر و دہنی تمنے پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرد یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو سخت بے رحم ہے تو اوہی مر یجان گئی
بولے وہ آوگے کب پیچھے تب آنسے کہا بندی ہرگز نہیں بتا کہیں مہمان گئی
ٹیس پیٹر و میں اٹھی اوہی مر یجان گئی مت ستا مجھکو دوگانا تیرے قربان گئی
تجھے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی تھا ہاتھ ملتی ہوں بری بات کو کیوں مان گئی
ڈہر لگتی ہے مجھے تیری یہ چنچل بازی یاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
[illegible] کچھ تو گھبرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے تو ابھی روح نکل جاتی ہے
کھو چڑا جاسے مری آنکھوں کا نیند کیوں ان کو نہیں آتی ہے

آج دوگانے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے میری کڑکالی ابھی گود بھری جاتی ہے

بیری چھوچھو کی جی کوئی ٹر ہا دے پشواز — بوجھ سے اسکے ننھی وہ مری جاتی ہے
سامنے سسری کوکا کے پرے ہٹ دائی — تیری صورت سے وہ ڈر پوک ڈری جاتی ہے
میری پروا انہیں نگیں کو اری آناجان — اُسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدھارے گا سنا ہی ہے نے — جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی لوٹھے سے مجھے دوں گی بیاہ — لائے گر اُس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسا ہے اک اُسکی ناک پر — جتنی بڑی دا مری انگلی کی پور ہے
شاید کہ ہو گیا ترا میٹھا برس شروع — کوکا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی — باجی مجھے اوڑھا دو جھاجھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے جو خوش — اور آپ اوڑھ بیٹھیں سلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا — آنا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں — سر پر ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑ لو — کو لے تلک جو سرسے مری ڈھلکی اوڑھنی
بھاری بہت منگا دے کہ سر پر اگا دو نہیں — سر پر مرے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا ہے مجھے زنگیں کے دام میں ناحق — کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی — اتنا اتراتی ہے جوبن پر دا کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے — سنہ چڑھاتا ہے مرا انشا جیا کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر والا نکلا آج — کیوں نہ پھروں میں اپنی گلی وچڑالا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی وہ زاری تکر — تیرے صدقے ہوکے مرجاؤں میں جی بھاری نکر

ہر مہینے میں کرٹھاتے تھے مجھے بھول گئے دن — بارے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو — تو میرے اور تیرے دوگانا وہ بات ہو

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے — اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھسے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتاً درج کرتا ہوں۔

سمند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے — زمیں سونگھے گا آگے چلکے اک گنجان جھاڑی ہے
حرم سے شیخ نکلے ہیں خطر عرسوں کی صدا دیتے — مگر نظریں حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں داڑھی ہے
نگوڑے عاشقوں کا آج سر کاٹینگے وہ شاید — اپن آبادی میں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلھاڑی ہے
وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں کوئے نازنیں آکر — محلے والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

لو وہ آتی ہیں ہوا آن کی بھڑکائی ہوئی — ہائے دنیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

لے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیما کے لیے — میری جوتی سے جو دہ پھرتی ہو گدرائی ہوئی

لے ذرا اچلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر — رکھی رہجائینگی یہ اٹرہی جو رسوائی ہوئی

دولھا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو — باجی آج آیا ہیں کچھ جھکی سی شرمائی ہوئی

شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایک دن — یہ تو بتلادو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بنئے کہیں منہا بیٹھے ہیں — جدھر دیکھو اُدھر تمہارے طالب بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر پچھتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور رندانہ مضامین سے لوتی کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں ان کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہرچند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جائے گی مگر مطائبات ریاض

محرومی بیسری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہوگی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بد اخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھ پر فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا۔ البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وھو ہذا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا
مے چرانے میں ہمیں ہے یدِ طولیٰ کیسا — ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا
جائیے جائیے ہم حشر میں ملنے کے نہیں — آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا
قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید — مے فروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا
جب یہ ملجائیں کلیجے سے لگا لے ان کو — اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا
شوق سے میں نے رہِ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ — کوہکن ہو تو ہوں میں کوئی مزدور نہ تھا
صدقے صبحِ وصل کے شکوا مرا جاتا رہا — اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا
دستِ شفقت اسطرح اک رند نے پھیرا ریاض — بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومنا جاتا رہا
یہاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ — ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا
یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہیگا وہ جو ہونا ہے — ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا
چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا
مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا — جب جام دیکھے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا
یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش — سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا
چُن چُن کے آج شیخ نے انگور کھا لیے — اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

میرے گھر شل تبرک کے یہ ساماں نکلا — آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی — قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا — مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے پہونچتے ہیں گلرخوں میں ریاض — کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب — بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے لے ریاض — اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا — ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ — کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں — کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

اے ریاض آپ بھی پیتے ہیں باس ریش سفید — ہائے یہ نور کی مشعل اور سیہ کاروں میں

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں — ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

اٹھواؤ میز سے سبو ساغر ریاض جلد — آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر — یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدے میں کہا — کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی — وہ سر پہ لئے حوض کوثر نہ نکلے

اہل حرم میں جاکے بنا آج شیخ وقت — کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض — ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں تنہا لیٹیں — سوتے میں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

خم مسجد میں مئے ناب بھر جا رکھیں — ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے اٹھنے والے

واعظ انگور میں ہے دختر رز رو بہ نقاب — آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے کھلتی ہے چھپی بوتل — ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آیا ہے

عادت وہ بری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی — پی مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

شیخ صاحب برائیاں مے کی — اور جو کوئی چپت کی آ جائے

کاتب اعمال سے نکلے کام کے : — مل گئے دو دو شریک الزام کے

پاس آداب بزرگی ہے باپیش جنوں — جب چلے تا صبح جھکے ہم بندگی کے واسطے

اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی — گرہ میں دام نہ ہونگے ادھار لی ہو گی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے — ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

بانس پر میکدہ میں تجھکو چڑھایا اے شیخ — پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے — ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض — کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی — میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرف زا

نازش - تخلص تھا جناب منشی محمد حسین صاحب نازش بدایونی کا - ابتدائے شباب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش - کچھ ضرورت زمانہ کچھ امرا کے خوش کرنے کے لئے ظرافت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے - اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے - اب ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے - مگر متین اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پر گو شاعر ہیں لیاقت اردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کافی ہے - نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے - حتی کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں - اور اب بھی یہ مشغلہ جاری ہے - آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں - ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا - اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا - مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے - اور رنگینی بھی - قوت واہمہ زیادہ ہے حتی کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں - اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے دہلی میں زیادہ تر قیام رہا - اب عرصے سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر کبھی جب جی چاہتا ہے بریلی سلطان پور - دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پرستار ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں - مجھسے عرصے سے ملاقات ہے - مگر مجھ ہی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں - اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے - کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام دینے پر راضی نہ ہوسکے - آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری

جوایک وقت میں ان کے حریف ظریف رہے ہیں تھوڑا سا کلام مل گیا۔ جو درج کرتا ہوں۔ نازش کی عمر اسوقت تخمیناً پچاس برس کی ہو گی۔ مگر طبیعت میں جوانی کی شوخی اور دل میں اوائل شباب کی امنگیں باقی ہیں۔ تاہل اور خانہ داری کے مخمصوں سے بالکل آزاد تنہا گوشہ عافیت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مٹی ہے سوزن ظلمت سے لیلیٰ شب نے
ازار صبح کی میانی اُدھڑ گئی ہو گی

رقیب ناچے گا لکڑی کے بل سر محفل
جو اُن کے دست مبارک پڑے گرانڈ گئی ہو گی

سنڈاس کی بدبو کا فغاں میں اثر آئے
نالوں میں مرے نکہت گو رشتر آئے

وہ مجھسے یہ کہتے ہیں کہ کیوں میرے گھر آئے
جوتہ سے خبر لوں گا جو اب کے ادھر آئے

بھنگن پہ طبیعت کبھی دھوبن پہ طبیعت
اے حضرت دل آپکے دشمن کدھر آئے

گرگٹ کو جو یاروں نے بڑے غور سے دیکھا
نیرنگی عالم کے کرشمے نظر آئے

دکان دل عاشق صراف پہ کل وہ
دینے کے لئے مرہم داغ جگر آئے

بسکٹ نہ سہی نان خطائی ہی دکھلا دے
مدت میں ترے عاشق خستہ جگر آئے

وہ مانگتے ہیں زاغ کے آنے کی دعائیں
اڑتا ہوا اللہ کا مارا ادھر آئے

لاش پر سادہ مزاجوں نے ملا کا فور ہے
زاغ بگلا بن گیا ہیت پہ میری نور ہے

پاک نیت سے رخ روشن کا نظارہ کرو
غیر کو بھیا بنالو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در حسن پہ کیوں ڈاٹ لگائیں صاحب
واہ اچھی کہی یہ کام ہے معماروں کا

ضبط ہو جائگی شمشیر ادا تیغ نظر
آپ لیسنس نہ رکھینگے جو ہتھیاروں کا

حسن کے یہ بات کہ ہے انکی سواری گدہا
چرخ چارم پہ دماغ آج ہے کمہاروں کا

میرٹھی مُلّا سے یہ پوچھے کوئی　　　کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زاؔلی ۔ دکن کے ایک مشہور ہزال تھے ۔ میر غلام حسین افسق برہانپوری انھیں کے شاگرد تھے ۔ گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے ۔ کلام باوجود تلاش بھی دستیاب ہو سکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں ۔ مجبوراً خاموش ہوتا ہوں ۔

زبیٹرؔ ۔ سید باقر حسین نام ہے ۔ سُنا ہے کہ مشاک گنج لکھنؤ میں قیام ہے ۔ نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی ۔ مگر سنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا ۔ زیادہ حالات معلوم نہیں ۔

ہے جگر بے رحم کے سینۂ سنگین دل کے پاس　　　سنگ خارا کی ہو یا رکھی ہوئی سِل سِل کے پاس
پالنے پائے ہیں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم　　　پھینکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس
ناک کے پہلو میں مستہ گال پر ہے یار کے　　　اک پہاڑی پر جو رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس
کیا بتائیں ہم ستم گر کس کس جگہ ہیں جا گزیں　　　دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس
پوری جھکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق　　　آگیا بیتال ہے گویا چہ بابل کے پاس
گر طلسم اختلاج قلب مانگا بولے وہ　　　یہ سلیپر میری لٹکا لے تو اپنے دل کے پاس
ہے جبین پُر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک　　　یا کھرل کا رکھ دیا نیچے نے بٹہ سل کے پاس
پھرتا ہے اسوقت زبیٹر اُس کے رخ کے اردگرد　　　گھومتا ہے یا چکور اسلام مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دستِ نازک کی ہوا کھائی تھی　　　گردہ گاہ شیخ جی مست کشتی تائی نہ تھی
بے سبب کس واسطے پھسلا مرا پائے نظر　　　سبزۂ خط عارضِ جانانہ پر کائی نہ تھی

کون کہتا ہے کہ غالب کی نہ سیری قبر میں   کاؤ کاؤ سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہوئے ختن میں   یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں کجلی بن میں

زیرک - گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لیے نمونتاً لکھے جاتے ہیں۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب   ادب و شرم و حیا غیرت از ایشاں مطلب

ہمہ حمامی و دلاک بود اعلا لش   مابقی دلہ و سادہ دگر ارباب طرب

در حسب نامۂ شاں از ہمہ خلق عجب   در نجابت بعزازیل رسانند نسب

کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را   در جہاں چوں صفت رند بروان اطلب

یک ازیں قوم ندیدہ است و نہ بیند کشمیر   بر نگردد چو ز سوراخ برآید عقرب

بے یک حبہ دوانند شتابان بہ دمشق   نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا بہ حلب

بے سبب نیست اگر دوستی اظہار کنند   بعداوت چو در آیند بجوئید سبب

در محبت چو ذباب و بمروت زنبور   بسخاوت چو غراب و بشجاعت ارنب

جز و نقلے کہ کند خامۂ آنہا تحریر   ہرج و سالم آنرا ہمہ بینی اخرب

گر کشند از تن زارت چو سپش با خون جگر   ور برند از کف تایاں بعبیدہ عجب

کفش و پاجامہ نماند بہ یکے از عجمے | لنگ و عمامہ تمامی برد از اہل عرب
تا نمی زادزد نیائے دلی کشمیری | کاش ایں قحبہ ستروں بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزیں نام و خطابش آمد | در سخن یافتے ریں جز و زماں تا منصب
بیحیا آب نہ در چشم و نہ بر رو دارد | خاک وساخت مخمر زپے خجلت رب
قلتباں چوں نہ دہد طاق عروساں ساماں | میہماں جفتہ زنانند بجو البش ہر شب
ہمچو پیکاں نہ دلش غیر دل آزاری نیست | چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانہ اش نے بہ فلک ہست نہ بروئے زمیں | سر بسر خانہ بر انداز چو راس و ذنب
ساکن دیر شدہ و زائر بتخانۂ ہند | غور کن بودن او را بہ بنارس چہ سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت | کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنہ ہا زاد بہ ایران ز وجودت شاید | مادرت ام خبائث شد و چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن | رہ سوراخ نہ دید است و ذنب عقرب
حرف بد جز بہ زبان و لب بد کے آید | بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چہ عجب
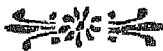
حرف سین

سب رنگ - قاضی عبدالمغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے۔ ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے۔ چند شعر مل سکے یہ ہیں۔

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی
لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی

اسی سے تو نے مرے دل میں پھیر دی جھاڑو
تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی

اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن
ابھی تک آپ کو عادت ہے سر کھجانے کی

وہ زندگی میں چرالے گئے تھے دل میرا
اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی

سنا ہے میں نے تمہیں اب وہ کاٹ کھاتے ہیں
یہی سزا ہے رقیبوں کے منہ لگانے کی

سنا ہے پیٹا ہیں آج اُن کے در داٹھا کر
سزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور و معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریفانہ اخبار اودھ پنچ سابق ۱۸۷۷ء سے ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا۔ منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ منشی صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کرکے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے میں تعلیم پائی۔ مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہوگیا۔ اسی لئے امتحان میں شریک نہ

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ ترbھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابوالکلام مولانا اسید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیاری دنیا میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اُردو میں کیا۔ جسکا نام طلسمی فانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی ۔

چھپے ہیں قہقہے جو شوخیاں ہیں ہر طرف ہے جو ہر سوئی المثل فرخندگی خندگی

سال تاریخش جو ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت شیخ چلی آ گئے دنیا میں با سنجیدگی

۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے ۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم تن زار گھسکر ٹھٹھرا ہوا ہے

یار دل کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہو گیا کیا امتحان عشق میں ہیں فیل ہو گیا

تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا اپنے تو حق میں عشق امر بیل ہو گیا

اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں جانی تمھارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا

دیوانی فوجداری سے جھگڑے ہیں عشق کے بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں رسن دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا

پہونچا جب ان کے گانوں میں دو روز نالکے منھ کھولے غم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

نالہ یوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا ساتھ سائیس کو لے گھوڑے کو فریاد کیا

بغلول کے مختار نامہ عام کا ایک شعر

سپردم بتو ہائیں مایہ خویش را وہ جانیں حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ۔

عزیزو حق تعالیٰ کبریا ہے شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گڈھا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں ۔

ہوے بچکے ہم جو رسوا اٹھے کیوں نہ درگزر کیا　　　وہیں پہ تھے مثل ہینڈک ہیں غائیں غائیں کرتے

سخی۔ تخلص سید پرورش علی نام۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے۔ رند مشرب۔ آزاد مزاج۔ یار باش خوش خلق۔ پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے۔ بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ بھاکا میں الو تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی۔ ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوے اور پینسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بوسہ للہ سخی مانگتا ہے　　　ایک دیجیے گا تو دس پائیے گا
اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو　　　گالیاں دیں سر بازار یہ کیا
کہاں دل کو گھر بے محل جائیگا　　　اجی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا
مرے دل میں آئینے یہ فائدہ ہے　　　ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا
شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام　　　انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا
سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں　　　میرے دیوار کا خدا حافظ
ایک ہیں جس کا نامہ اعمال　　　دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں
تو یہ ہے شیخ جی برا نہ کہو　　　دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہو
دل کھلو : نہیں جو کہتے ہو　　　ہم یوں لیں گے ہم یوں لینگے

سحر مولوی۔ اودہ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ ہے صنعت معرا عن المعنی میں کہی گئی ہے۔

طباشیر سحر عکس بیاض روے جاناں ہے　　　چمک خورشید عالمتاب کی تنویر خوباں ہے
الجھتی زلف خلی فام ہے شبدیز مجنوں پر　　　کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

نحافت میری پردہ ہے کسی انداز رعنا کی	کہ مجھکو خواہش بے تغافل کیش ہر آن ہے
زبونی کش ہوا میں کب ستم ہائے نہانی کا	مرا دل بھی گذر گاہ تجلی ہائے جاناں ہے
نہ منت کش تیغ ادائے یار عاشق کو	کہ ہر اک خستہ دل پروردہ آغوش ارماں ہے
تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے	کہ وقف سادگی ہائے دل بیتاب خوباں ہے
نہیں ہے رابطہ الفت کسی جز وحسیناں سے	کہ ہر اک بات میں اک راز اک انداز پنہاں ہے
میں احساں کش ہوں کیونکہ تیرے لطف نہانی کا	غم آوارگیہائے صبا مجھکو فراواں ہے
وفا سے حسرت رنگیں بیاں کب باز آتا ہے	تعجب کیا سحر گہ خواب چشم نکتہ سنجاں ہے

سرشار شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں۔ سید منصب علی صاحب ہنر تلمذ ہے۔ افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اُسی کی مدح میں شعر فرماتے ہیں۔ اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہوگی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں۔

افیون لے کے کھائیں جو نیشکر کی ریوڑیاں	کیا لکھیوں کے ٹھٹھے ہیں مجھ ناتوان پہ
ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا بیش قیمت ہیں	ادھر کٹیلا ہے کولوں کا ادھر ڈبیا ہے افیون کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ سیر کہسار۔ جام سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بیجناتھ تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظریف تھے۔ مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں سادہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کہنا بھی مشکل ہیں۔

اول اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ نثار ظریف کی قابلیت اسے پیدا ہوگئی۔ مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علیحدہ ہوگئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کرلی۔ چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔ مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشتاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو طبیعت ہو گئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں، تو کچھ رسم و رواج کے نقشے کھینچ کر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اُن میں فقرات کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان بن لند ہور کی داستان خیال کر لیتی ہے۔ رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزین اور مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی پیرا دل اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنھیں سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت ہر جگہ دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک صحیح ظرافت کہ ایک ایک فقرہ کا جواب ہے۔

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری —
راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں ناشناسان ظاہر بیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا۔ ذہن نقاد۔ ذوق سلیم۔ اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے۔ اڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پا کر ۱۹۰۲ء میں بمقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظریفانہ کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کرکے لکھتا ہوں۔

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے — اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
داتا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوشرنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور — لیڈی وائن جیسے پیتے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو بنائیں خوب الو

فتوی کا شیخ کا کون مانے | لاکھوں میں پیے کھلے خزانے
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند | رندوں کی گرہ میں باندھ لے بند
لے منہ سے لگا لے جام بادہ | اک بوند ہی پی لی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ | کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چشم | با ناز و کرشمہ و خشم و چشم
بجر خوں ز پاے تا فرق | ہنستی کہتی ہوئی انا البرق
کھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی | ابھرا سینہ کچوری چولی
پازیب کو خوب چھم چھماتی | پیاری پیاری چھبیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان | جو کچھ کہوں مان لو میں قربان
پی لو یہ شراب پرتگالی | اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی
گورے ہاتھوں سے بی علی جان | میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان
اس پان کو لے کے آپ کھا دیں | بیٹھے بیٹھے مزے اڑا دیں
ادھرم ہو دھرم ہو پن ہو یا پاپ | جو کچھ کہے سب وہ کیجیے آپ
اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن | تسلیم جناب قبلۂ من
لڑکے شکلام پہ دھرم ہو | شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو
کھٹکن نہیں ہے دھرم کو کھٹکا | سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا
یارو دنیائے دوں ہے کس کی | میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی
جنٹل مینوں کو دے تو دسکی | کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن عیان بے خبر کو شرمانا چاہیے جو خواہ مخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی   وے پپیہ چھکڑہ دو بردی
اے کاگ جہنڈ دلیو نہیڈ   وے برق جہنڈہ بریگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی   وے رو کش ٹانگن پہاڑی
اے درتنگ دیو برنگ دلدل   وے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیز گام ملک ایران   وے برش خنجر صفاہان
اے جوشش ابال گرم ہانڈی   وے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت قبچاق   وے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانۂ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانۂ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور شرفہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھولے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت سرا کی دل خوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مشک رنگ شب فام   دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی   ٹپکا منہ میں افیم ساقی
چینیا بیگم کا عاشق زار   یعنی خواجہ (خوجی) بدیع بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی   رہجائے یہ آرزو نہ باقی
ساقی قدح افیم دیدے   اور اُس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھ جائیں   اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کہنے بیٹھوں اشعار   پینک کا ہو دیو مجھپہ اسوار

جو ٹپکے مرے منھ میں افیون ناب — تو کم ہو ذرا جوشش اضطراب

سخیاں ز افیون پہ میخورند — سخیاں نبات و شکر می خورند

نگہدار مارا ز راہ خطا — خطا در گذار و افیم عطا

نداریم غیر از تو فریاد رس — بدہ جام افیوں باقی ہوس

خراب و سیہ مست و تر دامنم — بدہ ادہیم ادہیم ادہیم

بدیعا بس اب روک اپنی زباں — دم صبح ہوتا ہے پینک کا دھیان

ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوجی ایک ڈاکٹر سے خفا ہیں تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم شکر کر شکر کر — قرولی سے خالی ہے میری کمر

قرولی جو پاس ہوتا اگر — تو کچ کر کے میں بھونک دیتا جگر

جو پینک میں ہوتا نہیں بے خبر — تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر

دو چار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوجی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی ہے نہ خواہاں ہیں کھیر کے — چسکے پڑے ہوئے ترتی مٹھی نظر کئے ہیں

کٹھیاں وہ کھا کے رات کو تڑ سے نکل گئے — افسوس مفلسی میں مرے دو ڈبل گئے

رحم اے یار کرو گو ہیں گنہ گار نہیں — ہم بھی اے غیرت شیریں ہیں وفادار نہیں

کیا تری گول پیالی کا کروں نظارہ — سیر کس واسطے جل کرتے ہیں نظار نہیں

میرے حلوا ہے کو تکتا ہے عجب ہو ہشیار — ڈالو شکر پہ تری الگ تھلگ یار نہیں

ہیں یہ باتیں جو کے گل کے یہ شیر ہی ہے — قند گھل جائے شکر تو ریت کہا نہیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی مہنگی اُکی　　جا بجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں
کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد　　بڑے لولی کے ہے شکر تری دیواروں میں
عرق آلودہ وہ ابرو ہیں مزا ہے اے دل　　ہے عوض آپکے شربت انہیں تلواروں میں
لب شیریں کی ترے یوسف مصری کی طرح　　دھوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں
کیوں نہ باتوں میں حلاوت ہی حلاوت ہو پید　　صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحاں کو بہ کاری میں رہو ثابت قدم　　جو تیاں جسدن لگا کر چاہے جاناں دیکھ لے

افیون کی کم میں یاں سے نکلے　　تو قیر و گناہ دیکھئے گا
مزار کی اپنے انیسم کا رنگ　　سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک نہ دل کی بے کلی جاسے　　او دائرے والے گت چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا　　نشۂ افیوں کا چڑھا ہے یہ عمارت میری
کیوں نہ ستر کساں سے ہے گرد ہر اک افیونی　　ڈھیر گنڈوں کا زمیں پر ہے کثرت میری
کہتا ہے خوانچہ فرنی کا کرنڈے کا طباق　　ورق نقرہ سے کرے کوئی زینت میری
لوٹ سکتا نہیں افسوس تھا سا مجھسے　　ٹھہر گئی کھا کے مٹھائی یہ نزاکت میری
میں یہ سمجھا جنتی دیکھ کے حلوا سوہن　　جلوہ دکھلاتی ہے شاید شب وصلت میری

مصری کی لغیا چلکے صنم نے بیجے انیم　　ہے جابجا لطف کہت ہاں نیشکر کے بیس

سرپٹ - محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بدایونی سے اصلاح لیتے ہیں۔ ثقہ ظریف (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجموعہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس شان سے اس شوخ کو اکثر دیکھا
ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا

بھونکتے کاٹتے اب تک نہیں دیکھا لیکن
موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا

آج تک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا
ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا

کس طرف یار کو اب ڈھونڈنے جاؤں سرپٹ
ہم پولیس میں بھی گئی روز برابر دیکھا

خط لکھ کے کیا کرے کوئی اُنکی جناب میں
لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں

ہر دن کی باندھ بوندھ سے واعظ نجات ہو
ہڑتال آپ کیوں نہ ملا لیں خضاب میں

وہ اس طرح تو عارض روشن دکھا چکے
ہاں جس لئے تو آگ لگا دوں نقاب میں

یہ کالے کالے تل رخِ پُرنور پر نہیں
کچھ مکھیاں بھنکتی ہیں چٹنی کی قاب میں

پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں رہے
اب بھیک مانگتے ہیں وہ جام شراب میں

آئندہ بیل سے بھی بڑھیا نہ ہوں کیا عجب
بچھڑے سے کم نہیں ہیں وہ عہد شباب میں

تڑپتا ہے دل وحشی مرا یوں انکی فرقت میں
کہ جیسے بانگھا کھپنے کوئی نیستاں میں

تجھے سچ مچ کا یوسف کیوں نہ کردوں یوسف ثانی
گرا دوں آج لیجا کر کسی سقے کی کوئیاں میں

کوئی تنبیہ حل بارہی لکھتے تو ہم کہتے
چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی گلستاں میں

منڈھے تک ایک ہفتہ میں جو مسرود مرتبہ اپنا
اب ان سے کیا کہوں دل ہو گیا رہتا ہے افیاں میں

وہ اپنے چھوٹے بھیا کو کبھی اپنے ساتھ لاتے ہیں
گئے ہیں صبح دو آنے میں لہرا اور اٹھنیاں میں

تری یاد اس طرح آتی ہے دل میں اے مسیحا دم
کہ جیسے ٹڈے اکثر صبح کو آتا ہے زنداں میں

دو دن سے ہمکا دیکھ کے وہ پڑبڑاے لاگ — چلاسے دیب تنکو جو چھیڑ لو بجا رہاں

چلاے دیتے ہیں تھوڑا سا

دوئی دانت گھس گے نکسا ہوے باپ — دانتن سے ایسے چو رہاں کاٹس پیاریاں سا

نکلا — زور کاٹا

مارے ڈرن کے بھاگ گیو لیکے اپنی جان — دیکھوں لہو بھرا جو میں اسکی کٹا رہاں

کرمن سے جہر کا ڈیل ملا ہے ہاڑ سا — وہ یار چھپ سکت ہے بھلا کب بچا رہاں

بھیتر اندھیری کٹھری مال ہمکا لٹایکے — گھنٹن سے لاگ ہے سر میں سنگار ہاں

سرکو پتارا ٹوٹا کرت ہے سکار تک — موتی پروتا ہے جو وہ مٹے کے بار ہاں

صبح — سر کے بال ہیں

سعدی - آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا - مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا - بہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہوے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے - بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی - آپ کی تعریف - اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ کے کما حقہٗ واقف ہے - آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے - اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی - کہ حضرت نے خود فرمایا ہے - کہ مجھے بعض ابنا ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو - مگر میں نے انکار کیا - یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہوگئے - تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے - اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے - کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں ہیں -

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجۂ فحش تک پہونچ گئی ہیں - مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں ممتنع الجواب ہیں - بہت سی ظرافت ایسی ہے جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں - بہت سی جگہ الفاظ تین ہیں مگر ایک ایک لفظ میں نشو ونما زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوار قہقہہ کا جواب ہے - میں کوشش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کرکے لکھدوں - ملاحظہ فرمائیے -

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے نوکر اور غلام کے لئے یہ قید لگادی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن　　　بود بندۂ نازنیں مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا - گھبرائے ہوئے اُٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا - وہ بگڑ گیا - اور چراغ بجھنا سخت بُرا معلوم ہوا - کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا - آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا -

چوں گرانے بہ پیش شمع آید　　　خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیریں لب　　　آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دل پر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اُسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال - یعنی بجھا دے -

لطیفہ - ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہوگیا - اور نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلدیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا - مگر کیا کرتے مجبور ہوگئے مدتہا کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا - مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نرہا تھا ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے مبتدل ہوگیا تھا - اب وہ بخرے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہوگئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس بھی ملنے کے لئے آیا۔ یا دلِ ناخواستہ یہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آنروز کہ خط شاہدِ ت بود | صاحب نظر از نظر براندمی
امروز بیامدی بہ صلحش | کش فحش و فحمہ بر نشاندمی

تازہ بہار تو کنوں زرد شد | دیگ منہ کآتش افسرد شد
چند خرامی و تکبر کنی | دولت پارینہ تصور کنی
پیش کسے رو کہ خریدار تست | ناز بر آن کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ نوخیز پر آوازہ کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است | داند آنکس کہ ایں سخن گوید
یعنی از روئے نیکواں خط سبز | دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گندنا زارے ست | بسکہ بر میکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجاں داشتمی ہمچو تو بر ریش | نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی چاند کو بھوسنے چھیٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا | چہ شد کہ مورچہ بر گرد ماہ جوشیدست

ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرد آنگہ کہ خوب و شیریں است | تلخ گفتار و تند خوے بود
چوں بریش آمد و بلاغت شد | مردم آمیز و مہر جوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن سے نوجوان بیویاں خوش

نہیں رہ سکتیں ۔

پیرے کہ ز جائے خویش نتواند خاست　　الا بعصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی ۔ مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے ۔ آخرکار دونوں میں جنگ ہوئی ۔ اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا ۔ عورت نے علیحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی ۔ بڈھے نے سرعدالت عورت کی بڑی مذمت کی ۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کردیا ۔ پوری حکایت ہے ۔

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے　　خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت
بخواست دخترکے خوبروئے گوہر نام　　چو درج گوہرش از چشم مردمان بنہفت
چنانکہ رسم عروسی بود تماشا کرد　　ولے بحملۂ اول عصائے شیخ بخفت
کمان کشید و نزد بر ہدف کہ نتوان دوخت　　مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت
بہ دوستان گلہ آغاز کرد و حجت ساخت　　کہ خان و مان من این شوخ دیدہ پاک برفت
میان شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چنانکہ　　کہ سر بہ شحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست　　ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں ۔ مگر ہزلیات جو از سرتاپا شوخی اور ظرافت سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں ۔ اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہوگیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں ۔

آں شیفتہ را چو باد در برق افتاد　　آن گنبد سیم رنگ در داد بباد
از بہر منارہ زاویہ وقف نکرد　　ہمسایہ بہ خدائے کس را مدہاد
آں عہد بیاد داری و دولت داد　　کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز گریختی کہ کس چوں تو نبود ——— دامروز بیامدی کہ کس چوں تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر دیر می آید ——— موئے زنخت بزیر بر می آید
با اینہمہ چوں ... ن تو می آرم یاد ——— آیم بہ دہاں ..... بر می آید

مردکے غرقہ بود در جیحوں ——— از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد وزار مینالید ——— کاسے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ——— ببری رونقِ مسلمانی

خدایں حافظانِ ناخوش آواز ——— بیا مرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو در دشت کس نمی گنجد ——— کہ دیر شد کہ ندیداست ایں دو الفید
ترا دوات سیہ کرد روزگار ہنوز ——— مراز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور ——— بوقت عمر پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ تو بہ کہ دم دو دیگر گنہ نخواہم کرد ——— تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دلا گر صومعہ داری کند اندر ملکوت ——— ہمچو ابلیس ہماں طینت ماضی دارد
ناکس است آنکہ بہ اعمہ و دستار کس است ——— دزد دزد است اگر جامہ قاضی دارد

امردے کانرا پلاسے در براست | خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد | چوں بازکنی مادر مادر باشد

زر با مردکے دہ بہ گزاف | کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم | چہ خوش باشند ہم زانو وہمدم
ہرانچہ آنرا بود ایں را مہیا | ہرانچہ ایں را بود آنرا مسلم
رفیق و حجرہ و گرمابہ و کوے | بصحرا باہم و در خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف | دگربار ایں موخر آں مقدم
گر ایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر | نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من ایں پاکیزہ رویاں دوستدارم | اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروسان مقنع بے شمارند | عروسے را بدست آور معمم
کہ گر بیروں کنی شلوارش از پاے | تو پنداری کہ خروارے ست شلغم
حجاب نام و ننگ از پیش بردار | کہ محرم ل نہ پوشاند ز محرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار | ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں میخ است دیوار | حدیث دشمناں بادست و پرچم
ہر آں کز پشت آدم زاد ناچار | رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز | رہ این است اے برادر تا جہنم

ندیدم امردے سی سالہ چوں تو در اسلام | کہ فتنہاے چنیں آخر الزماں باشد

اگر دوست تو یک ہفتہ بقفا بندد ہفتہ دگرت ریش تا میان باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی جز جلق زدن کار دگر نگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع تا خایہ فرد بری سر شش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست راست مانند اسپ شطرنج است

سگ - ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظرفا
کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔
ایک مرتبہ عیسی خاں قورچی باشی اس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے
تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا
تھا۔ عیسی خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی
باشی ہے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظرافانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف
ایک شعر سادہ ملا

سحر آمدم بہ کویت بہ شکار رفتہ بودی تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کیے گئے ہیں مگر اکثر ان میں سے
غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش
مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک مترجم اور مؤقر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنج لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا۔ آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے۔ اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر پلاؤ سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم چھپکے چاول کا دریا ہو کر — عکس خورشید نظر آئے کلیجا ہو کر
اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر — انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر
شوربا قاب میں بہتا ہے جو دریا ہو کر — حلق لپکا کے کیوں نہ کشادہ ہو کر
لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر — سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر
اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی — چاہے نسخہ میں لکھی جائے بنفشا ہو کر
کونسے خواب میں بھی جو تو ہمیں کھلا لے — توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر
عقد بریانی کا جب وقت مزعفر سے ہوا — کٹ گئے مفت وہاں شیخ چھوہارا ہو کر
فرقت قاب میں کی میں نے اتنی زاری — کھل گئی ریش بچارے کی بتاشا ہو کر
نوع اجناس کو حاصل ہوا پھوکا بچا — پہلو دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر
اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں مرغ — قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر
ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور — چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر
خشک سالی میں نہ کہو سوختہ امید پلاؤ — پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی۔ عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرہ کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ فرائض نوکری سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب۔ خندہ پیشانی۔ زندہ دل لوگوں میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۱ھ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدستا تھے مگر زندہ دلی اور آن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے - مرزا مہر اکبر آبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخرکار سنہ ۱۹۰۸ء میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا - دیوان مرتب ہو چکا تھا - مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا - جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں -

واہ وا رے ملک الموت تری باریکی	گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر
معشوق بچہ زادے سے نفلی خدا بچائے	کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھ کر
میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلئے	اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں
بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں	نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب لگے ہار میں
انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں	منعم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں
اے گل ترے فراق میں کتنا ساہو گیا	مجھسے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں
عروضی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھہرے	وہابی جسطرح سے عیب جو سادلیا ٹھہرے
کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت واعظ	بڑی داڑھی بڑھا کر یہ تمے الٹا ریا ٹھہرے
نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منھ	کہ چکلے پر نہ بیلین اور نہ چو لھے پر توا ٹھہرے
کریں اشراف کیا فرمائیے اس قحط سالی میں	نہیں لتا بدن پر اور پاپند قبا ٹھہرے
چڑھاؤ گل ہمیشہ مرقد پہ اے گل اندامو	یہ اپنے گل گلے لیجاؤ زین خاں کے لئے
بتاؤ مجھکو بھنگیڑ و کدھر گئے میکش	بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کار واں کے لئے
آیا صاحب کے میم کے مس کے	دل اٹھا دل میں ناز کس کس کے

سودا - یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شیوا بیانی کی چار دانگ عالم میں دھوم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجویں مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام جل رہا تھا۔ اُس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپید تھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم ادھر امرا اور وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھچے چلے آ رہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سر سبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سو سو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور سنہ ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ ادھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجووں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام — کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام

آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں — جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام

پس دکھا تو اپ کسیکی ہجو میں — ہو اگر ختم رسالت کا کلام

کون ہے تیری سیادت کا مقر — جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام

تیرے والد کو ہوئی تپ ایکسال — تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام

دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی — شیر خر با قرص کافور ایکدام

مول لے ایک مادہ خر پینے لگا — ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام

آخر کار اس مرض کے بھی لئے — وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر

رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

سُن ذرا تک اے نصف انساں نصف خر — ہمنے کیا سید نہیں دیکھے مگر

بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق — نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر

گھر سے اپنے کھا کے جاوے جسکے ہاں — جاتے ہی مانگے ہے اس سے ماحضر

عقل کہتی ہے کہ کھالے پر نہ کھا — حمق کہتا ہے کہ جیفے سے نہ ڈر

سیدِ لے میر مثلث آپ کو — کہنا آتا ہو سکے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر

رحم مادر سے اُلٹا نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھروایا ۔۔۔ بیوجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بڈھے چوتڑ کو جب ہلایا ۔۔۔ تب شیخ سدو اسپر غصہ کو کھا کے آیا

بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی ۔۔۔ بے آج گو کہا ہی کل دو گے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا نتو نے گوری ہے نہ کالی ۔۔۔ بی بی کو اور تم کو گھر دیکھ ہے خالی

بکرا وہ دے گی تمکو جس نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی ۔۔۔ میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی ۔۔۔ گالی تو اک طرف ہی یہ سن رکھو بچا جی

آگے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہے کوڑی ۔۔۔ گر ٹکے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منہ کو دھیلے کی ہیں گنڈیری ۔۔۔ تب شیخ سدو بولا سنتا ہی لے نگوڑی

بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منہ کو میٹھا تجھکو ہمارے کرنا ۔۔۔ دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گھا سے اپنی پر نہ دیکھا پھر کیا ہمارے بھرنا ۔۔۔ بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی ہی لوں تو ارنا

تب جانے گا تو بھڑ ُے پیروں کو ہی منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے ۔

ناحق کیے ہیں شرم سے دولہا ہی سرنگوں ۔۔۔ اب کیونکہ تیل روے مقدس کو میں ملوں
شانہ کرو ملیں ریش کو بائسمہ سے رنگوں ۔۔۔ جی کی امان پاؤں تو آکیا بتاؤں کہوں

منہ کو کلنک اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے ۔۔۔ بارہ برس کی چھوکری بیاہا چاہتے لائے

آئے دو دلھن کے گھر سے جو مقنع میں چھپائے — جیسا ہمارے کنبے کو خاطر میں وہ نہ لائے

اپنے کنبے کو تیسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے لب مکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف — سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف

ان نے تراپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف — مشکیں انھوں کی جکڑ کے کہا کیجے معاف

مجھکو تو کچھ دلی نظر آتے ہیں شیخ جی

الغرض یہاں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست — مشکیں ہٹا لیے گئے جورو سے کر کے جست

بال اسکے ان کے ہاتھ پہ لپٹے انکی ایکدست — جھڑلیے بر نہ آسکے تھے از بس ضعیف و پست

پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو ہے صحبت اب مدام — بھڑوا و مسخرا و چھچھوندر رہے ان کا نام

خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو تو وہ شام — دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام

بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بڈھے خر سی وہ ہے شوخ چنچلی — ماری کبھو تو ڈھول کبھی داڑھی نوچ لی

ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی — کھلتی ہے ان کی جورو کی تو اسطرح کلی

پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے وہ کہ نہیں جرات کی ہوا — دس بیس دن جھڑی کے سے منہ نہیں کھلا

آتی ہے وہ ان کے پاس لیے تیل اور توا — کہتی ہے یہ نہ مانیے گا آپ اب برا

ہم تمکو شیخ دوند بناتے ہیں شیخ جی

جب جمعہ کو مسجد میں کے چلے ہی لٹکتی چال — آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس سدا اچھال

عمامہ سر سے پھینک کے ہو جاتے ننگے بال — تب مسکراتی ہے یہ کہتی ہے وہ چھنال

اب ہمکو اپنی چاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک دن نہ شیخ جی سے کو جورو سے جا لڑے — کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے سر چڑھے

اب بھیں ڈپٹی رکھو کہیں جو کا نہ گر پڑے ‏ ‏ ڈرتا نہیں ہے تجھ سے تو لے اکھڑے منہ کٹے

کم دن ابھی دوا سے ستاتے ہیں شیخ جی

ایسی ہے بادشاہ خدا سے بھی ڈٹے ‏ ‏ آ کر کے شیخ جی کے مصلے پہ ہگ بھرے

شانہ کو اُنکے ڈاڑھی کے بالوں میں رکھے ‏ ‏ یا رب کہ وہ چھنال شتابی سے اب مرے

ورنہ ہمارے ہاتھ سے جلتے ہیں شیخ جی

چڑ رہے ہیں شیخ سے لے شیخ تم سنو ‏ ‏ سمجھو کہ تم نے دی ہے دغا چکنے ہو ہو

میں جانتی ہوں تم کو کہ تم فیلسوف ہو ‏ ‏ سودا زیادہ کیا کہنے ہے بات تو کو مگر

جیسے ہیں ویسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے فتویٰ دیدیا کہ کوّا حلال ہے - سودا کو ظرافت کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا فوراً ایک ہجو لکھ ڈالی - اور وہ وہ ادھیاں سنائیں کہ آج تک دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں -

لشکر کے بیچ آج یہی قیل و قال ہے ‏ ‏ کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے

یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے ‏ ‏ جو فقہ دان ہیں سب کا یہ ان کا خیال ہے

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

عامی انھوں سے قول کا ہوئے ہے جو چاند خاں ‏ ‏ اور دوسرے میں کیا کہوں اک نے مہر لیا

کچھ شک نہیں ہے کوے کی حلت میں دمیاں ‏ ‏ ہے جو کوئی پوچھے تو ہم بھی کہیں ہاں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

یارو لسو ہو تم اسی دیر خراب میں ‏ ‏ بیٹھا اٹھا کرو ہو سدا شیخ بنا بیں

حلت رکھے ہے زاغ کسو بھی کتاب میں ‏ ‏ جتنی کتب ہیں فقہ کی ان کے جواب میں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

بگڑا ہے آج مجتہدوں بیچ کیا نیل ‏ ‏ ملا لطیف بولے کہ کھانا ہے جیسل

کہتا ہے چاند خاں کہ یکن نے حرام فیل ۔ حلت پہ مینڈکی کی میاںجی کی سو دلیل
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آ گیا اُسنے بھی مجبوراً ایک کُند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوئے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہے اُلّو بندے کا ۔ کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بندے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بندے کا ۔ بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بندے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بندے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں نے زر ۔ نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر
جو اور بوم ہو سو وادہ یہ لگے ہے نر ۔ جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر
کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلّو بندے کا

میں کاریگر ہوں اُتاو یکا سب ہو ظاہر ۔ جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں بیٹا کی خاطر
وہ بوم بننے میں گر نقص ہے ہو کچھ باہر ۔ تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر
عجیب شور مچاتا ہے اُلو بندے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر بالغت کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور ضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرایع کام میں لاتا ہے اور

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجو گویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزنی ۔ بابا سوزنی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھی۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے۔

اے خیرہ و بے تمیز و رندِ قی لوند و عک — بے رزق و کاخ خوار اکہ کوچہ تنک پا

گہ خوار و چوں کلاغ و سیہ پشت چوں غراب — ژولیدہ گہ چو صعوہ و چوں ماکیاں کرک

. . . .

ہر صبح باد گوز بہ پشت تو شوں تشوں — ہر شام باد ...... پلک پلک

سوز تخلص سید محمد میر نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلی میں ایک محلہ قراول پورہ میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہنچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوئے ہزار حیف — اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی پھر مرشد آباد چلے گئے جب وہاں سے پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی ۱۲۱۳ھ میں پیوند خاک ہوئے۔

درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طینت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔صفائی۔روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔اور تخییل کے مقابلہ پر بھی یہی چیز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔طبیعت میں مذاق۔اور دل میں ظرافت کا جوہر۔دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعرا ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان ادھر تھا۔وقت بیوقت مختارانہ۔یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوئے ہیں۔اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات۔اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔زبان کی سادگی۔اور انداز بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے
سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے

وہاں دیکھے کئی طفل پریرو
اِرے رے رے رے رے رے رے رے رے

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا
کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

بہلد رے عشق تیری شوکت شان
بھائی میرے تو اڑ گئے اوسان

گیا اک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ
لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

دعا دی تو لگا کہنے کہ دُر ہو
سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا
تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی

گریباں میں ذرا منہ ڈال دیکھو
کہ تم نے اس وفا پر ہمسے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر | وفا لایا ہے وحشت تیری وفا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ | الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا | استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے ترے یار کی ایسی تیسی | آ ز ماتا ہے ترے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف | طوطا ہمارا مر گیا (اُڑ گیا) کچھ بولتا ہوا
یار گر صاحب وفا ہوتا | کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
چلتر حسن نیا عشق کا رکھا تو | زبردستی مرا دل لے لیا ہے
چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں | ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں
مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں۔ منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہو گیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی زندہ دلی نہ گئی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ ۱۸۸۹ء میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف ہیں چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکمائے یونان تریاق ہمہ
ما شیر القلوب۔ اور گنج شائگان مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض
کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شایع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شایع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ
متین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کر دیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو
ہدیۂ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو — شیخ سنگ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا
توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ — لیکن ذرا آ جائے بڑھاپا ابھی کچھ اور
آ گئی آنکھیں پھوٹیں ہاتھ تو ٹوٹیں شیشہ و مینا ہیں — چشم عشوہ زا دیکھی ساقی نا تیرا بگڑی
سنکے بیماری سوزاں کی خبر از رہ درد — لگے کہنے کہ پڑا پاپ ہے خدا خیر کرے
سرو ساماں نہیں ہے جسے مہیا ہوتے — ورنہ فرعون تو کیا آ سکے بھی یاد آ ہوتے

ستمپد۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قدما میں سے ہیں مولف تذکرہ خمخانہ جاوید نے
ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کب تھے
میں بھی صرف اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم وفا باز و ستم پیشہ نہیں — دیکھ کے جاں جیب اور جھولی آپ کی
ہم فریب آپ کا شیدا، والا ہے بے آس کا ملا — کیا ہوا ظاہر ہے صورت بھولی بھالی آپ کی
کام کر سکے نہ تھے جو کچھ چاہئے سو کرے — جنگ چھائی رات دن انھوں گھولی آپ کی
خاصہ آزاد دل کے حلقے میں داخل ہیں میاں — سیکھ لی تیاری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرما یہاں اے شیخ جی مت ہو جیو — کل نصیحت سنتا سن کے خل ہو چلی آپ کی

حرف شین معجمہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علحدہ نہ رکھتی تھی جتنا کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ ۔تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا ۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوکر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرۃً یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف ۔ افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں منجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۴۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ ثابت ہوگیا۔ دو چار شعر جو اِدھر اُدھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے — آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر | سامان انبساط ادھورا لئے ہوئے

شائق

شائق سید اکبر حسین نام ہے ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے درجہ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شائق صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے | اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جاکر کیجئے تقریر خوب | پر اثر مضمون اخباروں میں چھاپا کیجئے
اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور | یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے
ہاں مگر ہرگز نہیں ہے آپ شرط لیڈری | قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے
ہمنے مانا ہو گئے ہیں آپ بھی نباض قوم | اس ہماری مفلسی کا تو مداوا کیجئے
یہ نہیں ممکن تو شائق ہے سبب بیکار غم | اس سے تو بہتر ہے گھر میں بیٹھے رویا کیجئے

لالہ انگریزی میں جب فائق ہوئے | مغربی تہذیب کے شائق ہوئے
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر | واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

شیخ نے یکہ کیا لالہ نے بیچا تیل گڑ | وہ جو پسرے ورد رقویہ کرتے ہیں بنا پٹول
چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ یہ بتا لائی | ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمشاد - شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتی کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہوں۔ قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں | عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں | یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا | یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگون مجسم یا ٹھہرا خون | کسی مہجور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق | دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کر لکس مژگاں چشم ستمگر آ کے جگر میں کھپنے لگی | آہ کہ ہمدم ساتھ اُدھر سے جنگ سا
وعدہ کیا تھا شام کا مجھ سے شوق جنوں نے کل دن کو | آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدم سے بڑا ایسا ہی چھچھوڑا کارجا ہے — نانی جس کی آئی چھٹی میں
شیخ بگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے — دودھ ملیدا

شوکت۔ مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی۔ اور ملک کے نہایت موقر شعرا اور اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے۔ مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے۔ غالب۔ مومن۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی۔ آپ کا عاشقانہ متصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور اس میں بھی آپ نے وہ گلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

پادری تثلیث پر ناحق ہیں عاشق — تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شیدا۔ دلی کا رہنے والا تھا۔ احسان کا شاگرد تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے۔ وہی درج کرتا ہوں۔

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ بھانڈ — دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ بھانڈ
ناتوانوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں — کیا کوئی چاہیے عاشق ترے انداز پہ بھانڈ

لے گیا دل کو بغل میں داب کر — بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے

ننگا ہی کرو دفن مجھے اپنی گلی میں — ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غیروں سے یہ بولا — کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہے اسکا بدن چور
اپنے دل مجروں کو میں کس کس سے بچاؤں — ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا
جو تو عیار ہے بے رحم ہے تو میں بھی شہباز ہوں

شہباز:- اسم گرامی مولوی عبدالغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں داں تھے۔ آپ نے نظیر اکبرآبادی کے کلام پر نظر ثانی کرکے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی نظیر اکبرآبادی کی سوانح عمری ۱۸۹۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان انوکھا طرز بیان نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کما حقہٗ نہیں ملے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو اُن مدعیان بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ پر شب و روز انا ولا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میداں تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہوگیا۔

تہذیب قیس

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے
لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں

اے بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں
تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں

نیٹامٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو
پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں

ازبر تھے پوکلاٹ کے تھیورم پر ابلم
اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں

تھا تکیہ کلام کی صورت زبان پر
کیا جانئے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں

القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے
بی اے ایم اے کے پاس بھی آئے حصول میں

ہمت ابھی کہ کیجئے بیرسٹری بھی پاس
رکھیے عرب میں جشیوں کے ہوں شمول میں

لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا
حاصل تھا وہ جو نجد کے بنا کی ببول میں

آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس
کھٹمل کی طرح عشق گھسا دل کی چول میں

بال اسکے سر پہ صاف تھا عین تھیں مہر کی
ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں

گردن شکست دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو
قامت دبا کے سرو کو ابھرا تھا طول میں

پھل حسن نے لگائے تھے قامت کی شاخ میں
رنگت بھری تھی روز ازل عارض کے پھول میں

دیکھا جو یہ بجا نہ رہے قیس کے حواس
لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں

مجنوں کو دھن کہ جلد ہوں اس کی وصال
میری پڑی تہذیب رد و قبول میں

میری ہے کم کوئی شب کا بڑھا تازہ ذوق شوق
لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک دھول میں

شہیانہ ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب
لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

ہمنے پوچھا یہ اپنی قسمت سے
دور کیوں ہم سے گنج مطلب ہیں

سانولی رنگت ہے کیا محل ہیں
کالی رنگت سے گر نہیں شب ہیں

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند — شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں

کالی رنگت کے تل ہیں نقطۂ زیب — جن سے روئے بتاں مزیّب ہیں

کالی رنگت سے گیسوئے جاناں — لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں

کالی رنگت سے ابروئے خمدار — تیغ و خنجر ہیں یا جنت عقرب ہیں

کالی رنگت سے پتلیاں دونو — چشم کے آسمان پہ کوکب ہیں

رنگ کے زیب سے مسی کاجل — راحت چشم و زینت لب ہیں

کس طرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں — فائدے کحل کے مجرب ہیں

زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ — متفق اس پہ کل مہذب ہیں

حجر اسود کے منہ ہی بوسے — بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں

پاک کعبے کے کالے کالے غلاف — سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں

گوری رنگت سے گر سبب اسکا — ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں

رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع — ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں

ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ — جیسے ابرص کے معذب ہیں

شکل سے سنکھیا لشکر کی ایک — جتنے ابیض ہیں کب سب اعذب ہیں

ذہن کرلیں سفید کو گردن — دل بھی خالی کسو ونسے کب ہیں

پتلیاں گر سپید ہو جائیں نہیں — ہر قدم پر قدم مذبذب ہیں

رشتۂ منہ دل ہیں خول اگر ہو سپید — لاکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں

رنگ نقرہ برا ہے گھوڑوں میں — اس پہ شاہد صفات مرکب ہیں

اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار — کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں

سچ بتا اس پہ کیوں تو ریجھی ہے — کیسے غمزے ترے یہ کیول اب ہیں

بولی قسمت فضول ہے تقریر — ایسی باتیں نظر میں ال کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف | دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرت انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا | لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنس کے مرغی نے دیا اس کو جواب | جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا | بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغے نے کہ ہے فیشن یہ کیا | بولی مرغی بچۂ کمفرٹ دا یز
ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی نہ بول | بولی مرغی تیرے سر پہ پڑے ڈیز
مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر پھر رہی | مرغی بولی چپ بھی رہ اے بدتمیز
وہ زباں جو ہر زبانوں کی کوئن | بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کینیز
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں | جبتلک ہے کوٹ پتلون اور کمیز
حبذا شہباز کا حسن کلام | مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا | لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں | پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب سٹریز
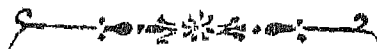
حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشاء کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن بے خار نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "شرم و حجاب از دلش بمراحل دور۔ و طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہر چند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ کسے را بہ بدی نام برد۔ اما درخصوص اینکس نظر بفحش دہن لش خلاف عنوان ناخواست حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ اُسکی طرف ہاتھ بڑھاسکے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملتا ہے چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو یہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت شہوت سے نہ کر چاک گریباں ادھر آ

دیکر عرق مکوہ کا پادا بدل لیا صندل کا ریتا دیکے پراوا بدل لیا

یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے اندزلا بازی جو دیکھی مات پہ پادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل تنگ سا رخ ہے
کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا

سنا جو چکلے میں کہتی تھی ہر جوان سے پیر
زمانہ چاہا کیا جب تلک سا جمال رہا

رات روشن سے اندھیرے میں کیا کچھ کر گیا
اس ہی گرمی کو سنکر یہیں ہنسی سے مر گیا

دمبدم لڑتی ہے کشتی مجھ سے جو خم ٹھونک کر
پیچھو والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا

چھپکلے جو کرتی تھی اسکو بہ ملا کرنے لگی
خوش ہوئے مہتاب جب اس کی سے شوہر گیا

میں تو چکلے میں ڈر گیا جاکر
کوئی ماکھو بنی کوئی بیچا

آج صاحبقراں کی آمد ہے
چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتجی ہو کر
ہزاروں بار رکھواتا ہے پانی پائخانے میں

وہ مونسا للہ جو بھینس پہ بھوری کے بیاہ میں
غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں چاہ میں

جوبن کو نورتن کے یاروشتاب لوٹو
آئی ہے حج پہ کرکے دھوڑ وثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو
اب تو سوچو ہے کہاں کے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننھی کی ہے بے مثال آنکھ
چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے
تیری چھاتی پہ مونگ سا دلتی ہے

زاہد لے کرتہ نیلا رنگا یا بسنت میں
جو روسیہ ہیں کیا انھیں پر السنت میں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے
ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کے لئے

پہ وڑوں میں اوقات کٹتی ہے اپنی
کبھی توپ اور توپ خانا نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبقراں سے ہے واقف
تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی او میری بھولی بھالی
ہاتھوں سے کیوں چھپالی او میری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں
اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی

منہ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے
باتیں نہ کر رزالی او میری بھولی بھالی

جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو وال خشکا
تھوڑی سی ہے یا سفالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے — ہونٹوں کی تیرے لالی او میری کالی بھالی
صاحبقراں کی خاطر لازم ہے جینے ماتا — رادن کی ہے تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ — سخت وہ قحبہ لالزادی ہے
وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال — بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
اس کو پالا ہے اک زمانے نے — نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوئے — دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے
وہ ہاتھ جیسے آئے احسان آپکا کیا — پکا جو بیل یار وکٹے کے باپ کا کیا
چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے — پریوں پہ نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ
میں نے صاحبقراں پوچھا کہ تم بوسہ پر — کس کے بوسہ کا نشاں ہے تو کہا تجھکو کیا
ہے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا — یہ سدا غنچے اور بہار نہیں رہنے کا
رات کہتی تھی گنا بخشی سے — دل ہے صاحبقراں میں میرا
وہ سادگی تیری نہ رہی اب نہ وہ غرور — چینی کی تشتری میں تیری بال آگیا
مجھے بھاتا ہے جگنو کا نشہ میں — بہکنا لڑکھڑانا اور مٹکنا
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا — دیکھ نورن کا کبر اور چھیلا
اسکی کھٹی کو بکڑ میں نہ ملا بیچ آگیا — چیخی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا
کہا ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ ہاتھ ڈالا — مطلب نکال لیتے ہیں ہم باتوں باتوں اپنا
قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی نا ہو — جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا
چھاتی پہ اسکی جب ہاتھ اپنا جا پڑا ہے — دل میرو وزد ستم سا سیدلاں خبردار
مجھے بہ فی سوا کھاتا نہیں کچھ — پڑا ہے جب سے ان سیٹھوں سے پالا

آ گئے لونڈوں کے سبب سینہ مرا چاک ہوا
اچھی رنڈی سے لگا ملنے تو سوزاک ہوا

جفت سہنے کا اپنے طاق رہا
نفس شوم اپنا طاق رہا

جونکوں کی طرح لہو پیا کرتی ہو دن رات
منہ لال ترا کیوں نہوا بیجاں شچپا کا

کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں نہ گھر میں ہے
وہ ہنسکے بولی مجھسے منہ میٹھا ہوا انھوا

اگر ہاتھ آئے کبھی ننھی سی چوہیا
میرا کیلا کب کھاوے ننھی سی چوہیا

منگا دوں جھنجھنا راستے چھیڑنے کو
الہیا اگر گابٹے ننھی سی چوہیا

اچھل کر کہا فی ستے لیجاے لوٹی
جو کھانے کی بو پاے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے
قدر جاتی رہی جسوقت دلا انکلا

رستم کی اگرچہ ہو تو اسی
جب وقت پڑے تو دغا کیا

کسبی کتنے ایک سے ہیں ہم تم
کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو
جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند
رہے ٹاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرہ سے
دھر دیا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بھگانا آج
صدقے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں
اتنا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہے ٹخ ٹخ
وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہے ٹخ ٹخ

نہ دھرت ہے نہ پٹھا ہے کہ ہرواہے نہ ٹھری ہے
کہیں جو سست ہوتی ہے تو پھر گاتی ہے ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑا پاکر
گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گوز ہے یا کہ ہے صاحبقراں آندھی آئی
ایک پسکی میں اڑاتے ہیں ڈھیلے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی
میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کرلے
نہیں رہنے کی بے شوہر اجاگر

بیوفاؤں کے نام پر پا پوش — اُن کے اخلاق خام پر پا پوش

آشنا رسوا کیا محبت نے — آشنائی کے نام پر پا پوش

کہا کملو نے کچھ کھڑکا کے اپنی — جو انوکھی ہوں چیل لو چیل

خرگوش تیرا ہوش میں بند سے کم نہیں — ہر خانہ زاد تیرا چھچھوندر سے کم نہیں

گو سوکھ سا کھ ظالم اچھو رہ گئی ہے — لیکن ہوسے نہ ابتک تا رو کے دانت کھٹے

دیکھو بھوری پہ موہا عاشق ہے — پدمنی بھینس چوہا عاشق ہے

مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو — گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے

روز لاتا ہے ماش کی پوری — کیا کروں ہیں یار وڑا عاشق ہے

رات سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی — اس نگوڑی کی تو کچھ صورت ہے بچانی ہوئی

تھا جسے کافر کہ کل جنے ستایا تھا مجھے — خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی

میکدے کے رہنے والوں سے نہ بولا کیجئے — میکدے میں آ کے پیر افیون گھولا کیجئے

بند ہو جیب ان کیا امساک سے — سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے

گھورتا تھا کس لئے ہے صاحبقراں — کب اٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے

صاحبقراں سے منطو کہتی تھی کہ خفا ہو — ہرگز نہیں ہیں لائق تیرے چھوڑنے کے

میں جانتی تو اسے تجھکو نہ دیتی ہرگز — یہ تیز داشت تیرے قابل ہیں لوٹنے کے

کہا صاحبقراں تو رن سے میں نے — ہماری کچھو تو عیب لوٹی

خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ — جواب جاہلاں باشد خموشی

صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ — لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ

پر جب ہوا احتلام پہ حضرت — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آگئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تاحین حیات زندگی بفراغت

گزاری۔ جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صفدر۔ آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا۔ مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے۔ اور یہیں شادی بھی کر لی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں۔ اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کر دیا ہے۔ متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے۔ تین چار کتابیں مشاطۂ سخن۔ مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے۔ اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بجائے خود ایک چیز ہے۔ اور اگرچہ یہ دعوی دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں۔ منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیرآبادی سے اصلاح لی۔ اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں۔ نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشان حسن والے ہیں
بنا۔ عشق بھی اب لو ریا بہ بنا سنبھالے ہیں

خدائی بھر سے نخرے نرالے دنیا کے نرالے ہیں
یہ وہ ٹر سیاہے جس پہ لاکھوں مٹنے والے ہیں

ابے او سپر گرد دل غیر کے ارماں نکالے ہیں
ہمیں جاکر ہیں رکھتا ہے ہمیں سے ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری وہ نٹ سی گردن نکالے ہیں
یہی لیلےٰ کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب رو سیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تمنے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ ٹیں ہونے پہ بھی ہے چاٹ ہونکی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھکر یہ ہو میاں بولے
ہزاروں موڑ اس نے سیا سے تمونے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا ہوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
ٹٹے ہی ننھے منے ہیں ٹٹے ہی کے بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ قاروں سے بھی یہ ہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی ڈھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جامن روئی کے گالے ہیں

کہاں ہے موسم گل دھجیاں اڑتی تھیں دامن کی
کہاں اب کی بہار آئی ہیں اور وحشت کے لالے ہیں

تمھاری نائکہ بے طرح اب جی تی لگا تی ہے
بلا سے پٹ رہے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

نقاہت ہے مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں گل کے والے ہیں

بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر وہ پینے والے ہیں

شب فرقت عدو سے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے بچھو نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ار مانوں کو اپنے دل کی کھڑکی میں
تمھیں آکر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جس دن مجھے وہ چاند گنجی کر کے چھوڑوں گا
گلی سے آپکی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں اے رشک لیلیٰ ہو گئے دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم گرے جاتے ہیں غیرت سے
جو گھٹنے پر دو ڈنٹھے ہیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

سجاتے ہیں جسے عشاق کو لعنت ہیں پل دلبر
انھیں کے گھر سے انساں بنکے گھن چکر نکلتے ہیں

بچائیں لیجئے اپنے جھونپڑے کو دو رقیبوں سے
شبے پرسوز نالے پھونکتے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے
سر بازار سینہ کھول کر تن کر نکلتے ہیں

یہ چپٹ سالے کی کہتی ہے اک کمسن کی باڈی چیر
پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں

رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے قیموں کی
گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپ کے زیور نکلتے ہیں

جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر
بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کرکے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجۂ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ گویا قدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر آجتک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا۔ اور اب کہیں بھی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا الشالانکہ کرد جہلانکہ — کل تو بچی پراسیہ فرو بکاسرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کے اودھ پنچ میں شائع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لیئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں پر مہرباں ۔۔۔ جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بے شک ۔۔۔ غلط کل مصلحان مفسدت انگیز کہتے ہیں

برابر ہے ہماری پالسی اور لاٹھ صاحب کی ۔۔۔ کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی بحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں ۔۔۔ تلمی شدہ ہو جیسے کوئی اجنبی سی

پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج ۔۔۔ میری طرف سے کیا ہے یہیں صرف بے بسی

کہنے لگا کہ ہاں تو ہے سچا معاملہ ۔۔۔ یورپ میں جاکے دیکھئے کوئی میری آپکی

ضیغم۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشہ اسد اللہیاں منم ۔۔۔ روباہ را حریف غضنفری کنم

کو مرغ سدرہ کو زغن تفرشتی ۔۔۔ طوبیٰ بہ شاخ سرو برابر نمی کنم

حرف طاء مہملہ

ظریف - منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑپن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹا دوں آثار ۔۔۔ اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو اُلّو ہو کر
ہمہ تن جوشِ حنا حسن سے تیرے یعنی ۔۔۔ رنگیا سارا جہاں بیخ سنبھالو ہو کر
نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں سرزد مجھسے ۔۔۔ کام تیسے کا بھی کر لیتا ہوں کدو ہو کر
پیٹ زندانِ مصیبت ہے زمانہ میں ظریف ۔۔۔ جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہو کر
نوچ کر وہ رہزنِ دل بوٹی بوٹی لیگیا ۔۔۔ پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا
کر دیا قلاش القصہ تمھارے عشق نے ۔۔۔ انتہا یہ ہے کہ بندر آکے روٹی لیگیا
دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں ۔۔۔ جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں
مرا بستر ہے سرِ رہگذر ہے ۔۔۔ نہ مچھر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے
مرے طائرِ دل کو کیا سیجیے گا ۔۔۔ فقط چونچ ہے اسمیں پرہے نہ پر ہے

طرزی - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعوی کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات ارباب ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش۔ اور مستان امارد پرست کے لئے شعر کہتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

در دیدۂ من آنکہ بہی از ثقلینا ‌ ‌ پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا

جز وصل تو مطلوب لم نیست نگارا ‌ ‌ گر دنیا و عقبی بدہیم فی المثلینا

با من دلخستہ اے دلدار تنگیدن چرا ‌ ‌ تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا

با مسلمانان مسکیں کافریدن بہر چہ ‌ ‌ با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا

تا آفتاب چہرہ عیانیدہ مرا ‌ ‌ اے نوبہار حسن خزانیدہ مرا

الا اے مہ کہ زلفت می کمندد ‌ ‌ دل من در کفت می مستمندد

بدفع چشم اعدائے تو طرزی ‌ ‌ دل خود را در آتش می سپندد

تا ابروئے تو دیدہ جنونیدہ ایم ما ‌ ‌ نشناختند خلق کہ چونیدہ ایم ما

قامت خمیدہ و دل چو نقطہ سیاہ داغ ‌ ‌ از عین و شین و قاف تو نونیدہ ایم ما

گہ در فراق روئے تو ماہیدہ ایم ما ‌ ‌ گہ چوں کتاں ز حسن تو ماہیدہ ایم ما

افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا بلطف ‌ ‌ حبل المتین زلف کہ چاہیدہ ایم ما

در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ ‌ ‌ ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما

اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم ‌ ‌ بکانون حسرت کبابیدہ باشم

خور و خواب بر من حرامیدہ باشد ‌ ‌ اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم

گر از حجلہ چاکر اسم شماری ‌ ‌ ز لطف تو عزت آبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظرّاف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں اور ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں یاد دیکھا ہے مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے	خریدو گاہکو سودا دکان بڑھانی ہے
تلاش دل جو کی چلتی لئے پھرا ہوں	تمہارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے ہنسیوں کو خوب لٹکے یاد	جواب عشق میں معجون لن ترانی ہے
محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا	ذرا سا کیوں میاں ہشتا منک پیشانی ہے
کفن میں چادروں سے اپنے باندھ کر پالو	سنا ہی جب ہے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گھٹا گھٹا کے سر آتا ہی غیر دادرے شوق	بنی جو یار کے جوتہ پہ کامدانی ہے
نہ ہے کسی سے موافقت نہ کوئی اس پہ مرے	میں جس پہ مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے
ادھر حسین نے بیٹھے کوئی دکان کھولی	صدا وہ دیتے ہیں شربت بکی زعفرانی ہے
وہاں کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا	ضرور شیخ جی جورو تمہاری کانی ہے
تمام لے گئے سرکار لاد کر غلّہ	شکم میں آپ کے گھر میں مرے گرانی ہے
کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں خفت ہو	نہ کھینچئے کہ لنگوٹی بڑی پرانی ہے
ہے صدقہ آپ پہ آپ اپنے کیوں نہیں مرتے	غضب کی آپ کے ظراف پر جوانی ہے

ظریف۔ میراں اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ و بخیریت تھے۔

ظریف۔ سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ لسہ ضلع مظفر نگر رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ ان کے دستیاب ہوئے وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمھاری چاہ مبارک رہے عدو کے لئے ‏ ‏ اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے
پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں ‏ ‏ ٹکے کو آتی ہے بدھنی یہاں وضو کے لئے
بتائیں کیا تمہیں صرف کثیر شوق جمال ‏ ‏ ہزار جوتیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے
ازل سے تم نے نہ کی اپنے نامہ پہ نظر ‏ ‏ کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بھوک کے لئے
ملا جو غیر سے تو اس سے پوچھا یہ بات ‏ ‏ چلن ہے چوک پہ کس کے لئے شلو کے لئے
تمہارے لال کا دامن نکل گیا مریم ‏ ‏ منگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے
ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں ‏ ‏ تڑپتا رہتا ہے دل اپنا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہی ایماں کا ‏ ‏ بھٹکنا چار سو اچھا نہیں ہے تا ہی انساں کا
نہٹے مارتی ہے اسپہ بچے پیار کرتے ہیں ‏ ‏ تعلق کس قدر گہرا ہے بلی اور انساں کا
بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بیوی ‏ ‏ ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا
جہاں بخیہ کیا ہے سامنے دامن پہ حسرت کے ‏ ‏ اکا دو اچھی بھابی تم گریباں پر بھی اک ٹانکا
بھلا سمجھی ہو بیوی کیونکہ سب کے دل پہ حکم کریں ‏ ‏ اطاعت اُن کی دیکھو و غصہ نانی اماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں - بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی - حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جس کا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات جا بجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علحدہ ہو کر کلام ہزل سے بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر با ایں ہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - اُن کے یہاں کے ادبی اور پلیٹ یا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعرا میں ایک بڑا اور خاص امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں اُن کا کلام موجود ہے - اور اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق اعلی درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کر کے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ لی ہے آپ اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں - میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا اتفاق ہی نہ ہوا کہ اُسے حاصل کر سکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار درج کرتا ہوں -

جنوں میں کیوں چلا میں دوڑ کر پھولا جو دم میرا — حماقت کی نشانی بن گیا نقشِ قدم میرا

شمیمِ زلفِ مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے — ترے بالوں کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

وفورِ شوق میں معشوق کو دے پٹکتا ہوں — کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے اودھم میرا

ضعیف و ناتواں ہوں مجھکو الفت نے بنا تاکر — ترے بھرپیٹے پن کا ذریعہ ہے قدم میرا

یہ دونوں جانور ملکر ایسے کچا ہی کھا جائیں — شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے ہم میرا

مہار، فرہاد و مجنوں شیخ چلی سے جوتتے ہیں — وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا — مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک سنتا ہے بلندی پر آبلہ دل کا — حبابِ شیشۂ محمل ہے دو منزلا دل کا

مشارے ہی جو اُن کے معاملا دل کا — پڑا ہوا ہے کٹھائی میں فیصلہ دل کا

علم کسم اچھی داروے درد ملجا ہے — کہیں تو حال للائن سے کچھ للا دل کا

علم میں جھینگر سے بڑھکر کامل کوئی نہیں — چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اتنے ہمیں ہیں کہ جڑواں انکو کہنا چاہئے — پیر چرخ سا تو ان افلاک میں جواں کوئی نہیں

حضرت حوا سے کم کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے — باپ ان کا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ دہلی انھیں شہروں پہ کیا موقوف ہے — ہر جگہ اہلِ زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستقیوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا — میں اک قرابہ ہوں عرق خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ — کھل جاتا حال آپ کی زلفِ دراز کا

کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رضائی — ابرا اگر اکھڑ آتا تو استر نہ اٹھے گا

اغیار کی خدمت سے اٹھا بھی تو گراں ہے — ہے تیرے احساں کا چھپر نہ اٹھے گا

تا حشر کھرے میں تو یہی بند رہے گا — مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اٹھے گا

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اس سے اک آغا
چرا کھڑا ہے یہاں تو چہ کار راہ میں ہے

نئی ادا سے نکالی ہے طرز استغنا
کہ خود کھڑا ہے لب بام یار راہ میں ہے

ترا جواب نہیں دوسرا کی بھٹیاری
کہ واں چولھے پہ ہے اور بگھار راہ میں ہے

ظریف ہے وہ بت شوخ کس قدر آزاد
جو سر گھٹا ہے لئے پشت خار راہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مرجانا
یہ سب کیا ہے سلامت چھجو کے پل سے اتر جانا

دولتی سے سمند ناز کی غیروں کا مرجانا
یہی تو ہے طویلہ کی بلا بندر کے سر جانا

رخ روشن کی چھبی حسن کا گویا ٹھٹھر جانا
قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا

مری آہوں کی تڑ دیکا وہ خالی خولی سر ہنو
وہ آنکا لاٹ صاحب کی طرح بچ کے نکھر جانا

مہذب چوٹا پن ہے یہ معشوق خیالی کا
کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا

مریض ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری سے
وہ آخر تحفہ مشق اطبا کا بر رجانا

بھگانا دیکھ کر انکو وہ سر پیٹ اپنے ہاتھ کا
میاں مجنوں کا چلانا کہ بی لیلی ٹھہر جانا

چرانا رحب لگتے ہیں گلے مضمون کے لیکر
ظریف اچھا ہے اردو شاعری کی طاق جانا

پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہاں ہونا
اور وہ نالہ و فریاد کا جوڑ واں ہونا

گھر تمھارا ہے نہ کچھ یا پتا اسکے گھر ہے
غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا

خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تو نے
شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں سیاں ہونا

یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں
یا تو یا ندھنا کر دو شمع کا عریاں ہونا

نا میقان وہ دریا پہ میرا پڑھنا
آن کے چہرے کا وہ غنچہ گلستاں ہونا

صاف لفظوں میں ہے یہ بلتی ہوئے وانہ نکا
دہن یار کا درج در غلطاں ہونا

درد دیتا ہے کیوں کانپتے ہیں تھر تھر
کیا مرے گھر میں گھس آیا ہی بیاباں ہونا

وہ کفن بھر شہیداں وفا دینے لگے
تا پہ کر ہر اک کو دو گز کھادا دینے لگے

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہے اُدھر بھی

کہہ رخ پہ نقاب اسکے ہے کہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو وہ بھی ہو نہ یہ بھی

سن لیجیے بغیر اس کے ہے تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب ہیں جان مائی ڈیر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ وہ عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی والی
تر کے ملے ہمکو ارے جلدی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعر اور کہو
ایک چو نچ بھی جسکے ہو نظر لیف پہلو پر بھی

گو زندوانی وقت پہ ملتی نہیں ہمیر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپنے اٹھی رخ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دوکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر مشیتا کی طرف
پاؤں پھیلا سے فراغت کیلئے بستر کھلا

دال دھوئی ماش کی کھائی نازک تھی دوست
بالش وبستر ہے مجھکو آرہی ہے بوے دوست

کی جو کریا غیر کی ہیں صاف چار ابروے دوست
چرنے ہو گیا چاند بیشک ہاتھ کی یا ات ہے دوست

عاشقان زرد رو کے طایر دل ہیں مقیم
روبیہ کے جو رخ ہیں الجھے ہیں گیسوے دوست

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں عاشق پر نشان ملتا نہیں
آگئی چوڑی سڑک میں سب ہیں گلی کوے دوست

حسن کے دلکش طریقہ میں ہے بند رخنہ در دوست
ہے سمندر ناز پا اڑیل کوئی ٹٹو ہے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تمنے اگر پسو ہے دوست

دور تک آدر قیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقہ لیلی کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی جھنوں کی قضا آتی ہے

وہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط | یا جفا آتی ہے یا اُن کو دغا آتی ہے
نفع اتنا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے | تیرے بیمار کے جینے کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں گرگٹ کی طرح | حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ - ح - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں - جو کاکوری کے رہنے والے ہیں - نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا بہت زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کر دینا پڑی ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں - ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے -

" یا ایہا القوم ھوت - کون بے وقت غل مچا رہا ہے - ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں سنو بھی سنو -

ما ڈھل در گردن و خر در خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں - غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے مسلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنا لیا تھا - مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے - ذرا ہاتھ تھام لو - خیریت سے ڈھول سلامت قوم کے لیے سلامت ہے - آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا - ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں - صدائے برنخاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے - فریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے - جوں توں خود ہی اٹھے - رہوار کو بھی اٹھایا - پھر سوار ہوئے - سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی - وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا - کھلا منھ چلی زبان - بجے ڈھول - پک پھم - پک پھم - دہم - دہم - دہم - خلق خدا کی - ملک شہنشاہ

مجازی اڈیٹر ہنٹر کا - حال وقال رفارمروں کا - وھو ہذا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم
ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

کار دنیا ہیچ گردد از شمار ہیچ وقت
ما امید از طاعت و چشم از صواب افگندہ ایم

از زکوٰۃ و حج صلوٰۃ و صوم فارغ گشتہ ایم
شاہد ما در رقص و افیوں در شراب افگندہ ایم

لکھنؤ زر سید ہمہ آباد باشد تا ابد
سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگندہ ایم

مد و جزر بحر سودا را بماند حسب قوم
دل بہ دریا و سپر بر روئے آب افگندہ ایم

تا قیامت باد نفرین نقص قرآں مومناں
بازئی پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ
گر برو غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم

آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است
ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

عالی ۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی ۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا۔ اور نعمت خاں خطاب تھا ۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوئے کہ اصل نام سے بےخبر ہوگئے ۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا ۔ جو اپنے زمانہ کے ایک بڑے دست حکیم تھے ۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی ۔ مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے ۔ مروجہ اور ضروری علوم بھی وہیں حاصل کئے ۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوئے ۔ جب شیراز سے واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے ۔ حیدرآباد کی فتح پر اُن کو زمرہ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی ۔ اور ۱۰۸۱ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا ۔

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے ۔ اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں آنے پایا ۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے ۔ انکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے ۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے ۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے ۔ اسواسطے یہ ہمیشہ درپردہ ہجو کیا کرتے تھے ۔ عالمگیر کچھ نا سمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا ۔ مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ لکھکر گزرانا ۔

اے عمر صورت و عثمان سیرت — کہ ابو بکر نگہباں تو باد

روز محشر کہ بجود رمانی — پسر بو سفیاں یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ ایں کہنہ قرم ساق بد انست خود ہجو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امراے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور چلغم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑ کر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النسا بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی کہکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ مع جبہ کے واپس کر دیئے ۔ رباعی یہ ہے ۔

اے بندگیت سعادت اختر من　　　در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جبہ خریدنی است پس کو زر من　　　ور نیست خریدنی بزن بر سر من

عالی کی ہجووں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا ۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور ہزال گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے ۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجووں کو متانت کے لحاظ سے دیکھیئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت سے ان پر نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا مقابل نہیں ہے ۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں ۔ چنانچہ انکو نے ایک قطعہ ہجو کا مکارم خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے بڑے ہجویہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ انپر پانی پھیر دیا ہے ۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں تو علوم کا ایک زخار دریا موجزن نظر آتا ہے ۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و بلاغت کا خزانہ کہا جا سکتا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

بار دیگر کدخدا شد خان عالی منزلت　　　با کمال عز و تمکیں با وقار و زیب و زین
مہرہ در ششدر بفتد گر گشادی رو دہد　　　مینہد بر تختہ از ترس حریفاں کعبتین
زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس　　　ماند آنہم ہمچناں بر گردنش مانند دین
نفقہ و کسوت بسر افتاد و ذگر فتہ جہاز　　　قد رجع من جانب البسلہ بخفی حنین
ان شد از جبر آورد ایں شد از اختیار　　　ایں سخن ہم درمیاں ماند اسیر بین بین

زاں طرف خفتن نہ باشد زیر طرف خاستن　　شہر طہا شد و نیت و ایجاب قبول از جانبین
گفت بہر من جہاز اوردہ کا ید بکار　　گفت آرے ہم جہیزش اوردہ ام کلبتین
گفت خان البصر مفتاح الفرج را ساکن است　　کثرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین
گفت چوں شد چشم چشمم نیست شد و مد منجزر　　در محالات است فتح الباس حد الرحمتین
گفت دخلے میکنم بشنو دو قسم آمد حلول　　ہست سریانی و طریانی بنا بر مذہبین
گفت تو شکل عروس ہندسہ گر خواندہ　　ضلع عمود آں فی المثلث قائماً بالنقطتین
گفت من در انتظار ساعتم معذور دار　　شمس طالع نیر و راجع ماہ باید در بطین
از طبیب ہم دوائے خواستم نادیدہ گفت　　از برود تہائے تو پیدا است ضعف کاتبین
ساخت زرعونی زخولنجان جوز و زنجبیل　　لودری و دار فلفل سعد قسط و بہمنین
گفت بے ایں ہا نمی آید بکار از من شنو　　چارہ ات فصد و تبرید کی صد غدتین
حجلہ ام را مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب　　ہم زباں آمد بدر از گفتگو ہم لوتین
دخلہا در موشگافی کار ملا زادہ است　　تو بحث اللفظ واعظ گشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دئیے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را　　رہزن دین و دزد ایماں را
از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت　　آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت
بملامت عتاب پیش گرفت　　بر سرش زد بہ بے و ریش گرفت
کہ چہا میکنی تو اے مردود　　شدہ از درگہ خدا مطرود
ہم دیگر چو شیخ برد بکار　　شد ازاں ضرب دست خود بیدار
چوں ترش زخواب شہر بہ جست　　دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جنمیں سے بعض اشعار منتخب کرکے لکھے جاتے ہیں۔

الہ است العدو رحماں خدائے — مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار — ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ
رجلیہ مرد و مراۃ زن و زوج جفت — جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک بادشاہ جند لشکر بود — براں ضحک و خندہ بریں قاہ قاہ

چیست عنقا روپیہ کبریت احمر اشرفی — کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بو الحسن
فقر و فاقہ عیلہ و عسرت صبوری انتظار — انچہ باشد نوکراں بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیبا ہر دو لطرز لف و نشر — دانہ کاہ و دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل و الغائط آبے کہ در پیشکراست — الاجل حکم طبیباں المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش — سہو سیبہ لغو زینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہرگز کس نگفت باشد گفتنی — کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و مؤتمن
فلسفی آنکس کہ میگوید خلا باشد محال — در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن
با ولادات دلن چوں لم حروف نافی اند — میکنند ایہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن باد والی احمق دفی جر میکنند — لیک الو قحبے کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار اصبح و امسی افعال ناقص اند — ہمچو تدبیرات و تشہیرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے — چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری — کہ معنی ہم ندارد ایں زماں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں ۔۔۔ ز شمشیر و سپر دارد دم آب لب نانے

طبیب از علم طب دریا دسیار ہمیں معنی ۔۔۔ نباشد خوب تر از شربت دینار درمانے

منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل ۔۔۔ ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے

ولیں عطار مشتاق است قوت لایموتی را ۔۔۔ بچشمش آش و ناں آید چو بنویسند اشنانے

نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را ۔۔۔ کہ بر زخم دل خود مرہمِ گوں سازد نمکدانے

چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کاتب ۔۔۔ ز کلکِ خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے

محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر ۔۔۔ برائے اینکہ معلومش نشد شوال و شعبانے

ز حیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب ۔۔۔ نخواندم ہیچگہ لا تاکلوا در ہیچ قرآنے

وریں لشکر بیا کم یار دم با خویش می سنجد ۔۔۔ نماندہ در دکاں بقال را جز سنگ و میزانے

ز گرسنہ یالی یکے پرسید از روزت چہ ماند آیا ۔۔۔ بگفت احوال گر ایں است بہر ساعتے آنے

صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم ۔۔۔ چہ شد گفتند دریں خانہ وارد گشتہ مہمانے

ز جائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ ۔۔۔ کہ شخصے دید شب در واقعہ پر آرد ابنانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے۔ نعمت خان عالی نے سنہ ۱۱۲۱ھ میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن سے ملے
ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

عاجز - کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر - اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نام سے تھے جنکی شاعری بواسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت گو لوگوں کو بلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے - اُن کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے - چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لا اُبالی تھے - اس لئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے - ایک شعر نمونۂ ظرافت مل سکا -

دل لعل مارنے لئے جاتے ہیں سب لٹکنے کے طفل ۔۔۔ شیخ سعدی کا تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی - قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد - ظریف - شاعر - ادیب بلکہ مورخ - نظام الدین عبید اللہ نام تھا - عبید زاکانی کے نام مشہور تھے - شاہ ابواسحٰق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی - اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی - ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہدہ قضا پر مامور ہوئے - چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا - اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی - اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا - اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی - جو ایک لغت کے طریقہ پر تھی - اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پرآشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں - چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں"

العالم - بیدولت + الجاہل - دولت یار + الجواد - درویش + المخنیس باللہ النامراد - طالب علم + المحتسب - دوزخی + الشاعر - طامع خود پسند + العطار

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم ۔ وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے +
القلتبان ۔ سسر + البکارت ۔ اسم با مسمیٰ + الجلق ۔ دستگیر مفلساں + المشرف ۔
چور + الکلب الاکبر ۔ وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس ۔ چوروں کو ڈاکہ ڈالنے
اور دن کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل ۔
حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت ۔ بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب ۔ تقریر کرنے والا
گدھا + الواعظ ۔ اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم ۔ خوشامدی +
الطبیب ۔ جلاد + المنجم ۔ کذاب + الملک الموت ۔ ساقی بریش دار + الهادم اللذات
ماہ رمضان + الذو القرنین ۔ دو جوروؤں کا شوہر + بدبخت ۔ بڑھی عورت کا جوان
شوہر + الدیوث ۔ جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب ۔ ہمسایہ + الریش ۔
غریبوں کی دستاویز + الشیخ ۔ ابلیس + صوفی ۔ دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل +
الحاجی ۔ کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + البہائی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ +
الہیچ و پوچ ۔ شریفوں کا وجود + البیمغز ۔ شرفا کے آداب و تہذیب ۔ الغرور و
الحماقت ۔ شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال
بازار کا مستند چور + الشراب ۔ بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ ۔ صوفیوں کو
حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل ۔ شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا +
النوجوان ۔ بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللایعنی ۔ صاحب خانہ کی زندگی + النصیب
آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف ۔ صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم ۔ طلاق ثلاثہ +
الخانم ۔ بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم ۔ معدودے چند عاشقوں کی چہیتی +
الپاکباز ۔ ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت ۔

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے ۔ مذاق کے پیرایہ اور ظرافت
کے پردہ میں قوم کی بگڑی ہوئی حالت ۔ مظلومی اور بدچلنیوں بد قماشیوں کی

تصویر کھینچدی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جسکا اتباع ملا دوپیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈھالا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا اچھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔ اسوجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ اضافہ کروں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ اُنکے ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزرا اور امرا نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا۔ یا پہونچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم ۔۔۔ کاندر طلب راتبہ بہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز ۔۔۔ تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتاً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن ۔۔۔ تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن ۔۔۔ کنگ آور و کنگری کن و کنگرہ زن

شاہ ابواسحق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبۂ بوفاست ترا از چنیں قحبہ ننگ نیست
فراخی و گر را بخواہ خدا ے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی دہجا گو عبید زاکانی مقرر است بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین روستا زادست ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جا رہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر ادھر ادھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دوادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک و احتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے۔ خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام کبھی سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم و بادہ پرست در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ مگر [illegible]

شعر کیوں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو پوچھی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہوکر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گزری ہوگئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بعیش خوش و من مبتلائے قرض — ہر کس بعیش مشغلہ و من در بلائے قرض
قرض خدا و قرض خلائق بگردنم — آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض — در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایان بباد رفت — از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض
گر خواجہ تربیت نکند مر عبید را — مسکین چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ اشعار زیادہ تر نواحشات تک پہنچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفقیا چوں تو پدید آمدہ ایم — با آتش خود ترا قرین ساختہ ایم
او گوید تو سیز نہ۔ تو میگوئی شعر — اورا بتو در بدیہہ انداختہ ایم

عرش۔ گیا کے رہنے والے ظہیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس پچپن برس کی ہو گی۔ گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اور دھر پنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ ظریفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

مرزا اودھ پنچیا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان بعد فراغت نماز سحری بیٹھا محو دعائے اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک لبکھوڑا پڑا ناچتہ ڈیسالا قوال ہاتھ میں سنہری سہانی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستارے معہ اک بہ ظاہر مرد طرحدار کے جو فی نفسہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہو گئی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پاجامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہو گئی اب اس قوال و زن چھبیلہ نے یوں الاپنے اور ستار ٹنٹنانے ٹنٹنانے توڑ ہی ڈالا۔ غزلچہ

شرافت تو ہے گت ہے بدکار بیوی — بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی
نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی — کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی
کرے خاک تاکید پردے کی شوہر — نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی
اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو — نہیں پیش خالق گنہگار بیوی
نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر — بہت آجکل ہے سر پہ بار بیوی
اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو — لگا دے وہیں جوتیاں چار بیوی
نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں — کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
اگر دیکھے بل ابرو پہ میاں کے — تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنیئے — نہ پا بند شوہر ہو زنہار بیوی

کہا ایک ٹٹ پیا سے بیگم نے ہنسکر　شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی
یقیں کے ہے لائق فقط اسکی عصمت　گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی
طرفدار غیروں کی تعریف جب ہے　نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی
مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے　جواری جوے میں گئے ہار بیوی
اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو پیدل　تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی
کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو　بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی
خجالت کا دریا رواں بیچ میں ہے　ہمیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی
کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر　رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی
نہیں نوکری ملتی جب مردوں کو　نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی
ادھر تھک کے کاموں کو کیوں لیٹتے ہیں　ادھر جام پی کر ہے سرشار بیوی
خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز　خبردار بیوی خبردار بیوی
میں عاشق ہوں سو جاں سے وقت پیری　ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی
نہ ایسا دانت کاٹو نہ اب رو بس بس　ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی
تری پیٹھ پر سیکڑوں لوٹ جاتے　ترے منہ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا۔ قصبہ بندکی ضلع فتحپور میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن دہلی میں تھا۔ ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے۔ جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں۔ تو ان کے والد ترک سکونت کر کے اس قصبہ میں آ رہے۔ عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بندکی میں ہوئی۔ مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ تو یہ ضلع باندا چلے گئے۔ اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی۔

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور اُن کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مرادآبادی کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۹۱۷ء میں بمقام بندکی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجویہ ہے۔

میں بند قبا کو کمربستہ سمجھا ... عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے
دورنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں ... مونچھیں سفید ہوگئیں..... سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں ... عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گذر گئے کھاتے ... خشک روٹی و بن گجاری دال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری ... دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال
نیند کیا خاک آئے راتوں کو ... چارپائی کا ہے شکستہ حال
شور اب میری تشنہ کامی کا ... پانی پت سے گیا ہے تینی تال
پان کی یاد جبکہ آتی ہے ... مار کر اینٹ کرتا ہوں منھ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں ... دونوں تلوؤں کی اڑ گئی ہے کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو ... بال بھی سر کے ہو گئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر — مونچھ داڑھی ہے صورت اشکال
سیہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی — تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دود آہ جگر نکلتا ہے — دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بندگی میں ہے سکونت کا — اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں — بیٹھ جائینگی غالبًا امسال
دن کو چھنتی ہے دھوپ اتنی آس — ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں زور شور سے آئیں — اڑ کے چھپر پہونچگیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر — ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسنیٹر سے کچھ صدمہ پہونچا - پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ دو ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ -

وکسنیٹر ہے قوم کا حجام — نائیوں سے کراتا ہے ......
مارے جوتوں کے ہو گیا گنجہ — جھڑ گئے سر کے موئے عنبر فام
باندھتا ہے عمامۂ کابل — فرقۂ بد معاش کا ہے امام
آ کے بندگی میں بن گیا ہے شریف — باپ دادا سے تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو — اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی — جیسے عاشق ہوئے ہیں تو دے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں — تو بھی چلنے لگا قدم سہ گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر — کرتا ہے اس سے روز و شب بکام

اگر دعوی ہے کسی تنبیری کا — ہمارے آگے آئے .... کا
پڑے ہیں جوتے سر پہ جھڑ گئے بال — یہی ہے مرد گنجی کھوپڑی کا

مزا زردے کا کیا جانے کمینہ　　وہ کھانے والا ہے روٹی سٹری کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب ۔ میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعراے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیوان پرستی جان من ۔ من سپ دا شتہ ایم　　پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز ۔ سید قلندر کاشی کا تخلص ہے ۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم　　بحمد اللہ کہ مردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند و دیدی　　برو بابا سشتر دیدی ندیدی

عسس ۔ بدر الدین نام تھا ۔ مٹیا محل دلی میں رہتے تھے ۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اسیر آپ کی ہیئت کذائی اور کبھی تزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے ۔ بدقسمتی سے شعر وشاعری کا بھی ذوق وشوق تھا ۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے ۔ شر ۔ مادہ ۔ استادہ تذکرۂ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے ۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں بے او گھٹے چلا تھا کیا یہ جھگڑا تکو   کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑا تکو

عشاق - ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سبز خط سے اور ہوا حسن یار کا   آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ان جوانوں میں   ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانوں میں

تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جس باتھ کی   موے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں

حسیں کبھی ہیں کٹے کبھی ہیں مگر کچھ ہوش ہوتے ہیں   ہوا اتنا کہ عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

عصمت تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں ساد دیکھ چکی منھ ہزار کے   بیٹھے گی کب بھروسے پہ وہ ایک یار کے

بی تم نے کیوں کنوارے پنے میں چبایا پان   موتی سے دانت بن گئے دانے انار کے

نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہرائی ہے   کندن کو سار او دیا گہنا اتار کے

نیچو سے بوا اچھا نہیں دو دن کی صحبت کا   کھلے گا تو مہینے بعد کل ابن عیش عشرت کا

نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما — مگر کچھ پاس ہے مجھ کو نٹے بوڑھوں کی عزت کا
نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لپیکا کھائی ہے — میں ڈرتی ہوں ہوا پھر سامنا ہنگا قیامت کا
تری خاطر میں گھر سے دن ڈھلے آئی ہوں ورنہ — کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا — عطاء اللہ نام تھا عطا تخلص تھا۔ عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوئے۔ اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے۔ اور تمام وضع قطع وہی تھی۔ ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹنکا ہوا۔ نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں۔ کرتے کا دامن بہت نیچا اور سپر بیل لگی ہوئی۔ ڈاڑھی چڑھی ہوئی۔ مونچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال۔ انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا۔ میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی۔ نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا اور مدتوں تک زندانِ مصیبت میں اسیر بلا رہے۔ اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا۔

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اس پر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے۔ شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی۔ کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا۔ بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگذشت من این است۔ بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا۔ ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے۔ میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباش وضع لکھا ہے، نمونۂ کلام یہ ہے۔

اے در بتر حسن تو کشتہ بہ چار چشم — زہرہ فسردہ شنفتہ چو آہو بہ چار چشم
بر فلک شب نمی طلپد انجم — دل رستم ز سہم می دھڑکد

دست و پا میزند عاد و در رن   ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قمر بدایونی کے ایک شاگرد ہیں - عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے -

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوئی خراب   بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اب گئے جناب   اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب   کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں اے انقلاب   اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پری سے میں نے جب پوچھا کہ اے پردہ نشیں   غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنسکے بولی اے میاں اس بات کا افسوس کیا   تم ہی سمجھو کہ وہ اک آلۂ پرواز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈائیے   داڑھی کی گھاس پھوس کو لوکا لگائیے
ڈبے کی کھیلی کھائیے وسکی اڑائیے   القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے
جو بات اس صدی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو
چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیے   مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منھ کو موڑیے
چھوٹے ہیں پہلے ہاتھ تو اب پاؤں توڑیے   ہونٹوں کی لپ سے کھائیے دانتوں کو توڑیے
پلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیجیے

ناحق سمجھو یہ عزیز ہیں انکو بھی مونڈ لیجیے

جدت کا جسمیں دخل نہ ہو چھوڑیے وہ کام   گھوڑے کے منہ میں بھی ہر دم میں ہے لگام
ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکرسے ہو سلام   اس منھ سے اب بولئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑیے
عینک سے کام لیجیے آنکھوں کو پھوڑ لیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا - منصبداران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے - شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے - ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے -

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو   کیا اسیروں کو مار ڈالو گے
ایک رسوا بہت ہے شہرت کو   جمع کر کیا اجاڑ ڈالو گے

علی - قلچاق - اوباش اصفہان کا سربرآوردہ شخص تھا - اسی مذاق کے شعر کہتا تھا - ایک شعر یہ ہے -

تعلیم سیچ پر دیتا گر ہوس بود   برخیز و سر بیا سے علیِ قلچاق نہ

عماد لر - ایران کا ایک زبردست ہزال تھا - کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں -

حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی - ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے - گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہر حال شعر یہ ہے -

سر سے پاؤں تک سفید ہو گئی تسپیر حال　　شمع سی ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین - مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رامپور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے - مرادآباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ انکا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کئے ہیں -

خدمتیں ساری فراموش شکایت ایک یاد　　شبہہ میں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد

بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد　　گر نہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد

در سرشت ہمہ این است زہے نیک نہاد

جو سے رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے　　کہا یہ رندوں سے لیجئے سلام شیشہ کا

بندہ کی طلب ہووے تو سر کار میں آوے　　خلوت میں نہو حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک :- افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا - اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بہ خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی - جو مرزا غالب کی غزل پر لکھی گئی ہے بلحاظ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے - مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پر عجب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں - اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا وار بند ہو گئی ہوگی اور ع تراکشیدہ دولت از قلم کشیدہ خدا - والا معاملہ پیش آیا ہوگا - بہر صورت غزل یہ ہے -

شب چراغ عقل تصریح خم فانوس تھا — کسوت شمہ دل کاخ غیرت فانوس تھا
نائرۂ شمس سا ترش ناقوس تھا — لاریح لات لعوق زاہد سالوس تھا
زندر و دنیلج نیلم آسودہ ناموس تھا — زورق رو ہلاک تختہ کابوس تھا
منبع لذاغ ابراد خلاغ عنت رلود — قسورت قرطاس قرطاس قاموس تھا
قلقل صفر لے شرح کروبیاں — محیط مخروط کعب شمسہ قابوس تھا
مزبل نخاس کو سر چار نفاس ننوع — قطع زنگار قسط قصر کیکا دس تھا
شحنہ جیع البقر جم مناک قصر صیفر — صیفرہ شبا نفوس نیر نا دس تھا
نخلع کلہ غنشین نریل کیف اللبد — مس لباین قطرب جاسوس تھا
صفرت اقرس قاع خاط اماق لیف — مجس قطبی خصال نفخ لطلیموس تھا
حرقت محرق قسطاس عزل حاوبر — نیوان شیخ خل گوزم گنجوس تھا
سوسنا سو شاد و فلاطین مستقیم — سوسا ربود سباب طائر محبوس تھا
سندہ با ولکسن حجاب سنوات رقود — سم سلجوق حمار قطر حا لعنوس تھا
لخت لحن نکبا قرمز سجا روف — قصہ قنبر تحیار غنبت طاوس تھا

لف و نشر حریہ شیاد خناس شیل — نیر ڈے باز و مکاڑ و جنگ ار روس تھا
تاقم ارجاع تھا قطاب تشف انعاس — طارم فقدان لسچ پچ ضو ر شمس لوس تھا
طمطراق نسر طائر قد عن بنت العنب — فیلسوف منع شیوع شعشہ معکوس تھا
ضعف شرح طا بطابات صغینہ الحذر — حف لیقن عشق تموج حسرت مایوس تھا

عبث غول ۔ ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ میرے کرم دوست ہیں۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں وہی درج کرتا ہوں۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد — وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد
یہ جوش حکمت اللہ اکبر — کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد
لباس نو ہے بی شیریں کی بر میں — نیا تیشہ خریدیں بھائی فرہاد

وصل کی دھن میں جنوں کی ٹوپی عریاں کیا — آجکل مجنوں کے چوتڑ پر لنگوٹا بھی نہیں
بھنگ گھٹے ری یونہی پھانک کے سوتے ہیں ہم — کوئی کونڈی بھی نہیں ہے کوئی سوٹا بھی نہیں
کون سی بات پہ لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے — بھائی مجنوں سے تو ہیں عمر میں چھوٹا بھی نہیں
نازنیں مجھ سے بچے پھرتے ہیں ناحق عبث غول — کچھ بھد لیل بھی نہیں میری کوئی موٹا بھی نہیں

دنیا مرے نظارۂ حسرت کی بدلجائے — نیفہ سے اگر ان کا کمربند نکل جائے

حرف فا

فتحی - نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا شفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے شفقی یک چوں با تو پرداختہ ایم ۔۔۔ با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم

او گوز ہمی زند تو میگوئی شعر ۔۔۔ او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا - مولوی عبدالوحید نام ہے۔ گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بسلسلۂ ملازمت عرصہ سے بھن پوری میں قیام ہے۔ مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی۔ سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی ٹیٹو ہے گر لاکھ مشہو نہیں سکتا ۔۔۔ مقابل لوٹ کے ہرگز مسلسر ہو نہیں سکتا

نہ دوا اچھا نہ دوا چھا نہ دلی بکارتے کی پہ ۔۔۔ مرے ٹٹو کو کیا مگر ایسر ہو نہیں سکتا

ذرا - سید محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے عرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے۔ سپاہی پیشہ خوش اخلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اُسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کر کے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہو گئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھا یا ہے تیر مژگاں کا   اس کے نزدیک بانس ہے نیالا

فدائے سخن۔۔ اودہ پنج سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

اونٹ کہتے ہیں یہ دہڑلے سے   شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو   کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے   کل ملے تھے جو اک پلّے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو   لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے
غیر کو بدہیاں پنہائی جائیں   ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی اُلجھتی ہیں   ایک عاشق مزاج چھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ   آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد۔ تخلص مولوی وحیدالدین خاں نام تھا۔ غار الجنتی خاں عرف دھونگا ضلع مظفرپور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہو لے کبھی   عمر بھر بند وہ تو نا محرم رہا
سطح سینہ پہ تیرے اے بتِ خیرہ   اُبھرا اُبھرا نظر آتا ہے کچھ اُٹھا اُٹھا

وہاں چھاتی ہے گدرائی پہونچکر یہاں کھٹکا   درخت یار و میں بادہ ہی ملغبار کھٹکا

فصاد - محمد حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ "نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ چونکہ اُس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں"۔

مے خون جگر آبلہ ہے جام ہمارا   بادہ کے تئیں پینے سے کیا کام ہے ساقی

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے کبھی نہ مل سکا۔

فغاں - اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن گوکھی کی منڈی کا سانڈا اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرہ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے کہ

راجہ شتاب رائے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو بتبدل مجھ کو چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہیئے انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو ۔۔۔ سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار پھڑک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ ان کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی بہم نہ پہنچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل روپے سونا کو منگوا کر دئیے ٹکسال سے ۔۔۔ اشرفی خانم کھونگی جا کے کندن لال سے

حرفِ قاف

قاآنی ۔ حبیب نام تھا ۔ اور بدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے ۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دورِ آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا ۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی ۔ کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے ۔ جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا ۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس سکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا ۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفننِ طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے سنہ ۱۲۲۲ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں ۔ بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں ۔

پیرکی لال سحرگاہ بہ طفلی الکن
می شنیدم کہ بدین نوع ہمی راند سخن

کای ز زلفت صصصبحم شششام تاریک
وی ز چہرت شششامم صصصبح روشن

تتتریاکیم و از شششہد للبت
صصصبر و تتتابم رفتہ از تتتن

طفل گفتا مممن را تتقلید مکن
گگگم شو ز برم ای کککمتر از زن

مممی خواہی مشتی بہ کککلت بزنم
کہ بیفتد مممغزت میان دددہن

پیر گفتا دو دا اللہ مم معلوم است این   گگزا دم من بیچارۂ نادر الکلن

ہہ ہہ ہفتا دو ہہ ہشتا دو سالہ لسفیدوں   گہ گہ گنا گنے ل لی لالم بہ بہ خلاق زمن

مم من ہم گگ گنگم مم مثل تاتاتو   تو تو تو ہم گ گ گنگی مم مثل مم من

قایم ۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہر حال چاندپور مدینہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچتی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجوں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شائع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور اُن کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آن محاورہ او درست گشت" سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔ اُن کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ اُن کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم	بے قدر کریں ہم کو جو دیکھیں زر و سیم
مسجد میں خدا کو کبھی نہ کیجیے سجدہ	محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں	میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہو
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو	نیٹ ٹھنگ کیا تو نے اے میاں مجھکو
قائم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ جی	اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نبا ہنے اور اسم با مسمیٰ ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تم کو ابھی	جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھا لاتا ہوں

کس نگوڑی کلمو ہی نے بد دعا دی تھی اسے	شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اے نانا بڑ ابوا	ڈھونڈتی پھرتی ہوں کوئی مردوا ملتا نہیں
بیٹھکر لٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو برا	مجھکو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم	بیسواں کا خون جلا کر جو کھلائے کوئی

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور	کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں لونڈا	اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے

اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلاکے کیا کرو	مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کرو
دو چار آنے ہوں تو پھڑا دوں کسی طرح	قرق اک ٹکا کی ہے تو سمجھا کے کیا کرو

وہ وہ نابھی تو میں نہیں رہتی ہو چھپا ہے   بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں
پیزا دے مری جو مرے گھر نہ آئے وہ   طوطے چشم ہیں مرد پچھتا کے کیا کروں

تُفَنُّن مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معتمد الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جس میں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

مقمل قطلان وقلام قاطر قاد   تقفیل تام قلا عد قردم وال قیم
تریم قورع قرام قرعقرم قمر لوش   مقسموق قریقم فرشم تا لیم
مقور قور چید تسند ریچ قاقل تیق   قردق تا مرق قا قلال قونغ قیم
لقوق مقمقہ ما قلال موق مقاق   مقیر مقاسہ مقساق ما قلقیم
قمام قنقنہ قند شین قو قل قیز   جقوش تقفت قلا قوش تقشن جقفیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہاتف۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں ۱۔ قمر ۲۔ جان صاحب۔ ۳۔ ہاتف صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

یہ ہے رام جن کا کام تھا کافر کا مارنا   وہ آج مارتے ہیں تنتیا الم کسم

لنڈن سے ہوکے ہند میں جب آنے مانگتا ہم جورو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگتا

ہم مانگتا سگا ولایت کا سیگرٹ اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگتا

ہم دیسی حقہ دیکھ لیا گسہ کرلیا یہ قول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا

کھانے کا کپڑا اڈالتا نیچے نہیں پسند کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگتا

مٹ بولو ایسا بات کہ ہم کالا لوگ ہے صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگتا

گنگا جلی کھراب ہے جم جم پھجول ہے ٹمبلر میں شام پین کو پلوانے مانگتا

شلب کھدا اسکا نام نہیں چرچ میں ہیں ہم گھوڑا گاڑی کرنے فلٹ جانے مانگتا

مسٹر فلپ جو آتا تو کُش ہوتا ہم بہت جب باپ ملنے آئے تو سرانے مانگتا

ہم دیسی لوگ کی طرح ہکٹا نہیں پھجول صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگتا

کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں کھر کرب جب ڈیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگتا

جاہل پہننے مانگتا پاجامہ لوگ کو ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگتا

سر پہ نہیں لپٹتا لمبا سا کپڑا اھم ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا

پیٹا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیوقوف لوگ ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگتا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

ویل ہاف صاحب بولا لڈیا کوب یہ گجل سب لیڈی لوگ باجے پہ گانے مانگتا

—— ❖ ——

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسیوجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سوے بت ہسانی — کہ غیر از ساربانش کس نہ داند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں — کسے داند کہ اشتر میچراند

کافر ٹکہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب یہ شعر نہیں ہے ٹکہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکہ مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر جنوں کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت سے ہیں ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں -

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی ۔۔۔ زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر ۔۔۔ یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافرک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظرافت اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اُس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گر بنانش دست برد ۔۔۔ پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ تبرد زود دستہائے پدر ۔۔۔ بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبرآبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہوگئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے۔

میں کہا پاس تو آ سے تولے ماہ جبیں ۔۔۔ تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبت چیں
لیکے دل تونے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں ۔۔۔ ہنس کے کہنے لگی دل تونے دیا کس کے تئیں

میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور ۔۔۔ میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا روپا بہت ہی کوئی شاہد ۔۔۔ میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا — چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار پہن کے قشقہ کھینچا — لے ہاتھ میں اپوکھتی کوئی دبانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے — جو کہئے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جا کر — آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں — اشلوک کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا — یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ — سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمہارا — تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمہارے گھر پر — دولت سے لگے اُسکے ساتھ آنے
پرکھا مری بات کو وہ چالاک — معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنسکر — بھیجا ہے تجھے آج بے حیا نے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ — جی مفت بچا لیا خدا نے
پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل — تو آج لگی تھی جان ٹھکانے
یہ تیج کی باتیں من سے کالے — کیوں لہر میں آئے ہو دولنے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جائے اور اس سے تنغض کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر — عزت محمود۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل نمونۂ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ تام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالے استاد کی — ایک کپی سے غبلے اس دم لنا شاد کی

کالی بوتل سے پلادے جلد اک جام شراب
کیوں خبر لینا بخوبی ہے مجھے حساد کی

گٹھریاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا
پائجامہ کی وضع تم نے نئی ایجاد کی

اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو
چھوڑ دینا اب روش اس لغو بے بنیاد کی

کٹ کٹار ۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا ۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا ۔ مدتوں منتظر بھی رکھا ۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تا اینکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی ۔

کشنیز ۔ بدایوں کے رہنے والے اور پیر کشنیز کے نام موسوم ہیں ۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے ۔ اس کے مصنف غالبًا ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا ۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا ۔ بہرحال انتخاب دیوان یہ ہے ۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے
پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا

ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح
موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا

توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن
کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا

بال گر جائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشنیز
ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا
یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا

اب خدا جانے وہ کھٹمل تھے کہ دل کے ٹکڑے
جو تو نے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

وعدۂ وصل کبھی یار کا پورا نہوا　　روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ　　یار کیا خوش جمال ہے میرا
میں نے بوسہ لیا تو روٹھے کیوں　　تم بھی چومو یہ گال ہے میرا
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر　　اے میاں اسے یہ مال ہے میرا
اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے　　اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا
سب خمیری چپاتیاں میری　　پر یہ اک شیرمال ہے میرا
دیکھ پردیس کو وہ یہ کہتے ہیں　　منھ کا لقمہ کا اگال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک دن کا ماجرا　　اک رقیب روسیہ نے مجھسے آکر یہ کہا
کون سا میں نے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے　　وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا
کوئی بتلاتا ہے مجھکو بدخصال و بدمعاش　　کوئی بتلاتا ہے الّو کوئی کہتا ہے گدھا
کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل　　کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی جیب کٹا
کسکو کیا میں نے کہا ہے کب ہوا کسکے خلاف　　کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا
میں سا یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر　　بات اتنی ہے کہ ہو سو.... کیسے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب　　غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب
یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھئے　　خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی　　وصل کی رات ہے یا فتح مہما کی رات
لیں بلائیں کبھی سرکی تو کبھی قد مونکی　　لیلۃ الوصل بنی ردبلیات کی رات

جا کے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ
کہ ستاتا ہے ہمیں یار بہت ہے نٹ کھٹ
اپنے چہرہ سے اٹھایا جونہی آپنے گھونگھٹ
بھتنیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چٹ پٹ
جل رہے ہیں طپش عشق سے لاکھوں عاشق
یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر
کھا کے ٹھوکر جونہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ
کسقدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج
نام معشوق کا رکھا ہے میاں رجا پٹ

ستیاناس ہو رقیبوں کا
ہیں یہی اس لڑائی کا باعث
ہے وہی قفل اور وہی کنجی
پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث
جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق
کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج
بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج
دینا ہی جواب انکی دریدہ دہنی کا
کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج
جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر
لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چپ چپ ہو گئے ہو تم خرس بیاباں کی طرح
بات کرنا ہو کرو دوسرے انساں کی طرح
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھو لو
بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر
پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح
سنکے اشعار وہ کشنیز سے فرماتے ہیں
کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہو دہقاں کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا
جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر بند
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں
جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شب وصل وہ شیریں ادا سے — لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمربند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دس ٹکے — کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پر گھمنڈ
کشتنیز ہمکو اپنی ٹھٹیا پہ ناز ہے — اس شہسوار کو جو ہے رہوار پر گھمنڈ

پھنسے بیطرح آکے وہ میرے گھر — نہ بچنے کا موقع نہ جا سے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر — کہ چھڑ جائے ہتے کوئی سیمبر
گئے میر کشتنیز جب اُن کے گھر — مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے دھوکے میں کل شب رقیب — بلا بوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں — اسی پر وہ کرتے ہیں اپنی گزر
مزے سے گزرتی ہے قلاش کی — نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے — نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا — کہ اک میم کشتنیز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے خوب جوڑا بٹیر تیری مرا کبوتر — نیا تعلق نیا ہے رشتہ بٹیر تیری مرا کبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں شرم و حجاب کے دن — مگر کہاں تک کرینگے پردا بٹیر تیری مرا کبوتر
یہ اسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا — وہ آن مجنوں یہ شان لیلیٰ بٹیر تیری مرا کبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز — بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے — خوب ہیں یا دہر کے نشیب فراز
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا — نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے — باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً — اُسنے جیب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے — میر کشنیز مار لاتے تھا نہ

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی — پھر لیجلا ہے دل اسی بیاض کمن کے پاس
دو بیبیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی — کچھ اس فطن کے پاس ہے کچھ اس لکمن کے پاس
کشنیز اسکی بے دہنی پر نہ جا بھلا — گز بھر کی ایک بان ہے اُس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز — دی بھی اسپیچ جو کل ارکیں سینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا — تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں — ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھے — آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گا نٹھ کا پورا انٹر کا پٹ — اندھے سے کام ہے انہیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں — انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا — کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مر دوڑے ہاتھ دشمن نے پہنا تنگ — کہ چکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پت جھاڑ انکو — ہرا کر دیں آپ آئے پانداں تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا تیرے سنگ — اور مرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پہ جم آئے بال — ہو گیا ختم اُن کا حسن و جمال
رکھ کے موٹا سا دوش پہ ڈنڈا — مسٹر کشنیز چلے ہیں سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں — بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں — وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا — شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی ناستہ پری — جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہی نہ بچہ ہے نہ انڈا ہے — تمھارے پاس ہے ہی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

نہ لیٹو کھڑے رکے گھٹنے مری جان — کہ اُودھڑی ہوئی ہے سیانی تمھاری

ذرا مسٹر کشنیز پگڑی سنبھالو — کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں جو پیچ سوجھے نہ دیا — جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی
وصل کی رات بھی شوخی سے وہ باز آئے — پیستے پیستے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر — شیخ کی داڑھی اُدھیڑ کر رہ گئی
عشق میں صورت ترے کشنیز کی — گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی

خون عفت کا ہوا شیشۂ عصمت لوٹا — آپ نے غیر سے ملنے کا نتیجا دیکھا

چوہا چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے نکٹا کر دیا

جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی نجارہ

کمترین ۔ ان کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے ۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے ۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا ۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا ۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اُسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا ۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں ۔

تو خصم گن کر مشلچن نے کئے — تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیئے

پلائیں مفت نصرانی کو تاڑی — اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈ و نسے راتوں میں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر کے راتوں میں

دیکھ بکوان والی کی مزاخیں — خصم کے روبرو دیتی ہے سانخیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے سیر ہلکو دوگے نازک بدن پیارے

کمن ۔ ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیور میں بھنگ گھوٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی ۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے ۔

ائے ہوا میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی موے شمر کو بسکٹ کے ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے - ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا - اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ اسیر مرحوم کو دکھائیں - اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں - اوائل میں نہایت خوش طبع رنگین مزاج تھے - ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا - اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے - عطاری کی دوکان کرتے تھے - جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا - ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا - بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - اور خود بھی طرحی مشاعرے کیا کرتے تھے - اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی - اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا - ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا - مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا - جس نے تمام لذتوں سے محروم کر دیا - کچھ امراض پیدا ہوئے - اسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا - اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا - کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو - مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشۂ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں - اور زندگی گزار رہے ہیں - ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دئے تھے جو درج کرتا ہوں - روزانہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کرکے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۲-۳۳ سال ہوگی -

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے اللہ باقی ۔۔۔ بنے پھرتے ہو چھپاتے ہو تمہیں میں اثر بھی ہے

الٰہی کس طرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت ۔۔۔ وہاں نازک قطن ہے اور بیمار اک ناکاری ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ ترے قدح میں زمزم ہے مرے کلہڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی پیسہ نہیں ملتا وہ کیلا ڈھونڈھتا ہوں اب جسے کھپرا نہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیرا نہیں ملتا

پچھاڑتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہو کر خدائی قہر جاری کرتے ہیں وہ جواں ہو کر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہو کر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹٹیاں ہو کر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوئے خانے میں پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہو کر

اللہ نے سر جہنم کے ڈالا مجھے لب میں دم گھٹ کے میاولے رکھا قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے پیالا ان کا ہوگا ورنہ کسی رنڈاپے کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا ہوا اڑتا ہے جب کبوتر یا موز آپ کا
دنیا نہائی چشمہ فیض کرم میں آہ میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کو دن سے عبد العلیم نام تھا سخنے میں جب راقم الحروف تا گڑھ کلکٹر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ سا اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

جب سے ہوئے قلندر اور چاند بھی گھٹائی — جس خوبرو نے دیکھا اُسنے چھپت جمائی
یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں یا بہنیں — فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں یا بھائی بھائی
کل بزم میں کچھ آنے کی اس طرح رکھائی — جب ہمکو چین آیا جب جا کے کھیر کھائی

چھاج مانگے ہے مصور کھٹیں ابھی بھائی نہیں — اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں تا شفو اسکے — بلی کی میاؤں میاؤں کوؤں کی قاؤں قاؤں
گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں — لے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا - مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں - مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے - یا ہیں - بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے - مگر ناکام رہا - بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے - بہرحال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے -

ہائے تجھ بن چارپائی بھی ہے چپ — آج وہ آواز چر چر چوں نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان قصبوں سے مل — لے کمانے کھانے کا بھی جھگڑا جاتا رہا

حرف گاف فارسی

گرم ۔ مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے ۔ ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا نہ ملا ہی ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو ۔

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملائے چشم ۔۔۔ آنکھیں کیا چڑھ گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام ۔ شیخ احسان علی نام تھا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخ صاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا ۔ اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا ۔ مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے ۔ شیخ صاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا ۔ شیخ صاحب ایک اوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہونچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی تمہید سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ۔ رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے کیا آپ نے

کبھی آج کچھ نظم فرمالیا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اسو یہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک
کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ
کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنا دی جس کا ایک مصرع مشرق
اور ایک مغرب کی خبر لارہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا ۔
سراپا ناموزوں ۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک
سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی ۔ اور ایسی داد دی کہ شیخ صاحب بھی خوش ہو گئے
پھر کیا تھا دوپہر تک قصبہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آرہی ہے
اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار
پر پھولے نہیں سماتے ۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے ۔ کہتے ہیں تو یہی
کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے ۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ
کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب وغریب
شاعر کے لئے انوکھے انوکھے تخلص بھی تجویز کیے گئے ۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں
اور بیشتر پسند نہ رہے ۔ لفظ (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس
پچیس سالہ کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے ۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا
اور بیکے ہی رو و د دیکھے ہی آید کی مصداق بالکل صادق آگئی ۔ احباب کے
مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع
کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی ۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے
شہر بھر کے مخاطب تھے باہر کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے ۔
راقم الحروف بھی جب باہر چلا جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز
پھر ان کا کلام سننا پڑتا ۔ باہر کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب
نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ جن مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید ڈاڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی
اہتو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہوگئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے
ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب
کا شکار۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دور دیہ سلام لیتے ہوئے
چلے جارہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہوگئے
آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی
ناہمواری سے لطف اٹھائیے اور بے پروائی الابالی کیفیت خلاقت پڑھتے جائیے
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو ہاپوڑ کے سنہ ۱۵ یا ۱۴ کے عظیم الشان
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سر پہ عرش محال ہوگیا
اسم اعظم دافع سنج دشمن شرک و بدعت کا قائل ہوگیا
ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہوگیا
اس منفعہ گرشت کو کواکب پہ رتبہ فوق الفوق حاصل ہوگیا
صفحۂ مردمک چشم مضمون رخسار کی منزل ہوگیا
داغ جبین سائی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہوگیا
ہمنے نقد جان و مال وقف منظر کردیا افلاس کا حل ہوگیا
لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہوگیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو نسخہ مکمل ہوگیا — رخ پر نور کی بلبلا ثیر حسین کا تل وانہ ہوگیا
تنگدستی سے ہمارا عمل بنظر غافلت مستبدل ہوگیا — اے رحمت عالم تجھ کو مکافات رشتی عمل ہوگیا
حاصل ہو لیاقت نعت کی یہ ہیچ کو غیر ممکن ہے — یہ فخر ازل سے گنا ہمارے کی خیال کو حاصل ہوگیا

حرف لام

لا اعلم - اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپکے کمالات کا معترف ہے آپکے چند شعر درج کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک واکھوسٹ (واسوخت) سنئے جو یورپ کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عمدگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں -

سیاں کوئی کبھو الا کے کہا رکھت چیت رہے   گاؤں ماں جائے کے لنکوٹ کھیت رہے
آپ پیٹو ہم اسامیں کا سدا دیتا ہے   اپنے ممتوں سے بچھر بھیٹ بھی لے لیتا ہے

کا ہے جو جاسے کہ بچ اب نہ تما کو ہوئے کے
تھمری جو نچو ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے

جو کوئی تم نے دیی ست گجو دھر جا نیئو   ہمکا مستی نہ کبھو منی کا ماتھے سرجانیو
تمکا تا ئب کیا آپن تم اپن گھر جا نیئو   اس کبھو کام نہ اب آپکا کا لو کر جانیو

گھر پہ کی اور ست ننگی نہ دیبو تمرا لکا
تمکا سوپت ہے نہ کبھو چین ستے ٹھکرائیگا

جیو لو سیاں کل ہے بہت کاکی اب اپنی کتھا   سیت تو ہوت ہمار وگ ہے بس منی کا
کبھو تیر پروا ماں جھوون تے ستا صاحب کا   کھوب پالن ماں ملا تیل کا چلیپن اپنچا

آن کے پچھنین کا مجا کھوب چکھیہ با اُن کا

ہم تلاسے ہے پھرن باگ ماں پلکا پاوا　　　تب تو اوی چھپل چھبیلی کا تنک بلوا وا
پاس بیٹھال کے اور نسے یہ ہم کہلاوا　　　تم تو تکیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا

ہم کہا اُنسے کہن آنکھ رستے لگی نہ کرو
میکو اکا ہے کہن ہنسکے د لگی نہ کرو

دوسر تو بیتا گو اہکا ہوئین باتن بات　　　جب گئے سورج لستھ اور تنک آئی رات
ہم کہا اُن تے کہ ہمتو ہن اب گھر کا جات　　　بولی رہ جیتے کی کچھ بہوت نہیں ہے ملیکات

اس نہ تم تنہکی نہ ہنک کوئی کا جیو جارکے جاو
جی کے اب کا کرینے جات ہو تو ہار کے جاو

اُن کی انکھین سے لگے آنسن بہے جب جھر جھر　　　پھر تو کتا سے نہ کتھا جیو کا مسوسا بہر بہر
ہم کہا رو و نہ جیو اپنا ہت ہے پھر پھر　　　ہاتھ چھاتی پہ رکھو آپ تو نہ نکستا پھر پھر

ہو سکت اب تو ہے اٹھت جاو سبکیے
بن کہے تم سے بھلا کوڑا اٹھاو سبکیے

پھر تو بس ریکھ گئین بیٹھ ماں سکا مارن　　　اٹھ کے پلکا سے گئین پالی ماں دئیا بارن
ہانک کے ہم سے انگوٹھی کا کھو ہا جہالن　　　اور اس وہن کی مہا کا ہ اسے ہم پڑوارن

ہم کہا اُن تے کبھو کا مہ نہ ایسا دیکھیو
گھر ج آپنا نہ کبھو ساکھو ہے سپہ بتا دیکھیو

بولے تم روج بہیال کلھے کا آوا کریو　　　اور کبھو روج نہ تم آئے کے کاوا کریو
سمجھا نعائیں کبھو منہ نہ دکھاوا کریو　　　بیٹھو بس تم بھی تکو اس نچاوا کریو

میکو اپٹر تے جائے کے جیو کا دیا
دیدی کھٹیا ترسے جیسا ہیں تو اوہ کا دیا

میکو ایبھر کے منھ بھری تر پچھ دیکھنے لاگ   ہم کہا ہمری یہ مرجات ہی ساری بھاگ
چولھو آپن تو الگ باکے اور لاسے کے آگ   جا کر رہیا ہیں جو کا نڈل کا لے بھجن دے ساگ

ہم جہت انکا کوئی بات کی تکلیف نہ ہوسے
ان کی دیدی سے نہ ڈر دیا ہی کوئی چینپھ نہ ہوئے

سانجھ تو ہوئے گئی اب چلے کے کریں اشنان   آسکے ٹنڈا ہے یہی ہم کا جنت ہیں اوسان
آج کر من مال تھ پوری کی لکھت ہیں بھگوان   سیر آٹھ ایک ایک رہن کا اڑھد لے تھیلا سے پسان

ہم اور تو ہم دوئی منتی بھو کتا کم ہوئے جیسے
پن پیاؤ کے لیئے اتنی رکم ہوسے پیسے

بانٹ پھر سیا تھو کے منھیں کا دیا ہم چھٹا   اور کہا گاڑاں تم چلے کے سینکو بھونرا
گھوڑ کا پیر تے باگ یاں نہ ہولے دہیا   آپ کو تیاں گئیں چلے کے نہا دھوا

بستر ے پر جو پھر سے کھوب لگا وا بیرا
ہم اور اوی دونوں جٹے بیٹھ کے کھاوا بیرا

میکو اتنے میں جو کاسے کہس ہم سے پکار   آئے بھوجن کرو مٹھا کر ہے رسوئیں تیار
ہمتو جو کا مال سنگے اور دیہا چھلین کا اٹا   گوڑ کا دہو سے کے پھر بیٹھ گئے پلتھی مار

میکو اپر سیا دہس ساگ نہ پوری جھٹا سے
ایک گھنٹے میں تو سمیٹ گئی سب ٹھاٹ سے

پھر تو جو کا سے کھٹن جھاڑ کے چوتر باہر   بیٹھا پر پھیر کے ہاتھن کا ڈکارن ارار
پال ہاں جا کے اڑا اپن تنی ست سٹار پر   گوڑ مو پھیلا سے کے پھر لوڑھ رہن پلنگا پر

اوی کہن آسے کہ لیٹ جو بنے سو رہی
ٹرچلو کھوڑ کر دہم بھی تنی سوئی رہی

کھوٹر پائن تو گرے لاگ کے پھر سے رہن   پھر تو اس سوئین کہ دونوں جگائے جاگن

اوی دداہوت بھرتے جو ذرا چینا پھٹن ٹینٹ ماں ہمری روپیا ہے لوٹن لاگن

ہم کہا کا کرہو بولیں جو بیٹن پیتم

گوٹ لہنگا میں گرنٹے کی لگا تن پیتم

دس روپیہ رہیں لبس ٹینٹ میں ہم کھو لیا اور کہا لیو پران آج سیا د لہنگا

پھر کہا ان سے کہ ابھو جو بلیبا تم کا بولیں ہم کا جنین یہ حال تو جانے دیدیا

سن کے پیا آنکس تو آنکھن ماں ناکسا بھر آئے

ہم ددا گھوڑے پہ اسوار بکھئے گھر آئے

متفرقات لااعلم

دختر کوتوال ظالم ہے بیگناہوں کو ٹانگ دیتی ہے

انگوٹھی تو یوں مفت پائی ہوگی سناروں کو جیب کتنی کھائی ہوگی

کنجڑن کی ایک چھوکری بیرا اسکو دیکھ جھکا وہ اسکو دیکھ بولی سر کی اتارونگی

مالن کی تھی وہ بیٹی ہے تکی ساگ بیچتی سویا تھا پاس اسکے جو چاہتی سو لیتی

دھوبن کی دوستی ہے دل گھاٹ گھاٹ ہے لہنگے کو چاہتا ہوں کہ جھٹکا لائے ہے

دم دیکھے دم کو لے لیا اسلام کو دیکھئے وہ آتش پیچے دیکھئے اور ہمکو دیکھئے

دہ دہ ہجر میں کھاتے پہ پہ پیٹ لگا کچھ ہم ہم بدتیں گزر گئیں پہ پہ پاس تم نہ آئے

سن سن سر دسکے پہ پہ پیڑ پر ق ق قمریاں ق ق قوں کریں

پہ پہ بادشہ کے مزار پر ر ر رنڈیاں ر ر رون کریں

یہ میری چیز ہے کیوں دل تمھیں نہیں دیتا تمہارے باپ کی ہے جان ہتلا دیں

یہ دختر رز حرامزادی مردار مینا بازار کی ہے رہنے والی

ایک گھونسہ ایک مکا ایک جوتا ایک لات — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

لے موئے میاں بہت سی موٹی کمر کا — ہاتھی کی کمر پر قلم لٹھ سے لکھا ہے

مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں — جوانی کیا تمہیں پر پھٹ پڑی ہے

سمجھا کہ سر پہ رکھ کے مرا چاک لے چلے — دوڑا کمہار شیخ کی دستار دیکھکر

چاندنی رات صنم چاند نرالا نکلا — رنڈیاں گر پڑیں پھڑک کر دلکا دوالا نکلا

شنیدم شیخ جی در ضعف پیری — بہت سی کھا گئے روٹی خمیری

صدائے گوز آمد چوں نفیری — بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری

کہ از بوے دلاویزت تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خانداں اپنا — تری الفت سے باز آئے اٹھا لے پاندان اپنا

دختر درزن کا سینا دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجیے

اب تو اے درزن ہمارے جامہ کو تیار کر — کام ہے مجھکو شتابی آ ذرا سینے تو لگ

دھوبن کی چھوکری نے کس گھاٹ جا اتارا — جب سے کمر کی ہے کندی تڑپے ہے دل ہمارا

لڑکی کمہار کی نے مٹکا کے چشم و ابرو — دل چاک کر دیا ہے پھرتا ہوں لوٹا لوٹا

گڈرن کی چھوکری سے میں نے کمان پکڑی — کم ہی کیا محبت یہ کس نے بھیڑ ماری

جب سے دیکھا دختر تیلن کا تل — تل پہ تل خون جگر پیتا ہوا

ت ت تم تو سنگدل ہو ص ص صبر کیسے آئے — چ چ چاہ میں تمہاری ڈ ڈ ڈبتا ہے یہ دل

دونوں رخسار عنایت کریں ایک ایک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے

سو بوسے گر دیتے ہیں تو دو سو دیجیے — تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

دم کا کے بوسہ لیجے رخ نمک کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

سمجھکر طالب بوسہ بگڑکر کہتے دربان سے — یہ کیوں آتا ہے کہدو کیا یہاں خیرات بٹتی ہے

خال کو چوم کے بوسہ گل عارض کا لیا — میں حبش سے جو چلا جانب لندن نکلا

جو پہلے بوسۂ پستان یار لیتے ہیں
وہ دودھ پر کی ملائی اتار لیتے ہیں

جب سے کہ انکی جالی کی محرم پسند ہے
سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں بند ہے

بند محرم کے کھلے ہیں اس سے مغرور کے
اڑ گئی سونے کی چڑیا رکھ کے ٹانڈے تو ڑکے

قدرت خدا کی دیکھئے پستان یار میں
پیوند فالسے کا لگا ہے انار میں

چھوا سینہ تو بولے مسکرا کر
کہ پانچوں انگلیاں ہیں سب تو گھی میں

جوبن ترا ابھار رہے انگیا میں اسطرح
جسطرح اپنی جھو نچے کے اندر بیا ہے

رخ انور پہ آن کے ہے عیاں خال
یہ پتا سے دودھ میں مکھی پڑی ہے

نہ گھبرا ؤ ابھی مرغ سحر سے
ترا غول سا میں ابھی بتی پڑی ہے

نہ کیوں ہو کم سلوں کی شہرت بیدار لیٹی
خدا دیتا ہے جب پانی تلک بھی گھسے برتن میں

ہے شب وصل یوں ہوا آہستہ
چار پائی بھی کان رکھتی ہے

بہت دنوں کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال
رہ چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

یاد آتی ہے جو وہ برچھی سی متوالی کی
گو مسلماں ہوں کہ پیدا ہوں بیٹا ہوں کالی کی

تم کو لازم ہے پکڑو اب میرا
ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

خوب کروایا اب تو مست کروا
مجھکو رسوا یہ کوچۂ و بازار

حکم ہو وے تو آج مار دل میں
کھینچ کر بیٹھیں عدو کے کٹار

ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں
تیرے قدموں سے مثل رنگ حنا

خوب پکڑا حضور نے سر بزم
غیر کا ہاتھ مجھکو سمجھا کر

کیوں نہ جھکتے ہو جب بٹھا لیا
ہاتھ گردن میں پیار سے آکر

جی میں آتا ہے کہ رکھ لوں آپکے
عطر کا پھایا لگا کر کان میں

ہوئی خالی نہ جانے پائے بھائی
مہینا کا ہے یہ حال جیسی ہے کالی

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند   بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی کھنسا ہولی کی جو بھیّا ہمرے سُن پائن   بلوا بھیج کے نوّا کے ہاتھن ہمکا بلوائن

بڑی خاطر سے دستا ہمرا لے کے لیگئے بھیتر   بچھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن

گلوری دان چاندی کا کہن بھگوا اسے لے آو   دساوری پان بھی منگوا کے بھوجی سے لگوائن

کچوری پوری سرٹری دال موٹھ اور بہتی تکونے   وہ بھوجی لوک ناتھن سے وہیں چکواے منگوائن

گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر   بڑکیا اور مٹریا گھیوں میں لپٹے خوب پکوائن

غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھی ہم کہ   ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن

بدل لہنگا و پٹہ بھوجی گاون ہماری بلوائن   ہمارے قرب ان بھلا سے کے گانا خوب سنوائن

عبیر اور بکا سب کھا رہا بھر بھر کے کھتریا میں   ملن بھی ہمسے گلوا ماں اور اپنو خوب ملوائن

منگا لیس دار دمہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل   بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلہڑ ہم کو پلوائن

وہ بہت تیرے عشق کے آزار کی ایسی تیسی   کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی

جو کہ غیروں پہ مرے اُسکی محبت کیسی   ایسے بیہودہ دل زار کی ایسی تیسی

گھورنے کے لئے اچھے ہیں کھانے کو علیل   یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی

سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے ایجانی   تم لعل ہیں یا ہو تو زردار کی ایسی تیسی

بات کرتے ہی وہ چندیا پہ چپت دیتا ہے   ایسے معشوق بد اطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی   اُٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مُردہ نہ بستر پر

لاغر ہوا میں اتنا کہ مکھی سے جو چھینکی   اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

. . . .

جب میں کہتا ہوں کہ گیومی کس ٹپر — ہنسکے فرماتا ہے یومی ٹیک ہیر
غزیبو نپہ مت ظلم کراے ڈیر — میں قربان جاؤں اگر کم ہیر
بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں — یاب ونیم میں بیٹھے ہوت ہیں غنچا
خسن کے سبب بند طاؤسی شد — کہ انگن میں ہوت ہیں پانی کے ریلا
رسوئن میں پکت ہیں کھانے ندیق — بکرین کے قلیا مچھرین کے شوربا
للن کے ذرا بخت عالن تو دیکھو — خسر فوت شد اور خسر یا بقایا

لاابالی مرزا لاابالی کے تخلص سے اودھ پنچ سابق میں واقعات حاضرہ پر ظریفانہ شعر لکھتے تھے نہایت مشاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۴ء کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی تو آپ نے ایک بڑا مسدس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا الٰہی ابر سے کیونکر پھسل پڑا — کیوں ابر بھی نہ اسکی برابر پھسل پڑا
بجلی گری ہے یا کوئی جوہر پھسل پڑا — اس شوخ سیمبر کا جو جوہر پھسل پڑا
سنہ چار کی کمر سے ستمبر پھسل پڑا

سڑکو نپہ دیکھیے تو گدھا کہیں پھنسا — چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑا پڑا
گھوڑے کا دم ہے ناک میں تانگہ ہیں ڈرا — ہاتھی بھی فیل خانے کے اندر ہی کا رہا
چوہا بھی اپنے بل سے نکل کر پھسل پڑا

گر چھپکلی کواڑ سے نکلی پھسل پڑی — بلی کہیں جو آڑ سے نکلی پھسل پڑی
ہرنی کہیں پہاڑ سے نکلی پھسل پڑی — چیونٹی بھی جب دراڑ سے نکلی پھسل پڑی
لنگور گر پڑا کہیں بندر پھسل پڑا

سب سُن سنا کے کچھ میں مرغا اڑک رہا — مڈھی زمیں پہ آرہی ٹڈا پھسل پڑا

پڑی تو لٹ پٹا گئی بڑا لڑھک رہا   چلائی چیل پانی میں کوا لڑھک رہا

چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے آ رہا   صاحب بھی آتے جاتے میں کھٹ پٹ سے آ رہا

الجھا جو لاہا پان میں دھچکے سے آ رہا   کوئی تو چت گرا کوئی کروٹ سے آ رہا

بابو کہیں ڈھلک پڑا استر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہو کے گئے اک برات میں   پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں

سمدھن لڑھک پڑی سمدھی کے ساتھ میں   سالے سلج کی گتھ سی گئی لات لات میں

دولہا دلھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آ رہی   بھانڈوں کی صف بھی باتیں بنانے میں آ رہی

یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آ رہی   کسبی وہاں وہ بھاؤ بتانے میں آ رہی

باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش میں دور شراب تھا   ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا

بدمستوں میں جو جوشش شوق شباب تھا   پامال تھی حیا نہ خیال حجاب تھا

اس پر گرا جو غیر وہ مجھ پر پھسل پڑا

پہلے تو چہکے ساقی رنگیں نے ٹانگ لی   بھاگا جو ادبدا کے تو برہمن نے ٹانگ لی

کیا رند میگسار کی چھلنی نے ٹانگ لی   پھر ہوش اور حواس کی کن بیچ ٹانگ لی

کل شیخ مسجدے میں اکڑ کر پھسل پڑا

شبرات کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے۔

کیا شور ہے جہان میں کیسا ہجوم ہے   چل پھر کیسی روش کی ہے کیسی دھوم ہے

حلوا پراٹھا پکا ہوا بالعموم ہے   جاری ہر اک سمت ادائے رسوم ہے

اس کھلبلی میں پڑتے ہیں اطفال ہر گھڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج مچھندر بنے ہوئے — کرتب عجیب کھاتے ہیں بندر بنے ہوئے
نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے — دریا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے

چڑھ کر سناتی باد ہوائی ہے یہ تڑی
آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

شوخی ہے چیرہ دست شرارت کا راج ہے — زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے
پاتا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے — آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے

غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر پڑی پڑی
آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب گیا مذہب گیا — کیوں گیا کیونکر گیا کس جا گیا اور کب گیا
گر گیا لندن کو تو وہ معدن تہذیب ہے — سمجھ لو آج شرف میں اس کا کوکب گیا
جانتے ہیں جذبے کو مرکب ہیں ہزاروں کیا حرج — اک اڈ کا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا
سامنے ہے لندن کے تیرے لیڈیاں ہیں لندن حور — کھل گئی جنت کی کھڑکی اب تو گر لب گیا
ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم — جانے دو گر چھوت سے دین سری دب گیا
کیک سا ٹکڑا کوئی اترا گرے پیٹ میں — ہے یہ ارشاد زباں اعلیٰ گیا اعذب گیا
کوٹ پتلون سے لفافہ ستر پوشی مدعا — یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا
آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوشی آمد خوب شد — گر تعصب جل دیا ادنیٰ گیا انسب گیا
بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی سبیل — یہ بھی اچھا جوش ہے گو جوش مذہب گیا
گرچہ ہاتھوں میں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیاں — دل سے بھی گرچہ خیال فرض و واجب گیا
داڑھیاں منڈ گئی ہیں تو اس میں بھی ہے اک فائدہ — شانہ وہ کہ قلب سے اندیشہ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس
تھا کلٹ ہب کھیلن کا ڈھب اچھا ہوتا اڑ گیا

اب کہئے تو کیا بنیں یہ پاسی سید
موجود ہیں نت نئی نواسی سید
کیوں شیخ مغل پٹھان بنیں صاحب
حجام ہوں میر اور مراسی سید
کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں ہیں جب اکثر سید
مسٹر نہ بنے گا ان سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چمار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے
ہوتے ہیں بڑوں سے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور پاک بھی ہے
رشیا پہ منہ آتے ہیں اسکو کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منہ پر تو ذرا دیکھیے کوئی ناک بھی ہے
جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ
کمزور کے اپنے کا قدم ناک میں ہے
گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منہ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لافر۔ اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے گھر سے
بال صیاد کٹ گئے ڈر سے
سانٹھیے تار و پود شوخی کو
ہزل گوئی کے خوشنما پر سے
وہ خفا ہیں تو کیوں مناؤں میں
میری تو لی ہے جوتی کے گھر سے
بلبلیں باغ میں چہک اٹھیں
میرے نالوں کے دلنشیں سر سے
مر گیا ہائے رے دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پرسے

بزم رنداں میں حضرتِ واعظ — کیا ہی بیٹھے ہیں دیکھئے رٹتے
لاکھ پٹی پڑھائے غیر انفس — ہم لگا لائیں گے کبھی گرتے
واہ رے ہم کہ عین بارش میں — وہ چلے آئیں پائنچے کھرتے

ایک تو ہم مزاج کے کھرے — اُس پہ غصہ مرے پہ سو ڈرے
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو — روز پیتے تو ہو بہت غرّے
دعویٰ پارسائی اور یہ منھ — واہ شاباش مرحبا بڑے
کیا انوکھی غزل لکھی لا فر — شاعری میں بھی لگ گئے گھرے

سمجھ میں نہ آئے کسی بیل کی — سناتا ہوں وہ نظم میں ذیل کی
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے — نہ سمجھے جو کوئی منزا بوم ہے
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ — نہ مانے جو الّو کی دم فاختہ
نہاد و جہاں ہم چو من دیگرے — بفہم اشتریم دیو دانش خرے
سنانِ الف را چو شر درکشم — تلا را بہ دوزم مثر برکشم
گلیم جو و جنگ یک گز دارو — گریزاں شود مولوی کھانڈے اوا
بگلزار معنی چو من بلبلم — چرا پس نہ صد بلبلہ بلبلم
مرے بلبلانے میں یہ بات ہے — کہیں بات ہے اور کہیں لات ہے

نہ چھوڑا لکھا لکھنے میں شیخ جی نے تند اَب کا — یہ حال اب بھی پارہ لے ریلسوں ہو گیا
گر خاصی ہے فٹ بھر کی تو منھ بھی ہو دو ڈیڑھ انچی — مگر یاں شاعروں کو یہ تو نا محسوس ہیں گویا
دوائیں ان کی بیاں اعجاز ہیں اکسیر ہیں بالکل — اطبا اشتہاری سب جالینوس ہیں گویا

زباں جو کچھ بھی کہتی ہے یہ دانش کو سناتے ہیں — کھڑے ہیں دونوں طرف کانوں کے دو جاسوس ہیں گویا
یہ لو یادش بخیر آ ہی گئے وہ حضرت لافر — یہی ہے ننگ تو غارت گر ناموس ہیں گویا

پھل لگے قامت دلدار میں قہ قہ قہ — معدن لعل لب یار میں قہ قہ قہ
بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چہ چہ چہ — خندۂ کبک ہے کہسار میں قہ قہ قہ
کلیاں کھلتی ہیں ترے ہاتھ سے کھل کھل کھل — پھول ہنستے ہیں ترے ہاتھوں میں قہ قہ قہ
ہائے وہ شوخ حسینوں کی شرارت باہم — ہی ہی ہاے وہ ملتے دو چار میں قہ قہ قہ
بھولے کبھی جو دل زار ذرا ہنس دیتا — گونجتی گنبد دوار میں قہ قہ قہ
شوق مے نوشی میں سارے رند و نکی وہ ہاہو ہو — لطف مے کی بھی وہ ہر بار میں قہ قہ قہ
قہقہے ساقی و ساغر سے صراحی کے کہیں — قلقل و مینا و میخوار میں قہ قہ قہ
قمریاں ڈھونڈھتی ہیں سرو کو کو کو لب جو — پا بگل قید وہ گلزار میں قہ قہ قہ
فرط اندوہ میں بیتاب پڑی لوٹتی ہے — کس نے چن دی ہے یہ دیوار میں قہ قہ قہ
لپٹے پیچ یہ مضحکہ ہے یا الٰہی توبہ — باندھی ہے شیخ نے دستار میں قہ قہ قہ
گدگدا دیتا ہے وہ رہ کے مفر اے ستار — دوڑ جاتی ہے جو ہر تار میں قہ قہ قہ
کھلتی کیسی مگر شوخ لب نیر سے ہنسی — کیا ہی وہ غنچہ گلزار میں قہ قہ قہ
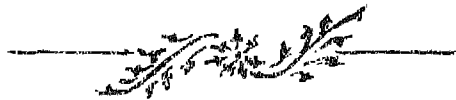
ماجد۔ ان کی ایک غزل نظر پڑی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی فحش گو ہیں۔ اسی غزل میں سے میں صاف صاف اشعار نقل کرتا ہوں ۔ جو الفاظ غیر مہذب ہیں اون پر نقطے دیے جائیں گے ۔

لطف دیتا ہے مرا وصل میں شیدا ہونا	اور اس شوخ کا رہ رہ کے پشیماں ہونا
لطف تو جب ہے کہ ہوں دونوں ہم وصل کی بیتاب	چاہیے تم کو بھی سا کچھ مری جاں ہونا
صاف بتلاتا ہے کمسن بھی ہے نادان بھی ہے	آنکا ... کی درازی سے پشیماں ہونا
خوف ہے ان کو کہ ڈھک نہ پڑے صحرا ہیں	چاہیے ... کے بچاؤ کا تنگنیاں ہونا
وصل کہتے ہیں کسے سن لو اسے غور کے ساتھ	کسی ... کا کسی ... میں مہماں ہونا
غیر بیٹھے سے شب وصل اکڑنا کیا تھا	ایسے موقع پہ ضروری ہے کھٹے خال ہونا
سہل ہے کہنا یہ غزل ایسی کوئی تیار ہو جاؤں	ورنہ ممکن نہیں ماجد سا سخنداں ہونا

مبین ۔ حافظ قطب الدین دہلوی کے صاحبزادہ تھے جن کی شوخی کلام بعض اوقات ہیں ان کے کلام کو حد ظرافت ہیں سے آئی تھی ۔ نہایت نیک نفس خوش مزاج آدمی تھے تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت زندہ اور بخیریت تھے ۔ نمونہ کلام بہت کم ہے زیادہ کلام اس رنگ کا دستیاب نہیں ہوا ۔

نزع کے وقت جو وہ مشتاق آیا	کلمہ موت کو بھی غش سے شتاں آیا

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا — میخانہ میں ماتم ہے ماہِ رمضاں آیا

مجرو — محمد پناہ نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا۔ فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے۔ عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے۔ اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا۔ خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا۔ نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو۔

اس چاند میں فلک کا مجرو سے گھر بسا — اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن — غالباً محمد محسن نام ہے خان اور ریاست بہاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہو کر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے۔ ایک دیوان چھپوایا ہے جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے۔ اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھ کر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعویٰ صحیح بجا ہو۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا ان کے ہم سر پہونچ چکے تھے۔ ان کے دیوان کو ان اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ محسن اور مشتاق دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب ذیل یہ ہے۔

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا — راز سربستہ ہے باجی وہ در قرآن کا

ہے یا دینڈی کو بھی وہ لٹکا پھر لگا پھوڑوا دھڑکا بھڑکا — نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

بگاڑ دنگی میں ابھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ بیاں گھر کا — کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر بخار اپنا

ہر سانس کا ہے کو سوت ہے وہ ہماری ہر طرح سوت ہے — نہیں ہوئی ہوتی خوشی جو وہ بگاڑا دشمن نے یار اپنا

کھیل سمجھا ہے سفر بہشت وا اندم آیا گا — حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس موئی اشتا کا

کبھی کے گھر سے لگا کر بیٹھے ہو یاں تم — واہ کیا کہنا ہے مرزا آپکی اس یاد کا

نند کی چال نے چلکر آ گئی ہیں چال ہیں — تھا سبب بیگم ہوا یہ رنج کی بنیاد کا

بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزار نہیں ہوا — گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا

بیٹھنے پائے نہ تھے جو بڑا اٹھا لے چلیئے — خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا

جے کی لت بھی لگا دی ہے تو اب کوا دی — زندہ در گور ہو باجی موا دشمن انکا

پچھلے ساون ہیں آ بیٹھے سوت کے گھر میں دولھا — دیکھئے اب کے کہاں ہو ہوا ساون آنکا

دولھا بھائی پہ سوتی ہو گئی ہو عاشق — گو نہ دیکھتی ہار میں کیوں نام ہے مالن آنکا

پھر گیا طبلہ سہاگ نے آج گوہر جان کا — کیسا ننگا ہے نگوڑا یا پچندر بھان کا

ہوئے ڈھول خالی شیخ جی تم — خوب ہم نے بجا بجا دیکھا

گھر وندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے — مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا

نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب — لگا رہا ہوا کھٹکا مری سحر کا سا

روٹی ممکن نہیں بھڑے سے تو کہنا کیسا — چھوڑو دیکھئے کواری روز کا جھگڑا کیسا

کالا منہ نوج ہوا ایسا کسی بندی کو نصیب — داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا

شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے — دولھا بھائی سے مجھے لے ہوا پردا کیسا

کسبیوں کی سی نہیں وضع تو یہ ہے باجی — اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا

جس سر زمیں پہ جائے ہے آسماں نصیب — گوئیاں رہی ایک سا ہے یہاں اور وہاں نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر
ہو جس لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب

خام ہے یہ اُدھیڑ بن گُئیاں
چھوٹتی ہے میاں سے کسبی کب

آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی
رہتی گوہر کو ہے بیگار بہت

لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ
کہا باجی نے دتّا موئے دور ہٹ

انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا
اسپر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج

دربدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد
یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد

سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں
ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سُرخ

جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں
خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد

کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی
میری جُتی ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ

ایک دو تین ادّی بوا حد ہے
کس طرح اٹھیں چار چار کے لاڈ

اب نہ جائینگے چھنالوں کی گلی میں مرزا
قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآن سر پر

یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر
بھلکی والی پہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر

روٹی کپڑے کو بھی اے بیگم بوا محتاج ہو
آ گئی کھتی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھ کر

کرے گا خاک موا بیوی خالہ کا لحاظ
نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو اچھا کا لحاظ

رنڈی نگوڑی کی فقط گلبات کا لحاظ
دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ

مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر
یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع

ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا
ہیں صاحب اُن کے کلٹے منہ لگے مردار حیف

ہے رنگیلی ترا بوڑھا میاں اللہ کی عطا
پوپلے منہ کا خمیدہ ہوا کمر سے عاشق

چمن میں جا کے رنڈیوں کو بلا لاؤ گے یوں بیٹھ کر کب تک
کباب کھا کے سو جاؤ گے تم کرو گے ہو کو کباب کب تک

اجی وہ بالا نہ لاؤ گے تم پتا لا کے کب بتاؤ گے تم
کبھی تو گھر سے آ ہی گئے تم لگے ہو کو کباب کب تک

دل اسکی تیغ ابرو پہ فدا ہے　　وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے

نہ مارو شیخ کو بے ہوت باجی　　نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے

نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیچھے　　بڑا نواب کا سالا بنا ہے

ننگی نگوڑی ہی باتیں بھی اور سب کے سامنے　　کچھ تو حجاب پیارے میاں او میاں سے ہے

ساتھ لونڈے کے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے　　لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے

بوا رو دیں مجھے جب پیچھلے وہ　　بری ہی بولی نگوڑی ماشا ہے

بناتا ہے سوا دل سے لپکے باتیں　　بڑا حسن نگوڑا مسخرا ہے

مخشر — عبد اللہ خاں نام۔ رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے۔ ہم نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا۔

کہیں تم جو چلے میں پاس کچھ آنسے نہ کہہ بیٹھا　　مری اچھی بوا یہ مرشد مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق — اشتیاق احمد نام ہے۔ سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ گل باغ مراد مادہ تاریخ پیدائش ہے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم الف اے تک

حاصل کی۔ ۱۸۹۶ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا
کیا زمینداروں کی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جس ترک موالات نے مجھے
لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلا ہونکے لیے اسکیم گاندھی چل گئی
لیڈر و سرکار میں بیٹھے بٹھلائے چل گئی

امن ہو رخصت اگر قانون شکنی ہوویں
اینٹ سے اینٹ بجیں غائب جو جیلیں ہوویں

آپکے دل میں اگر وقعت ہے میری رائے کی
کیجیے سوراج کے خاطر حفاظت گائے کی

شاہ ہی جسکی نہ ہو یہ بحر وہ سوراج ہے
ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

جس زمانہ میں مقید ہو گئے تھے موتی لال
ق
اک محب خاص کو میں نے جو پایا درد مند

میں نے انسے کہدیا یہ رنج سب بیکار ہے
خود خدا رکھتا ہے اندر سیپ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز سہل
کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو میں نے جواب
آجکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوئے ہندو پہ گاندھی
سوراج کے لینے پہ کمر آپ نے باندھی

ہوسے کے خنجر جڑ سے اکھڑ کر کے کھلا
جب سال گذشتہ چلی ترحم کی آندھی

مفید ان کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا
بڑی حیرت ہے ہمکو ان کے لڑکا کیوں نہیں ہوتا

نہ بولینگے کبھی خان اسلامی یہ گلکٹر کیوں
بتاؤ پنڈت پھر شدھی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گرہا کی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں
ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال میں پٹواری صاحب ہوتے تھے اصل الاصول
ہے پولس میں کام سب موقوف چوکیدار پر

دیوان کے نواسے تھے خود یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور شوریدگی میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ اول اول میں حسرت تخلص کرتے تھے پھر جانی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی صحبت میں رہنے لگے اور مجنوں تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ جو چلا ہے کل وہ دل قرار ٹھہرا | کہتا ہے مجھ سے چل ہے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجھ کو چٹ سے | تو اپنے منہ سے آپی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبدالمجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی ماڈرن تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل ریختی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لچا ہی ملا شوخ | کیا مجھ کو بناتے گا نگوڑا دہ موا شوخ
آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے | کل وہ انھیں باتوں کی بدولت تو پٹا شوخ
ان دونوں میں رہتی ہے ہمیشہ سے لڑائی | کچھ منجھلی بوا شوخ ہیں کچھ چھوٹی بوا شوخ
یہ کس نے بتائی ہے چھچھوروں کی ملاقات | بھاتا نہیں اک آنکھ بھی مجھکو تو یہ شوخ
بل سارے نکالوں گی ہیں نکلے کیطرح سے | پاپوش سے ماروں گی جو ہلتے وہ جہاں شوخ
ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے نرگس | ہے ہے نہیں آتی ہے ذرا تجھکو حیا شوخ
الفت جو مجید آسے تو تو بات نہ کرنا | وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے موا شوخ

محب منشی برج بھوکن لال نام ہے قصبہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں منشی نوبت رائے لکھنوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا۔ منشی نوبت رائے صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۷ء میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تا حد مقدور شوخی وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام و مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہو گی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آباد بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کہتا ہے شوق مجھ سے ہوائی جہاز کا — بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر — رہبر شوق ہوا عشق میں انجن اپنا

ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی — اے محب تم کو مبارک رہے فیشن اپنا

اُن سے باتیں کیں تصور میں تو یہ ہم پر کھلا — کشور الفت میں ٹیلی فون کا دفتر کھلا

شوہر مفلس کی چندیا کا ہے اب بچنا محال — ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی ہیٹ کا

کوئی نٹ کہتا ہے اُن کو کوئی بندر اے محب — شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک اور جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف رخسار زیبا کا — کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا
نہیں ذوق عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا — خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا
شگفتہ خاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر — کوئی شائق نہیں گلزار نستعلیق و ریحاں کا
مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہے — خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیواں کا
کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی — منھ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہو گیا
پارکوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی محب — آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا
چلو جلسوں میں موٹر پر اڑو چندے دیے جاؤ — بغیر اس کے محب ملک میں شہرا ہو نہیں سکتا
پسی جاتی ہے اولاد آدم غم کی چکی میں — بڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا
نوٹ سے بڑھکر نہیں دولت کوئی اس عہد میں — مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا
گھلا پایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے — کہ اب ہمسے وفاداری کا کھٹراگ اٹھ نہیں سکتا
زباں کا اب تو دعوی ہر کس و ناکس کو ہے بھائی — نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعبت لبرٹی کو — طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا
وہ طمانچہ پڑا اگر الی کا — دل غریبوں کا تلملا اٹھا
بل کیا پیش کمیٹی نے جب — اے محب فیج بلبلا اٹھا

خوب ہے ابتو بلندی پہ ستارا اُن کا — چرخ پر اُڑکے پہونچتا ہے غبارا اُن کا
تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا — میرے آگے نہ کرو ذکر خدارا اُن کا
طور پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی — ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں — کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا — ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اوور کوٹ کا زمانہ ہے — نام صاحب نہ لو رضائی کا
ڈانٹتی ہیں حسین لیڈی ہپ — کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ — بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں — ڈھونڈھے سے کوئی دیاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں — کیوں نہ ہو ہمکو شوق چیسٹر کا
کون پرساں یہاں شملہ کا — یہ زمانہ تو ہے ڈسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور ٹے سے ہوا شوق — اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہ ہوگا
کردیا بدحواس چندوں نے — دھیان کسکو ہے وان اور پن کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا — کچھ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا — سر پہ جب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ — اور یہیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
بے شہرت ہی کافی ہے نہیں مال سے بحث — ایک تختے پہ لکھے بیٹے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے مزے عیش اڑائی ہے غضب — آج ہوا آپکو ترقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم سست دل ہوں اہل جرمن کیطرح — بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو داروغگی ہے　　بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کیطرح
چھوٹی ٹائم پیس کا ہے دائرہ اُن کی کمر　　ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کیطرح

یار من مشفق من تیرا یہ القاب پسند　　ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری　　خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز　　چندے کے آگے دان ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف　　اس کے آگے پران ہے کیا چیز
عیش چاہو خوشامدی بنجاؤ　　زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب　　بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک　　یہ نذرِ مبارک یہ بخشش مبارک
ہوا شامل شیخ و برہمن میں باہم　　یہ مضمون مبارک یہ سازش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں جو ایسے ہیں ویسے ہیں　　کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیج میں روتے ہیں　　جزاک اللہ قومی درد الفت اسکو کہتے ہیں
نہ چھیڑیں بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے　　کہ وہ ہیں ڈانس کنسرٹ کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

مدت سے مرگئے ہیں نئی روشنی پہ ہم　　اب تک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جائیے　　گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو آئے سوں کی چھپیٹ میں　　دولت وہی جوسے بنے اوڑھے پیٹ میں

وہیں پہونچیں گے اب تو منزل تک / جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ / ہم لوگ ہاتھ کھینچتے ہیں انجن کی بھاپ

سجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے / تو اچھن آ گئی ڈولی میں زن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی پوسٹ / بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب / ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آماس / مراقی قوم کے دم پر بنی ہے

اور اس پر مفلسی کی سخت گھاٹی / کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہے زمانہ میں محب دو ہی طرح / چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں برا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول / یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

تاکجا قدر سخن بی شاعری کے پیٹ سے / اور ہوتے ہیں تو لیڈر اب سخنور سیکڑوں

مدار کار جہاں اب سکہ پر ہے / گیا وہ وقت گھڑی دل سے کام نہیں

دو وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں / پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو جھٹکا بڑا ہے تو جداری کا / مزا ملتا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا اُن لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا / جنہیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلیٰ سینری دیکھو / نہ جاؤ بھول کر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق / گھر اپنا خوب پھنکوا ڈالو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو / مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رکھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے / بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلیٰ عزیز / عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک بلڈاگ ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں / کہ سوڈا اور لمنیڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

پے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے / نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

ٹپکے خیرات سے ہے قوم کی خدمتیں تو آ — بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہے

مال آغاؤں سے وعدے پر خوشی سے لیجیے — جب تقاضا ہو تو کہہ دیجیے کہ نالش کیجیے

تعلیم مغربی سے کبھی پھولے پھلے نہ ہم — بوسے گئے جو بچ وہ قسمت سے مر گئے

کھاتے نہیں پتنگ کسی کے دباؤ سے — مجبور شیخ ہو گئے دم کے لگاؤ سے

گر نوٹ پاس ہو تو ملے ساحل مراد — اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ عجب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معدوم ہوتے ہیں۔ اور جن طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں اُن سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں قطعات ۔ رباعیات ۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اضافت کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا ۔

م ۔ ح ۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب ۔ آپ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں۔ غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے ۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے ۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں ۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے ۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں ۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں ۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت میں

رنگینی۔ بیان میں آمد۔ بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی۔ تقشف۔ پھیکاپن۔ بےمزگی۔ بہرصورت باسط نے ایسے اوستاد کی توجہ سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے۔ ذلک فضل اللہ الخ۔ آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں۔ ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے۔ ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں۔ شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں۔ آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵۔۔۳۶ سال کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

حضرت دل جو کسی سے کبھی الجھتے ہیں ۔۔۔ جتنے گر رہے ہیں منتظر رستے میں الجھے ہوتے

وہ بت تیغ لئے سیکڑوں کو مارا آتا ہے ۔۔۔ نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے

کہاں جائیگا آ کر لے پریشانی عاشق ۔۔۔ تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے

خدا جانے اگر اپنا دل وہ بے تقصیر ہو جاتے ۔۔۔ اگر کہہ بندہ وہ نگاہ بھی شمشیر ہو جائے

عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا ۔۔۔ لئے سر پر پھرا کرتا ہے سودا بچھیا پالی کا

مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے ۔۔۔ تجھکو دل لے کے آنکھیں ہم کو چھپا لیتی ہیں

کیا فرق ہے بتا دو لٹا شہر اور کوئی جیا ۔۔۔ وہ شاخ ہو یا ثمر کی ٹہنی ہیں سہرا لئے

جو دیکھیگا کوئی بولا یا نگاہ سے ۔۔۔ یا پکڑ کر کھینچ لی زلفوں کی فش سے

کھینچتا تصویر کیونکر ہو کے وہ ہشیار ۔۔۔ یا کھڑا کا نیا مرکز کی مانی وہیں بہزاد کی

رنگ لائیں نہ غصہ غیر کی تلخی باتیں ۔۔۔ ہم سمجھ لی اسے سمجھے تھے وہ تو تلی نکلا

پتنگ آمد ہم چراغ شب تیرہ بدل ۔۔۔ ظالم بال سے ہوا اور دل پھر یار سلام

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کی خدمت پر مامور تھے ۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنی میر انیس کے چچا تھے ۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوئے ۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے ۔

اے دو دا دیکھیو اب ہوگا بڑا شور پیدا — لو زناخی نے کیا اور نیا گل پیدا
مردوں کو ترس رنڈیو نہیں سوجھتا — میں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام ہے جونپور کے رہنے والے ہیں ۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار کہنے کا بڑا شوق تھا ۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں ۔ مگر اب عرصے سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا ۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں ۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے ۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے ۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں ۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلیٰ مرزا منور علی بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے ۔ بعد چندے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر تھے

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پائے اور محمد شاہ رنگیلے
کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا
کچھ جائداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب
یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور درباردار ی کے جھگڑوں
سے آزاد رہے اب انتخابی کلام ملاحظہ ہو۔

آفتاب کے ہوئے یوں زخم پہ پیدا — رات کو چرخ سے جس طرح ہوں اختر پیدا
عیش باغ ان کا ہے کرتے ہیں مزے شیدائی — خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں شاید پیدا
شان اللہ کی ہے اس میں اجارہ کس کا — جیسے زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا
جھومنے لگتا ہے ہر شیخ و برہمن سنکر — تانیں سارنگی سے ہوتی ہیں یہ جو ہر سر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر — ہمیشہ ناقۂ لیلیٰ سوار رہتا ہے
سنا ہے ہیں وہ سوئے گنگا کنارے کے دن تین — اٹھائے بار نزاکت کہار رہتا ہے
شب وصال وہ ضد کر کے ہے کیا لپٹے — یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے
ہمارا اپنا بہت ہی شکستہ خاطر ہے — گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں ہیں گا ڈوروں کی تھالیاں — انھیں کے واسطے یار و خزانے ہم بھی پایا

نزول شاہ منزل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارستہ
حال فقیر تھے۔ حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے
ہمعصر تھے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے
ابتذال کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں ۔

اسے مزل ناز کا گھوڑا کیا — شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مست — مست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت الی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملاحظہ درج تذکرہ کرتا ہوں ۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ شیر ہو تو کیا — خانہ جنگی نہیں ہی ہے سدا مست کے ساتھ

مضطر — سید ضیاء علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں ۔ تحفۂ ظرافت میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کرکے نقل کرتا ہوں ۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا — غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جھلنا نے جاؤنگا — جب سنا میں نے کہ وہ بت خانہ دشمن میں تھا

آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا — رولی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا

سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں — ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا

کھا گئے یہ کہہ کے ہم دیگچی پوری لیگ کی — وہ متنجن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا

ایک سی داڑھی تھی اور ایک ہی مونچھیں تو پھر — ظاہر اکیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا

کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی — لڑنہ تھا چوکھٹ نہ تھا بودم نہ تھا بالغ تھا

گارڈ صاحب نے برک میں رکھ کے چلتا کر دیا — یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹر میں تو مجنوں نے کہا — مجھ کو دھوکا ہو گیا لیلیٰ نہ تھی محمل نہ تھا
باپ ماں نے یاد نہیں شادی کی بٹیر لی لڑکی — ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا
ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں — نسل جوتے کا لگا دیتے اگر مسٹر دل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — کہیں کا ہنس اٹھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرا بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہے کمر پر سہرا — ایک گز چھوڑ کے ہے دو گز کی بلا یہ سہرا
تجربہ کار کو داماد کی حاجت کیا ہے — کہہ دو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھ کر سہرا
کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے — پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا
عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے — بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک جھک کے سہرا
کہہ دو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر — رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھ کر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دی جائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا بہت سے شعرا کی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ
اور ہنروری کی تکمیل۔ مشاعروں اور شعر و سخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے
مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ روبہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے
در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے ادھر ادھر چلے گئے۔ تو مصحفی کا جی بھی اکھڑ گیا
اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں اگرچہ چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں
گزارے آخرکار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور کچھ درماہہ بھی
مقرر ہوگیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے
باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا۔ پھر تو وہ مشہور
ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے۔ شرار نفاق کی آگ لوگوں کے
دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہاں تک معلوم ہوسکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی
ظرافت کے اشعار کہتے تھے تاہم ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان
اور بیان کو آلودہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن زمانے کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی جیسا
شوخیوں۔ اور رنگینیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور وہ کچھ کھلا کر
چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجوگوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے۔ اتنے
میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے۔ انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی نہ تھے
زمانہ ساز بھی اور بہروپیا بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ سب نو وارد لقالی کرتے ہیں
کبھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رنگیلے۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے
شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی ان کا گزر ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش
و عشرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہد پن
فواحش۔ رذالت کی چاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

سلیمان شکوہ کو وقت بیوقت اپنی سریلی آواز میں اُسی لب و لہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشا کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی۔ ظرافت آبی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیزیں تھی جنھوں نے شاہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کردیا غریب ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔۔۔ سلیمان شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کردی۔ جسپر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہو جو چالیس ٹکے لائق　　تھا مرد معمر کہیں دو نہ پیسے کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے　　ہم بھی تھے کبھی دو نہیں پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اپنے مقرر　　ہوتا ہے جو دریا کہ تنتیس کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف اروستا میں انگلی　　کی رشک نے جا دیدہ بارستا میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جنپر سید انشا کو اپنے خاصے تمسخر کا موقع مل گیا۔ اور بڈھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ　　اٹھی اسکی دہری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشا نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا نا جو چھپانے کو یاں لگر
رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ پابوچیاں انگلی

پھیر کیا تھا۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہجووں کا لٹ ذرا اتنا لکھا کہ تو یہ ہی تو ہے۔
مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لیے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے
تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر
لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری
لئے برچھا مصحفی جب اپنی پشاور گئی

کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ
لکھنؤ میں حسن کی بندھی ہے لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھکر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منھ
میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

پانی بھرے ہے یار یہاں قرمزی دوشالا
لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے
کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دوبالا

دریائے خوں میں کیونکر ہم تیم قد نہ ڈوبیں
لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

——————
ناچی ہے تیری عالم لاہوت میں انگلی

——————
جاپاک کی گرفتار ہو جوں سوتے میں انگلی

اس کے در پہ میں گیا سو انگ بنا کے تو کہا
چل بے چل دور ہو کیا ہے لیکے پھر آیا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا
نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا

جیتے عاشق نہ کیوں اسکے مولے
کر چشم شوخ اسکی ہے مولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد
قفس میں ازپے بلبل ہنڈولا

انشا کی سخت زبانیاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز کہکر انشا کو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور خوب جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے یہ شدت
وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے

میں گوز سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو
گر بول اٹھے اوہی کی چوں چوں مرے آگے

قدرت ہے خدا کی کہ ہوئے آج وہ شاعر
طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے

موسیٰ کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی
گو خصم بنے اسود افیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جائے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے مگر یہ نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پاکر سنہ ۱۲۴۰ھ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔

م۔ ع۔ اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوئے تو آپ کے عجیب و غریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ
پوچھ لینا اب کے جو آئے بگڑ کر زلزلہ

اے ستمگر تو دکھا دے انکو چلکر زلزلہ
جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہے کیونکر زلزلہ

اے عجب جاپان روس مصر لندن چھوڑکر
ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہے اکثر زلزلہ

آمد آمد پھر کسی پر بکالہ آفت کی ہے
پھر جہاں میں آنے والا ہے مقرر زلزلہ

ایک میں کیا سارے ہی دنیا کا مقولہ ہے یہی
دو قدم رہتا ہے پیچھے آج کل ہر جا زلزلہ

اے بت کافر تری چال نے اکثر ہند میں
آتا جاتا ہے برابر زلزلہ پر زلزلہ

مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہو گئے
اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پتھر زلزلہ

چپکے چپکے آ سکے پیچھے ہائے بھولا شام کا | صبح کو آیا کہیں راہیں گنوا کر زلزلہ
ہاں یہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں | آجکل آیا ہے شملے سے اتر کر زلزلہ
کعبۂ دل ڈھہ گیا اصنام ٹکڑے ہو گئے | اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپ کر زلزلہ
پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زا رفتار کا | فتنۂ محشر ہے سجدہ یا تڑپ کر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے طاعت وعبادت میں زیادہ مشغول ومصروف رہتے تھے شعر وشاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق قادر الکلام تھے۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوئے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے سنہ ۱۲۴۳ھ میں دنیائے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجائے۔ اور اس صنعت خاص کو نباہنے کا

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کردی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خاں متخلص بہ آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا سو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسواسطے یہ بھی ضروری سمجھا کہ تسبیح زمرد کے اشعار بھی نقل کیے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور ان کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جائے وہ خودبخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کسے تھا سبزہ رنگ اک کم پھر و اپنے جینے کا	نشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا
بسکہ سبزہ رنگ ہے قاتل مرا	نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا
کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا	ابروئے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا
سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں آزاری ہوا	خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا
حرف سبز اب تے منھ سے ہی نکلتا ہے مدام	سبزہ رنگ آج ہی تو زہر اگلتا ہے مدام
سبزہ رنگ آگئے ہرا تو جو سے ساتھ ہیں رات	کیا کہوں آٹھ گئے ملے سبزے ہاتھ کے رات
قتل کی کچھ مرے سبزہ رنگ کو تدبیر آج	دل مرا چاہے ہے سیر سبزۂ شمشیر آج
سبزہ رنگوں کے فریبوں میں آ آیا ہے طرح	عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا ہے طرح

جب کہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر — تھا اسی دن سے عاؔ کو سبزہ رنگوں کا فقیر

ولایت دو طرح تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پہ — پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پاؤں کائی پہ

سبزہ رنگوں کی صفائی پہ ہیں یوں خستہ سبز — دل میں جوں صوفی صافی دل کے ہووا نوازِ سبز

کائی ملد و تم مجھے آگئے خدا شافی ہے بس — دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق — جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف — زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگو نہ اپنا ہو کہیں جی مائل — اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں — میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ ہیں — کھوئے ہے کہ ہر سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہیں

اے سبزہ رنگ لا مجھ سے لے میرے پان تو — یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہجران سبز رنگو کے مرے جی کی — چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دن رات کی — چاہتا ہوں ہر جگہ سر سبزی اپنی بات کی

اس بڑھاپے میں بھی کم ہو وینگے لہری ہم سے — سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہم سے

یارب سبزہ رنگو سے اب دل میں غم بھر آیا ہے — کیجیو خیر اس جی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

نہ رہ طراوت آنکھوں نہیں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے — یادیں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود ۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے ۔ چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است ۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد ۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے ۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من — بوسہ دو سٹے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مقروض شاعر اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہ درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ ان کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک اودھ پنچ میں قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت ۔۔۔ ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت

نام گلزار داغ ہے جس کا ۔۔۔ ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت

تم کہیں دو کبھی شربت دینار ۔۔۔ ہوں سراپا ایاغ کی صورت

ہائے ہمغز ناریل کی طرح ۔۔۔ سربسر ہے دماغ کی صورت

اٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے ۔۔۔ غم سے کیا ہو فراغ کی صورت

داغ کے غم سے بزم ہستی میں ۔۔۔ جل رہا ہوں چراغ کی صورت

چشم بد دور واہ کیا کہنا ۔۔۔ میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر ۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر ان کا تذکروں میں ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں ۔۔۔ شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منظور ۔ منشی اسد اللہ نام تھا ۔ جھجھڑ جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے ۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے ۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے ۔ اور اس میں دگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے | لاکھ صورت سے اجی بات بنائی ہوتی
کل اُنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل | چھینے کے ترے غمسے مجھے پڑ گئے لالے
سنتے ہی لگے کہنے وہ مخمور سبھوں سے | لو اور سنو یہ بھی ہوئے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے | صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چھتیاں لیں گلے سے لپٹا کے | پھر لیا زانوؤں پہ داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں | کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج ۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے | اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مولانا نائی ۔ ادیباق تکلو سے متعلق تھے اور کبھی رے اور کبھی ہمدان میں رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطائبات کہنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام از پے غسل جماع | گشت رہبر طالع میمون من
کیسہ مالے با سرین چوں بلور | بہر مالش گشت پیرامون من

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق — جملہ شہوت گشت در تن خویشتن
طرفہ... بر سر... م نہاد — کاش بودے... او ور... من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر، نیک مزاج، بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہہ دیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منہ چڑانا ہے اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا ابھار اور فطری ذوق دب کر نہ رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی۔ چرکین کا رنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی نہ رہا پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی ۲۶ء میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے کہ ایک شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو اب تک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مہتر تمہاری جھاڑو سے افسوس آج تک — سبزہ ہے رخ پہ یار کے اور صاف بھی نہیں
مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی — بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو
ہمکو اسے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوکرا — جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنجہ ٹوکرا

مہری۔ ہروی الاصل تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ بیگم کی خواصوں میں منسلک تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا - اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطباء کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی - چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ - چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں - حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی - تو گر پڑے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کی وجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمایش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے - مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے -

مرا با تو سر یاری نماندہ است | دل مہر و وفاداری نماندہ است
ترا از ضعف پیری قوت و زور | چنانکہ پاے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے - یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہوگئی - اور رفتہ رفتہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کردیا - مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سرو سیمیں تن را | زیں واقعہ شیوں است مرد و زن را
افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود | پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بیوفائیوں کی شکایت کی - مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی -

در خانۂ تو آنچہ مرا شاید نیست　　بندے ز دل رمیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال　　آرے ہمہ ہست آنچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڑھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہوگیا۔ تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زن نوجواں اگر پیر بود　　چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثل است آنکہ گویند زناں　　در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشا پوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زود گو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ چلے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کرکے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد　　وز جملۂ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمند زریں نعلت　　برگل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبد اللہ از بک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکہ عادت اوست مرا ‏ ‏ بفگند و بکشت گفت کیش خوست مرا
سر بانہ بہ عذر می نہد بر پائم ‏ ‏ دم میدہم تا بہ کند پوست مرا

قاضی چو زنش حاملہ شد زار گریست ‏ ‏ گفتا ز سر کینہ کہ این واقعہ چیست
من پیرم و ... من نمی جنبد ہیچ ‏ ‏ وین قحبہ مریم است این بچہ ز کیست

آنی لکھنو ہیچ کس تو چیزے نہ دہی ‏ ‏ صد چوب مغل خوری و چیزے نہ دہی
شکلے کہ از و روغن بزرگ گیرند ‏ ‏ گر بر شکمت نہند چیزے نہ دہی

حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا۔ بڑے حریف وظریف تھے - نادرشاہی لڑائی میں زندہ تھے - سب تذکرہ نویس اسبات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے - میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "جوانے بود آبلہ رو - سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو - بندہ باو یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند - و مردمانرا بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر گاہے تبسمی میکرد - وطنش شاہجہان آباد جوان از جہاں رفت" اسیطرح میر حسن - اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں - "در اوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف وظرائف مردماں را بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں - "اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے - امیر خاں جو محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج اور شوخ طبع بہت تھے - راہ چلتے سے اُلجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا - مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور ظرافت مسلم ہوتی ہے - مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے واسطے کہ ایک شخص نے بھی ان میں سے ظرافت کا ایک شخص نقل نہیں کیا - مجبوراً انھیں متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخمزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔ پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لئے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ ملے سو کرمت پیچ کھا — مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا
رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بہلا — چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا
اگر ہو وہ بیٹا کافر کبھی اشنان کو گنگا — بھنور میں دیکھ کر چھپنا اُسے غوطے میں جا گنگا
نہ لڑکو یار کو کہ خط رکھتا یا منڈاتا ہے — مرے نشہ کی خاطر لطف سے سبزی بناتا ہے
جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے — شمع وہ ہے ہمارا موم کی ناک
ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا — جنھوں سے وعدہ کیا ہے انھیں جماتے تھیا
جان ہے جیوڑا ہے دلبر ہے — پہ یہ مشکل کہ طالب زر ہے
لب جان بخش آگے تیرے سخن — جو مسیحا کا نام لے خر ہے
جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آئے خلل کرنے — رقیب لا دلہنا صبح گویا لڑکوں کا باوا ہے

نازؔ سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ نازؔ ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں — مگر اس چونٹی والے کو میرا دل پسند آیا
سی ٹی کے پیچھے کھیلتے ہیں پتنگ باز اکثر — جناب شیخ کو انداز ریشا کل پسند آیا
ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے انھیں نامے — فلاورمل کو بھی انداز پیپرمل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا — پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا قلفسل آیا
فعَلَ یفعل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر — ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اب بلیک ٹیز نہ کہو وہ مجھے لیڈر کا خطاب — اتنو کھدر کا انگرکھا بھی مراسل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار — شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر — لیلیٰ اچک کے پردۂ محمل میں گر گئی

اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کا دانت ملتا ہے — نسب شوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو حیا آئی حجاب آیا — مگر میں بھی بڑا ہی مسخرا تھا ہونٹ داب آیا
حسینوں نے عجب گلخپ مچائی بزم زنداں میں — لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے — پکڑ کر ٹھونک ہی دونگا اگر مجھ کو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک صورت حسین معلوم ہوتی ہے — دلہن بنجائیگی جس دن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہو گیا — رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈی ہو گیا
ہوں رسالہ میں بھی اک تذکیر و تانیث کا — رات بھر نر بنا رہا اور صبح مرغی ہو گیا
اس صنم کو مسکن کچھ رنج پڑی جو بوسہ کی حکایت — وہ لگی کہنے کہ او دل کیا تو ابی ہو گیا

کل جو گڑیا کھیلیں آپ نے لطف حاصل ہو گیا
وہ مری بھاوج جو بنتے میں انکی بھابی ہو گیا

اب انھیں یہ فکر ہو اسیر کریں کیونکر ستم
اتفاقاً جو تہ کھانے کا بیعانہ ہی ہو گیا

اب اسرار ہے کس پہ ڈالی ناک یہ بھی کھیل
اونٹ ہے وہ یا کہ عاشق ہو بلاقی ہو گیا

ویلکم کیونکر کہیں آخر تھا بے پیر ہے
وہ ابھی بچے ہیں ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب شتر بار میں
کم کچھ لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں

لیلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے
مجنوں میاں ہیں اونٹوں کی اگلی قطار میں

مستا جاوے قافلہ کے لئے قبر غیر پر
ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار میں

لیلی کے ساربان کے شتر غمزے دیکھیے
مجنوں میاں کے کان بندھے ہیں مہار میں

معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی
وہ کودتے ہیں میرے دل بیقرار میں

دعوت کے ساتھ ہی مری السلطے بھی ہو گئی
بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں آتشہ گمار میں

بیری پہ بیر کھائے وہ ماہرو ہمارا
بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا

ملتا تو صرف تسے خشک بھنڈ مانگتا ہے
ہم ہے پٹا کرائی کیا آبرو ہمارا

کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی واعظ
دیکھا اسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں
کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی ہی اور سر میں

جب چاند کج گئے تو بھاگے وہ وصل کی شب
کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹنا ٹن میں

دشمن کے لئے تیار ہے بل والا
کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا

کیسا نادان ہی کمبخت سمجھتا ہی نہیں
تو بہ کو کہتا ہو اک لوٹا ہے ٹوٹی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر ڈبیا دیا سلائی فریاد رس الٰہی
راتدن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے آپ ہیں پوری بلیڈری یعنی خاشہ فول ہیں
کیا قلندر رہ گیا میں کیا مچھندر رہ گیا یہ کچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہ گیا
پیکے منڈی سے دیا پورا مجھے اجور کا عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے
اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو شب فراق مگر سب کی نانی ہے
ہر اک کچک میں ہے مضمر آل جوش شباب کھنچی ہوئی ہے سفاک کی کمانی ہے
یہ کس کے غم میں بنے سوگوار تم آخر کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے ہیں وہ نے ہزار دل اسکے اوپر راتدن وہ بت بدخو مزار شیخ سدو ہو گیا
جب سے دشمن نے پڑہائیں پٹیاں اس شوخ کو سچ تو یہ ہے میں تو بس اسدن سے الو ہو گیا
تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں تار جیسے اک سیہ اطلس پہ آلو ہو گیا
یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا مرغا ہوں مگر کوکڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر کوہکن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مر گئی

خیال ان کا رہتا ہے سر پر سوار اسی سے وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں
سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں
ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا اسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

جب سے کچھ فارسی پڑھی ہے — اس روز سے تیل بیچتا ہوں
عاشق ہوں شباب پر تمھارے — اسواسطے بیل بیچتا ہوں
ہے محمل یار جو نظر میں — اونٹوں کی نکیل بیچتا ہوں

کل بلایا مجھکو اپنے محفل مولود میں — میں چرا لایا وہاں سے چند ہنڈیاں کھیر کی
بھائی نے بھی تو پیا ہے ساتھ آخر ماں کا دودھ — کیوں بہن کے واسطے ترکیب ہے ہمشیر کی
زاغ نا معقول کہتے ہیں مجھے لے نازدہ — جب سے مسہل میں ضرورت ہے انہیں انجیر کی

کیا بتائیں کہ ہیں سانج ہیں کیا لے ناز — یہی کیا کم ہے کہ کل رات کو افیوں نہ ملی
مست میں رات کو بیٹھا تھا کہ وہ آپہونچے — میں نے ڈھونڈی بھی مگر مجھکو لنگوٹی نہ ملی

سر منڈا کر ہاتھ میں تسبیح لیکر رات ناز — جانب میخانہ ہم پہونچے تو پولے گئے

بدلتی ہی نہیں عادت مری محبوب بھٹیاری — وہی کدو کا سالن ہے وہی بیگن کی ترکاری

بہت بیتاب تھی دل میں مرے حسرت جوانی کی — ملی بیت الخلا میں ایک لڑکی مہترانی کی
تری خاموشیوں نے تجھکو نظروں سے گرایا ہے — ادائیں تجھسے اچھی ہیں ابھی تک تیری نانی کی

سر میدان الفت عاشقوں کے خون پی پی کر — تماٹر بن گیا ہے یا چقندر ...... والا
یہاں جاڑوں کے موسم میں لنگوٹی بھی نہیں ملتی — دولہا بنے ہوئے پھرتا ہو جیسے ...... والا

جو ہم خوشی سے کسیر و سا سر منڈاتے ہیں | تو کس غضب کی وہ آگر حیت لگاتے ہیں
اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس ادا سے ملتا ہے | نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

نازنین ۔ تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے ۔ مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص سے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "غلط فہمان ادا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم توان بزور و قوت سہراب طاقت کا ۔ نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے ۔ اس کے خم کے آگے زور آزمایان ورزش خانہ طاقت کا سر جھلکتا ہے ۔ اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشۂ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے ۔ اور یاران او افہم اور حریفان ادا شناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفریں شعبدہ ایجاد کا نازو انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ" بہرحال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے ۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے ۔ یہ صاحب دیوان تھے ۔ مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے ۔ دیوان ناپید ہو گیا ۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے ۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی ۔ چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے ۔ جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے ۔

نہیں ناز نیں رنج کرتی کسی کا | گیا جب سے یار اور حسرت ہے کوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے | اگر میں نہ کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب موا لونڈیوں کو رُلایا | کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کالوں سے ہے الفت | غم و ذوق میں ساری رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم | سیاں ذوق کو میں لیا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ کہے ہیں تذکرہ قطعہ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

ناز نیں اتنا بھی ہر جائی پنا | یہ تمہارے آ گیا کیا دھیان میں
روز اک بگڑے کی ہیں مہمانیاں | روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونہ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جوان کا | ہوا ہم عورتوں میں نام جرا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں ہوا اور تیا نشا ہے | مزا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضا کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام لینے کام سے | اے نگوڑے آدمی تو تو حیوان ہو گیا
سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا | عورت انھیں بالو کے ترا گھر نہیں ہوتا
ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر | لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا
میری نماز کھوئی اس موئے نے آکر | اٹھی تھی اے ودا ابھی غسل ابھی نہا کر
اے زناخی مردوا ہے بدگمان | تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں
رات بھر ہو وہی بات اور وہی چہچہا جاتی | اے ودا ایسے نہ پہ پیسے پڑا کا ہے مجھے
فوارہ کس طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے | تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل گئے
دس گھر تو جھپٹ چکے ہیں کیا سنا کر دوں خصم | کس جا بٹھائے دیکھئے آسمان مجھے

نازک ۔ دورِ موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنہیں ریختی گوئی کا بدرجۂ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب داد ظرافت دیجاتی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپکو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہاں تک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپکا وطن اصلی آپکی لیاقت اور آپکا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپکا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آپکا وطن اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین شاعر ہیں۔ گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے۔

خدا بچائے بوا مردوں کے دیدے سے ۔ کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ [illegible]

کوسا بچی کو تو دیارے ہی کلکلا لوں گی ۔ ساتھ لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی ۔ طاق بھر نے جو اکیلی چلی جائے کوئی

انگلیاں پھوڑ کے آنکھوں نہیں چھکا اے شب بھر ۔ نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی

میں تو لوٹے میں بوا صاف یہ کہدیتی ہوں ۔ منہ سے کہہ دے جو یہ دیدے دکھائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی لے بنو ۔ پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دیے جاتے ہیں

اکیلے رات کو کیوں آئے تم میاں مرزا ۔ جو کوئی کل کا ہی پہچانے لگی موئی بیچ

ندیدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھنیا ۔ اب انڈے دے کے بھی کھا نیلگی موئی بیچ

بیڑوں والی پھولوں والی ۔ ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی

دانتوں میں مسی دانتوں پہ سہرا ۔ ماتھے پہ افشاں ہونٹوں پہ لالی

میں نے سب کو سمجھا سنہ ۔ سب میں میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسیوجہ سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شاید کسی شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن فہمی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہوچکا ہے عرصہ سے چونکہ آپکو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسواسطے اب اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپنے دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوۂ یار میں شائع ہوئی ہے راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۹[illegible]ء میں آپ سے نیاز حاصل ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اسی نیاز کے حال پر مبذول رہیں۔ گو اب عرصہ سے خط و کتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت گو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا چاہئے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اب تقریباً ۴۴ سال ہوگی۔

کسے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن | دیکھو تو ہیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو سمجھائیگا الفت مرد نا کا | اس شوخ نے کچھ ہمکو اڑا رکھے ہیں دو شالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے پلٹوا | دشمن نے تو کچھوے کی طرح پاؤں نکالے
پہلے تو اڑے مجھسے وہ آکر مرے بس میں | جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر ہو اسے

رنجش بے جا نکالی جائیگی | بے مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر | دختر رز کو توالی جائیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے کوتوالی کا | خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ | کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دھر میں پاؤں تو دریا بھی ہٹے پاؤں ہاں | ماردوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم | یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کرکے پریشان کیا کرتے تھے
اُن کے لیے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ چسپاں ہو گیا | مو تنا آیا نہیں اور ادنٹ بوڑہا گیا

ایک مرتبہ مادران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے ۔

آتی مثل صادق ہے اسوقت قسطنطین پر | ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا ۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں ۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں ۔ جز خوبی بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر ۔ ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بد نسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں ۔ ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب ۔ دادی ڈھرنی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے یہ بکر بہ خو ۔ ایماں کی مرد ود نہیں تجھ میں بو ۔
بیوجہ ابوالحسن کا دشمن کیوں ہے ۔ اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے ۔ مگر فوجی لوگ تھے جنگ جیسے ہی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا ۔ مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں ۔

جو کوئی سے مانتے کو تھے تاہ بنا ر ۔ وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخر کار
حق کے لئے ناطق سے ملا وہ تہ تیغ ۔ ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آپ دکھوتا ہے ۔ سچا جھوٹے ۔ روتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے ۔ سنا دیار و جھوٹے کے منھ میں گو ہوتا ہے

نسبت ۔ میر احمد علی نام تھا ۔ نسبت تخلص فرماتے تھے ۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف ریختی گو تھے ۔ جان صاحب کے معاصر تھے ۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

دیوان میں جا بجا اِن کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ میں نے بھی ان کا دیوان دیکھا ہے اگرچہ لکھنویت اسمیں کافی موجود ہے رعایات لفظی کا گورکھ دہندا اسمیں اسقدر نظر آتا ہے کہ اُس سے طبیعت گھبرا اٹھتی ہے۔ مگر پھر بھی جان صاحب کے کلام سے ان کا کلام نسبتاً اچھا ہے بعض جگہ حد وداعتدال سے بڑھ جاتے ہیں اور ریختی سے گزر کر فواحش کی خبر لاتے ہیں۔ بعض جگہ کلام میں ضرورت سے زیادہ پھکڑ پن پیدا ہوجاتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے ان کا کلام بہت اچھا ہے۔ افسوس ہے کہ اسوقت میرے پاس دیوان موجود نہیں ہے۔ مجبوراً دو شعر تذکرہ نساخ سے اور باقی اپنی یاد سے لکھتا ہوں۔

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں
تجھ سے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ

بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے
کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

کیوں للا ... والے کا تم لیتی نام ہو
تجھری تجھرنہ نام لو ابھی ٹہری ہوا

محل میں خواجہ بدامی نچھوٹنے پاوے
یہ حکم آیا ہے انا جناب عالی کا

بیٹھے میں ہر کسی کے پاؤں تم کیوں دیتی ہو خانم
بھلا ہے شوق لیلی بی تمہیں جھگڑا چکانے کا

... کھولے کیوں پڑی پھرتی ہو کیا ماموں ہوا
دیکھو کپڑا آکے ڈھانکو کیا تمھیں ہو لاج ہے

بس ہٹے ہے ستا تنا سیلا پن مجھے بھاتا نہیں
ہو گیا تو اودرا ابھی سارا انہیں ......

شمع جلوا تو لگی ہیں ... میں تیری لونڈیا
جو بہلا چاہتی ہے کہ مرا رہو پیدا

کہتی ہے انگلی سی گھر بار بسایا اس نے
کرتی کیوں اپنے بیٹے پہ ہی تو بہتان بھی

چھاتیاں کھولے جو درالی چلی آتی ہو
اچھی بہنوئی ہے بیٹا نہیں شرماتی ہو

نانی ماموں کہیں نہ ہوتے وہ دیکھو بہن مچھی کھائی ہے
مجھے چھپا وکہ مارے ڈر کے کلیجہ پھڑک رہا ہے

جاتا ہے وہ اندھیرے میں آنکے واسطے
ایسا نہ ہو میانی میں باندھی چڑے شمع

کیلے کو دیکھکر مرا جی کلبلا اٹھا
اے کا بھیجے نہ آتی مرا ہے آن باغ میں

اوپر کے دل سے بنو یہ کہہ لیں نہیں نہیں ۔۔۔ جب مر دوا سے تو یہ دیکھیں ہاں نہیں

مجھکو یہ نسبت نہیں ملتیں ہیں تیری چھاتیاں ۔۔۔ جب نہ تب آ کر جو تو ملنے لگے ہو......

نظر ۔ جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں ایک غزل دستیاب ہوئی جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے ۔

لطف آ جائے تو تنوٹ سے کروں یا نہ جدا ۔۔۔ سر جدا پاؤں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا

پانی کے پینے کو رکھتا ہوں نہیں پیا نہ جدا ۔۔۔ کھچڑی کھاتا ہوں میں وہ جسکا ہو شوربہ نہ جدا

دیکھ لو چاندی پہ ہے سونے کا پانی پھیرا ۔۔۔ روشنی رکھتا ہے ملبوس شریفانہ جدا

آتی ہے جنگلی کبوتر کی غٹرغوں کی صدا ۔۔۔ دور بستی سے لے چلئے یہ ویرانہ جدا

عشق کمبخت نے دولوں کو بنا ڈالا پاگل ۔۔۔ وہ سٹری ہو گئے میں ہو گیا دیوانہ جدا

پالش ہے کی پھر دل پہ بٹ کو گھٹنوں گھٹنوں ۔۔۔ ٹانک کی ٹانگ ہو پیمانہ کا پیمانہ جدا

نظر کو چاہئے مستی سے بہت دور رہے ۔۔۔ دیکھ لو رہتا ہے شیشے سے پیمانہ جدا

نظیر ۔ شیخ ولی محمد نام تھا۔ آگرہ میں بیرون شہر روضہ تاج گنج کے قریب رہتے تھے اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ نہایت خلیق وضعدار زندہ دل بزرگ تھے۔ جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں اور جلسوں میں شرکت کرتے اور ان کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے میل ملت میں نظیر نہ تھے بلکہ بے نظیر تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو ملنے جاتے تھے تو شام ہو جاتی تھی۔ مذہب شیعہ رکھتے تھے۔ مگر اتنے بے تعصب اور نیک مزاج تھے کہ تفریق تو درکنار ہندوں سے بھی وہی ربط وضبط اور خلوص تھا۔

جو مسلمانوں سے تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا مذہب حکمائے یونان کے مقولہ کے مطابق صرف درستی اخلاق اور تکمیل صفات انسانی تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سنی شعرا کی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف نہیں کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں غلو اور مبالغہ کیا ہے۔ مگر بقول شہباز مرحوم مصنف زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر" میاں نظیر جب مر گئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو اُن ہندوؤں نے کہا کہ اگر مخالفت کروگے تو گرو نانک شاہ کا حال ہوگا۔ کہ نصف چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے تعرض چھوڑ دیا۔ اور ان کو اپنے طور پر نظیر مرحوم کی صلح کل کا خراج ادا کرنے دیا" جب نظیر کا انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چونکہ ان کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑھائی گئی۔ مگر دو نمازیں پڑھی گئیں جس قدر اُن کے شاگرد اہل سنت تھے۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کرکے نماز پڑھی۔ اور اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کرکے اہل ہندو لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے جلائے کیا کئے" روز دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶-اگست ۱۸۳۰ء اور بقول بعض ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اصناف سخن یکساں طور پر پائی جاتی ہیں جن کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جملہ اصناف بلکہ تمام رنگوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے نہایت زود گو اور پُرگو واقع ہوئے تھے بات بات پر بڑی بڑی نظمیں کہہ دینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موافق اور مسلک کے مطابق شہر کی مشہور چیزوں۔ کھانوں۔ عمارتوں۔ میلوں۔ بازیگروں۔ تماشوں وغیرہ کا ذکر دینا

کی بے حقیقتی - اور اہل جہاں کے طور و طرق کا تذکرہ - دولت - مفلسی - عیاشی - تماشبینی
بھنگ - چرس - افیون - وغیرہ وغیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں
ملتی ہیں - ہندوؤں کے تہوار - دسہرے - ہولی - دیوالی - کنہیا جی کے جنم لینے کی
کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید
بقرعید - محرم شبرات کا ذکر کرتے ہیں - دونوں سے یکساں محبت - دونوں سے ایک
سا برتاؤ - دونوں سے وہی خلوص - وہی دوستی - با مسلمان اللہ اللہ با برہمن
رام رام پر عامل - لفظوں کی وہ افراط کہ ایک ذخار دریا موجیں مارتا دکھائی
دیتا ہے - معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے - بیان کی
سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں - بندش کی وہ چستی کہ کڑی سے کڑی ملی
چلی جاتی ہے - تصویر کشی اور محاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنج کے روضہ کی تعریف
ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار ایک ایک جالی کو
دیکھ لیتی ہیں جب ریچھ والے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر
کان چھیدوائے سر پر بڑا سا گگرا باندھے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا لئے - ریچھ کے بچے کی
نکیل پکڑے اسکو نچا رہا ہے اور اپنے سونٹے سے اسکو سدا رہا ہے - دنیا کی بے بقائی
اور عالم کی بے ثباتی کے اشعار سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آجاتا ہے - کہ روپیہ پیسہ
دھن دولت - مال و اسباب سب ہیچ - ہم - اور ہماری خواہشات لایعنی - ہماری
بود بے بود - ہماری ہستی عین فنا ہے - دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں
دیکھتی ہیں کہ در و دیوار پر چراغاں ہے - مٹھائی کی دوکانیں سجی ہوئی ہیں - مٹی کے
کھلونے بیچنے والوں کی دوکانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں - بھر بھر کے
کھلیں بیچ رہے ہیں - دنیا کی رسم و رواج کے پابند رومالوں میں کھلیں باندھ
باندھ کر لیجا رہے ہیں - جواری اپنے اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں چھ نو آٹھ

کے داؤں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ شوقین مزاج گھوم رہے بازار کی رونق کا لطف اٹھارہے ہیں۔ بعض بڑے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے پھر رہے ہیں۔ تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی غرضکہ اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے۔

گو بعض نقادوں کی رائے سراسر نظیر کے خلاف ہے۔ مگر یہ ایک صریح ظلم ہے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہیں کیا۔ وہی ایک شخص ہے جسے ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیر کہہ سکتے ہیں۔ وہ نظمیں جو آج نیچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر جدید طرز کا انحصار ہے ان کا موجد نظیر ہی کو ماننا پڑے گا۔ نظیر کے انتقال کو سو برس سے زیادہ کا زمانہ ہو گیا مگر اسکی زبان آج کی زبان ہے۔ اسکی بندش اتنی ہی چست ہے جتنی ہونا چاہیئے۔ اسکی مثنوی غزل رباعی اردو فارسی کا ایک درجہ ہے۔

نظیر کی ظرافت اگرچہ ہزل اور بعض دفعہ فواحش تک پہونچ جاتی ہے مگر اس کے الفاظ وخیالات اسکو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے۔ اسکی ظرافت میں تصنع اور آورد کا نام نہیں ہے جس طرح اسکی صوفیانہ نظمیں اپنی روانی وغیرہ میں لاجواب اور عدیم المثال ہیں اسی طرح ظریفانہ اشعار جس طرح انہیں درد ہے اسیطرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا جو طبیعت کو ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ طبیعت خود اسکو اکساتی اور ظرافت کے وادی کی طرف لے آتی ہے۔ جس کا نمونہ جستہ جستہ درج کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص لطف آتا ہے۔ یا اگر ان میں سے اسکی ظرافت کا انتخاب کم ازکم پورا کر کے پیش کرنا چاہیئے۔ مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

بہت ہی ہلکا اور کم انتخاب کر کے ہزلیات و فواحش کو نظر انداز کرتا ہوں۔

بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر — آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں دیر
لو آ کے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر — جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منہ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسف ثانی — دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منہ میں ڈالے کوئی پانی — کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہم بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے پوٹے — وہ کون سے گلرو ہیں جو ہم نے نہیں گھوٹے
اب آ کے بڑھاپے میں کئی ایسے ادھوٹے — پر جھڑ گئے دم اڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار گیا ہے الٹ ہائے زمانا — جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دادا کا بہانا — ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا پوچھے ہے بڈھے — دیکھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا دیکھے ہے بڈھے
بیٹھیں ہیں تو ہو دھوم کہاں بیٹھے ہیں بڈھے — آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آوے ہے بڈھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر بلبلیں لڑاتے ہیں

کل بلبلیں جو تو دس قابو میں اپنے آئیاں — اسمیں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑائی دائیں بائیاں — کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا لو سائیں

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیاں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیاں

دس میں تو دو اڑی کٹ کٹ اڑتی تھیں کے گڑا — جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا اکھاڑا
خلقت یہ آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اڈا — کرتا کسی کی لسپلی لوٹا کسی کا ہڈا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اسمیں چھوڑا — اُس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجوڑا
پھر تو یہ چپکا آکر اُن کشتیوں کا کوڑا — چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری تڑ دہنے بیڑ فسونکی — کشتی میں گٹھڑی بندھ گئی ان چاروں بلبلونکی
سن سن کے چیخیں انکی لڑنے میں غرغوں کی — سب لوٹے واہ حضرت اچھی پر چڑھ کے پھونکی

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کردکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

بھنگ کی تعریف

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑاکے — کونڈی کی ڈگمگاہٹ سونٹے کے سو کھڑاکے
گر دیکھتی ہیں تجھکو کچھ عیش کے جھڑاکے — تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑجھڑا کے

پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھوم کے پھیرا لے

کیوں بست بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل — خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال پیالے کا طلسل — پھر چڑھا دے آسمان عیش پر عشرت کی بیل

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ تک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن — سبزی کچھ لگتی نہیں لذت سے دل کی لگن
ہنس کے بولے وہ بتائیں ہم تجھے اس کا جتن — جا شتاب اور جلد سبزی لیکے آک وجاپن

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ تک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اندھیری رات

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا — کمبل کو ادھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا — منہ اسکے رقیبوں کا کیا خوب ہی کالا

کیا وصل کی رنگینی ہے گر رات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے — چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے — اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے
کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی مل کے گلابی — اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی — گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی
ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری

سوتے تھے جو ہم انہیں سنتے غیر کے کھٹکے — چھپ چھپ گئے اٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اتنے ڈھکے ہو کے جو مارے — کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پاوے
چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

بسنت

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنتا — اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا — اور ہنس کے کہا یار سے اے لکھ لٹ ہونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار — اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھن کی مقدار
آنکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دہڑا دھڑ — جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار
...وں کی بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانی حسنو میں پرتیاں ہیں — سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دل میں بھی سرتیاں ہیں — اک اک نگہ میں کافر بجلی بھی بھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجواں ہیں انکی تیاریاں بڑی ہیں — ہاتھوں میں لال چھڑیاں کوٹھوں اُپر کھڑی ہیں
اور وہ جو آشنا سے جھگڑی ہیں یا لڑی ہیں — منھ کو چھپا پلنگ پر مچلی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کرناز کا جھپیٹا — کہتی ہے ہٹ کے کافر چلکی لے یا نہٹا
تجھسے تو دل ہمارا اب ہوگیا ہے کھٹا — تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرا دوپٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا معمولی دیکے پیسے — کہتی ہیں شاد ہو کے یوں اپنے آشنا سے
برسات بھر تو ہل کے سنتے ہو جان پیارے — احمق ہو جو پلنگ سے اب ہوتے ہو کوا ترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بھنگ

الفت کے زمرد کی کھیت کی بوٹی ہے — پتوں کی جھلک اسکی کمخواب کی بوٹی ہے
منھ جسکے لگی اُسنے پھر کاسہ کو چھوٹی ہے — یہ تان ٹکورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پر خشکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سخاوت و عشرت

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملیں سو کھا جا — تاش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
بابا بخیل مت بن داتا سخی کہا جا — اکدم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھو ڈال مال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھو کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر　　وہ کیا ہوئے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر　　ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں　　پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں　　سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

نوچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بہنا یہ گزرتی نہیں ڈھڈّھو　　اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈّھو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈّھو　　کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈّھو

ایسا جو مرے پاس لگے جائیگی چھانپو　　اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی چھانپو

سب کھا چکی اب مجھکو بھی کیا کھائیگی چھاپنو ‏ — ‏ وہ کون سا دن ہوگا جو مرجائیگی چھاپنو

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی گئی وہی آن ٹلی ‏ — ‏ آؤ پردیس کھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

ٹھگیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور ہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب سنہ ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد سنہ ۱۹۳ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہوگیا تو اُن کے احباب نے ٹھگیلے صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کرچکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کرلیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے اور کم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت فطرتی ہے

چنانچہ کلام کا نمونہ انتخاب یہ ہے -

چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی ‏ — ‏ پھر گیا ہے پھر تو کچھ بھی خندق ہو یا ہو کھائی
اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی ‏ — ‏ قسمت بھری کسی کی شامت کسی کی آئی
جب ایک کا بھی تم سے مطلب نہیں نکلتا ‏ — ‏ لے لیتے ہو تو پھر کیوں سب سے مفت بلائی

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں نہ کیوں عشاق نور — سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے
شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر — ذائقہ کچھ اور پیگھر کے دودھ کی کھرچن میں ہے
ہے مری فرد خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ — عفو کا فرمان نتھی رشتۂ سوزن میں ہے
چلتے پھرتے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ نکلان — جنس ہستی کا ذخیرہ گوشۂ دامن میں ہے
مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال — جو نکیلے یار کے سنبوسۂ بیسن میں ہے

یہ تنہ بھبکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہنے دے — نیام طیش میں شمشیر بیداد رہنے دے
چمن میں چار تنکوں سے بنا ہے آشیاں میرا — بچا کر اپنی جھاڑو سے انہیں صیاد رہنے دے
رہے تو جب کبھی آپے میں اپنے ہوش میں اپنے — نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے
زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو — تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھاد رہنے دے
مجھے تاڑی میں قطرے اگر دینا ہے لے ساقی — مرے دشمن کے پینے کو تلی میں اگاد رہنے دے
اگر جاتا رہا تو پھر کھیانے کا مزہ رخصت — نہ کر اسکا تدارک اسے صیاد رہنے دے

مونچھ کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے — اس ادا کے بھیس میں کنجڑا کے میرا یار ہے
یہ نہ سمجھیں آپ یہ ہستی تاڑ کی بے کار ہے — یہ تو تاڑی خانہ کا اک منزل مینار ہے
چار میں ننگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے — بے حیا بھی کیسی پکی بے حیا تلوار ہے
یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے — تو ستارہ علم کی تقدیر کا دمدار ہے
نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے — یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کار ہے
پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو میاں — دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوپار ہے
یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس — کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے
فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری — ایک ہے محروم دامن ایک دامن دار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جیسا بھی ہو — یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتھیار ہے
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر — زیر دامن اب یہ کس کا تحفۂ کردار ہے

آباد ہے الو سے ہر قریہ ویرانہ — ہر کھونکھڑ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ
حرکت کا تری صدقہ اے لغزش مستانہ — ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ
ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی — ہے رقص مسرت میں سر پہ لئے میخانہ
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے — آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ
بوتل مے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ — ہے اب تو چڑیل ایسی جو گھر تھا پریخانہ
کوئی بھی شب وعدہ حسرت نہ رہی باقی — لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمت مردانہ
جسطرح کمینوں سے رونق ہو مکانوں کی — آباد نکیلے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو — گرد گھما نہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جائے
اب طویلے میں نہیں آپ کے ناگن کوئی — آپ کے تھان کا ابتو مرا ٹٹو ہو جائے
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گوبرا کوڑا — اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جائے
بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا — ناوک ناز اگر دل میں ترازو ہو جائے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن حیا کے ساتھ — بے شرم ہے جلیس پڑے بے حیا کے ساتھ
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے — منگنی ہوئی ہے جب سے کسی نائکہ کے ساتھ
صحبت سے بھاری پاؤں ہوا ہے جو آپکا — شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ
اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو — اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپکا — دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چیں سابق اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص سے ایک صاحب ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے "بانی ایڈیٹر اودھ پنچ - گڈ مارننگ قران شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (الا انهم فی کل واد یهیمون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر رنجا ہے - میرے خیال میں ان خیالات پریشان سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی -

نہ پوچھو نہیں اس سبب جٹے جاتے ہیں — جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ دن رات رو رہے بیٹھے — افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

نہ پوچھو مری یہ گھڑی چل رہی ہے — زباں وقت کی ہے پڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ یہ اسکی کوئی ذکر مخفی — یہ تسبیح کوئی پڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی چاک غفلت میں ٹانکے — اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو — ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریما بہ بخشائے پکا پلاؤ — جو کچھ نہ پڑے تو ہمکو بلاؤ
کریما بہ بخشائے پکے ہیں آم — نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھسے دام
کریما بہ بخشائے پکے ہیں بیر — کھلاتے ہیں ان کے کرو تم نہ دیر
کریما بہ بخشائے پکی کھجور — بلاتے ہیں کھانے میں تمکو ضرور

کریما بہ بخشاے پکے کباب — بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب
کریما بہ بخشاے پکے کٹھل — اسے کھا کے ہو جاؤگے تم اٹل
کریما بہ بخشاے پکی ہے دال — اسے کھا کے ہو جاؤگے کنبہ پال
کریما بہ بخشاے پکی ہے نان — گئی واسطے جسکے مرغی کی جان
کریما بہ بخشاے ٹوٹی ہے ٹانگ — گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ
کریما بہ بخشاے ٹوٹے ہیں ہاتھ — نہ ہو سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ
کریما بہ بخشاے پھولی ہے آنکھ — ملے رکھ کے روٹی پہ آلو کی پھانک
کریما بہ بخشاے ٹوٹا ہے سر — کوئی آنکے لے جلد میری خبر
کریما بہ بخشاے دھوتی پھٹی — مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

نداریم غیر از تو فریاد رس — مزا آئے چکھے جو گنے کا رس
نگہدار مارا ز راہ خطا — کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا
زبان تا بود در دہان جائے گیر — کھلایا کرو مجھکو روٹی پنیر
حبیب خدا اشرف انبیا — پڑا مجھکو چسکا بڑا آم کا
سوار جہان گیر یکران براق — کھلا دو مجھے ایک روغن کی باق
چہل سال عمر عزیزت گزشت — بری ہے تری ابتلا سرگزشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی — ہمیشہ نظر تا لگی جہا نکی
مکن تکیہ بر عمر نا پائدار — یہیں گوشت چاول چپیناک لے ادہار
دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم — نہیں اسکی پاکٹ میں دام و درم

بوجھ تھا سر پہ جو ازار آیا — سر پہ احسان پڑا ہو نالی کا

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا — پر بندھا مہر ایک پائی کا
پیچھا جب چھوڑتی نہیں ستری — چھوڑ دے پیچھا نہ تم رنڈائی کا
ترشروئی نہیں ترے منھ پہ — ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں سیری ہیلی ہے — گھٹا چھائی ہے رحمت کی ہوا اللہ بیلی ہے
شعر لکھتا ہوں مگر ملتی نہیں کوڑی کوئی — لے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دمڑی کوئی
پائی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی — مشہور یہ غلط ہے کہ فضا چلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چا۔ باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در سپاہان گہ و شام — کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال و کسب ہنر — از حضر رخت بست سوئے سفر
مدتے سیر کرد و ہیچ نیافت — باز سوئے مکان خویش شتافت
چند گہ راہ بادیہ ببرید — تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے — کہ درو بود نخجی و نانے
چوں بخوردن نشست آں سرمرد — عربے در رسید بادیہ گرد
بدوی چوں شنید بوئے طعام — پیش رفت و ستادہ کردہ سلام
داد اورا جواب و گفت کہ — پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سرائے توام — دشت پیمائے از برائے توام

گفت از نسل من خبر داری — بدوی در جواب گفت آری

گفت چون هست احمد آن پسرم — که ز هجرش کباب شد جگرم

گفت از فضل و رحمت یزدان — باغ حسن هست خرم و خندان

گفت چون هست مادر احمد — گفت صد چون برابر احمد

گفت چون هست قصر و ایوانم — کز غمش بر فلاک شد افغانم

گفت آن قصر دلکش و ایوان — داغ رشکی ست بر دل کیوان

گفت چون است آن سگ من — که بود بهر شیر نر بر من

گفت او خاک آستانه ایست — روز و شب پاسبان خانه تست

گفت آن بارکش شتر چون است — کز غمش دامنم چو جیحون است

گفت با وی که فربه است چنان — که مساوی است پشت با کوهان

چون عرب قصه را شنید تمام — با دل جمع کرد میل طعام

خورد چندان که سیر گشت از آن — بدوی را نه داد و بست انبان

بدوی چون خساست او دید — بر خود از درد جوع می پیچید

ناگهان دید کز کناره دشت — آهوی در رسید و تند گذشت

بدوی چون بدید آهو را — از دل خسته جست آه او را

چون عرب آه دردناک شنود — گفت با وی که آه بهر چه بود

گفت ازین بود کان سگ تو — گر نگشت صدقه سر تو

آهوک را همی گذاشت کنون — که ازین دشت جان نبرد برون

گفت ای وای آن سگک چون مرد — گفت از بسکه خون اشتر خورد

گفت خون شتر که ریخت بگو — خاک بر فرق من که بیخت بگو

گفت کشتند اشتر سره ات — که دهند آب آتش همشیره ات

گفت ای وای زوجه ام چون مرد — رخت هستی چسان بخاک سپرد

گفت از لبا بہ کوفت سر بزمیں — از غم فوت احمدِ مسکیں
گفت اے وائے چوں گزشت احمد — گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید — خاک بر سر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ جبل خویش گرفت — بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نارہ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعراء میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں۔ محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جاوے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں چنانچہ سفینۂ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونہ کلام

ہو سکے —

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب نہیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
مہر کرتی ہی لب پہ لگا بیٹھا کتاب تو سب — گھر میں تصویر دل کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھر کم چاہیے
کیسی شفقت ادب کی کا ہو — فوطہ تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دقت ہے تو کچھ واسطہ — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی نے کچھ کیا یہ سمجھ کہ زوال ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی
منچلوں کو وائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سو نظر کر کا ہے طریقت ماں ہے — دودھ والی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام کبھی چھلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اسکا اور اس کا پانی کھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی آزادی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فنا ہوا حسن آفت کر رہا ہو گیا

ایسی جو نہ کہتے تھے بی بی کہیے — وائن جو نہ کہتے ہیں وہی کہیے
کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ سمجھ نہیں — نکتانی نہ کہیے نکٹی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت کھاتے — خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ — عطر شر آگیا لانڈر سے

یہی اچھے برے ہر حکم انجام دیتا ہے / اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب حبیب کر / جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو خفیف اس کو ضرورت دوا کی ہے / شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے

مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر / مرغی کڑک ہے مرغ اکیلا ہے کرنے پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے / عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا داماد ہے

عقد پوتے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو / مل گئی اچھی پلوری مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بندھ گئی / سر نرالے طور سے ڈھانکا گیا

کیونکر نہ کھینچے گی شیخ سے لیڈی کی رسم و راہ / موٹا ملا ہے وہ بانس یہ چھوٹی سی کین ہے

الہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوجداری / پتھر پڑا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری

کیا دوستی نبھائیں آپس میں کیا بنائیں / ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل میں / بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں

کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں / وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں | پرائی بدشگونی کے لیے کٹوا دو ناک اپنی

بڑے دن میں یہ کہکر لیڈیوں کے ساتھ سوتے ہیں | جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا | عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس میں شیریں دہن کی گفتگو | مجھکو انگریزی مٹھائی ہوگئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب | اپنی بی بی تک پرائی ہوگئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ | وہ ضعیفی میں ملائی ہوگئی

نوری۔ ملا حسین شاہ نام تھا۔ مشہد کے رہنے والے تھے۔ غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے۔ اکثر شاعروں اور ظرافت پسندوں کی صحبت گرم رہتی تھی۔ نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوئے تھے۔ مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آگئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب وغریب بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے۔ صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے۔ مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضایع ہوگیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں۔

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں | کنند لوح مزارم زمہرہ دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو سہ | بیکدگر نرسد گر بلب رسد جانم

حرف واو

واحی۔ مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات و رشتہ داری کی وجہ سے خود بھی دہرمؔ پور تحصیل زمنیہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا عہد اشت سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا۔ واحی تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ شغلہ اسی تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اُسکا بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں دلی کے مشہور و معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہمایوں کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ واحی جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے - اور اپنا کلام سنایا - اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا - تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے سناو ضرور سناو - انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا - اور وہی کلام سنایا مرزا نے تخلص سنا - تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی تباہی - بدلو - اس تخلص کو بدلو - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے - مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے - ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے - مگر شاید دل سے نہ بدلیں - دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہو گا - لہٰذا اسکو اسطرح بدلنا چاہئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے - چنانچہ کہنے لگے کہ اب واہی تخلص رکھو - حقیقتاً یہ سچ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے - انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی -

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی - سنا چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو - انھوں نے پہلے تو انکار کیا - کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے - مگر مرزا بھلا ایسے عذروں کے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو - گھڑی بھر کے لئے دل بہل جائے سے مطلب تھا - کچھ ہو کہو ضرور کہو - مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جسمیں ظرافت کے ساتھ پکا ثبوت بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنائی - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کر لیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لیئے تجھ کو چاہیئے   رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں - اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد و رہنما سمجھا - اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہو گیا - واحی نے کافی عمر پا کر ۱۳۱۲ھ میں بمقام دہرمپور انتقال کیا - آخر عمر تک اسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ جوانی میں کی تھی - نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

میرا ہی رقیب ہے ہنوا کہیں جسے   ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں جسے
آسے طوفان جو وحدت پہ تسلسل ہوتے   ساری دنیا ہوتہ آب اگر کل ہوتے
واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے   دہن تنگ تہ خاک تنگ سہری کٹ گئی تا سحر آنکن
بل دکھائیں جو کبھی آپ کے گیسوے دراز   سانپ دہشت کے گئے خوف سے سنبل ہوتے
غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا   کیوں نہ حیرت ہو مجھے سبحہ ہی کا کل ہوتے
ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قریع انبیق سے مے   بادہ پی پی کے جو واحی یہ تامل ہوتے
قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلا ہے   کیا قیامت ہے کہ اس پر یہ تجاہل ہوتے

گڈ ناگوار ہی ہے چماری جو ناک پر ۔۔۔ تحریر پڑھ رہی ہے یہ تقدیر ناک میں
مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے ۔۔۔ ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں
واہی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح ۔۔۔ دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ بسواں ضلع سیتاپور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں۔ مگر بہت کم۔ شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے۔ اسی وجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک ڈیڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہو گئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تکلفانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپ نے اپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔ واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۳۵ - ۳۶ برس کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کرنل کوٹ سے بہتر کوئی کمشنر نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی لڑکے ۔۔۔ مستقل درد میں جنکے لئے فادر ہی نہیں
پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سالکٹ ۔۔۔ ان بڑی بی کو کبھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

وجود - سید محمد علی نام تھا - بنارس کے رہنے والے تھے - غزل گوئی کے مشتاق تھے - شاگردی کا سلسلہ صاحبقران تک پہونچتا ہے - صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے -

رکر نے حرف میں جب جھکایا ۔۔۔ بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت - آپ کا نام وجاہت حسین ہے - جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے سنہ ۱۸۹۰ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا - اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی - مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا - آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہوکر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لیاقت کا مظہر نہیں ہے - اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے - مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ وہی رہا سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی - اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کرلی - چنانچہ سنہ ۱۹۱۳ء میں آپ کا مجموعہ کلام شائع ہوگیا - وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے - چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا - گو بمقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے - مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی - چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے - اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں - مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے - میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چن کر پیش کرتا ہوں اور ان اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم و جاہت میں لکھے ہیں - نمونہ کلام

واعظ اور سیّد

تضمین بر نظم اکبر مرحوم الٰہ آبادی

شہرہ جناب سید کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا — پھر تو وہ خود کو دل میں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا چپکے چپکے بڑھا ایسا حوصلا — سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا — شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو منکر ہے نہ قائل نصیب کا — سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دل کو تو قوم قوم — سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست نوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم — ہے تجھ سے ترک حج زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیرا یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج — سارے جہاں سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا مزاج — آخر دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر — گھر میں ہے ایک عمر گزاری ہیں بیٹھ کر
پر سو گیا ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

تجھ کو نہیں مسجد و دل کیا ہے آپ عمر بھر　　پڑھتے رہے خشک آپ وضو سے ہوا نہ تر
سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گذر　　یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی　　چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی
ہوٹل میں جا بیٹھیں سیر کریں کافی شاپ کی　　دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں　　میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں
دلدار دلستان و دلآرام و دلنشیں　　نوخیز جامہ زیب گل اندام نازنیں
عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سے پریوں کا واسطا　　اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا
اس بے تکلفی پہ کبھی اے مرد پارسا　　رک جائے اگر تو ہنسکے کہے ایک مہ لقا
دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام　　افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام
پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام　　اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں　　پیرو دین مسلمانی ہوں میں
دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی　　صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام   معتکف یا قطب ربانی ہوں میں
آ گیا ننانوے کے پھیر میں   حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں
نفس امارہ کا دشمن بن گیا   یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوں میں
کیوں نہ درد قوم کا دورہ اٹھے   غمگسار نوع انسانی ہوں میں
ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار   افتراد مکر کا بانی ہوں میں
یہ مری ریش مقدس واہ واہ   خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں
کام آ جاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ   اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں
اے وجاہت یہ مرا اصلی مآل   سچ یہ ہے ننگ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یوروپین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیا نے یہ بدر النسا سے   کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے   پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں   خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا   لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کرتی انگیا وہی بند محرم   چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری
لڑائی میں بڑھ کر ہو ہتھیار لیتی   چلاتی ہو بیدھب چھری اور کٹاری
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا   نئی روشنی میں چلن ہیں گنواری
ہو پردہ کے زندان میں تم مقید   تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری
مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں   یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری
تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اس نے   پڑے بھاڑ چولھے میں یہ شوہر داری
کہا سن کے بی بی نے لیے میم صاحب   بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے — بہت تم نے بڑھ چڑھ کے قینچی کٹاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر — بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم — تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاندماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں — پھٹکتی نہیں پاس تک شرمساری
ہوئی ڈولی اور ہندکار سے نفرت — پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہ اتراؤ میموں کا سایہ پہن کر — کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا — نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری
خطابوں کی شیدا ہیں عورتیں بھی — بیاہی مسز اور مس ہے کنواری
ترقی کرو علم شائستگی میں — نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا — بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا — حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہے زیبا انھیں کے لیے بے حجابی — ہے شایاں ہمارے لیے پردہ داری
نہیں ملک میں رعب اپنا کچھ بھی — حکومت سے چھپتی ہیں باتیں ساری
مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو — ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں قد شیخ کا — کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا
گرے اسمیں عشاق کے دل بہت — ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا
میسر ہاں ہیں میکدے کے شیخ — اُن کے گھر کی دکان ہے گویا
خریدو میرے دل میں رہتے ہیں — حسینوں کی کان ہے گویا

فلک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے — یہ بوڑھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل
ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا

آسماں بھی ہے پیر نابالغ
وقت دیکھا نہیں جوانی کا

ناز سے ڈال لو بل ابرو میں
پیچ کس دو ذرا کمانی کا

قیس دیوانگی کی حالت میں
راجہ تھا بن کی راجدھانی کا

موت کرتی ہے چاروں خانے چت
ہے رواں داؤ پہلوانی کا

مقتل میں غیر آنہ سکا ڈر کے ہٹ گیا
بزدل نہیں تھا جھٹکا کہ یوں صفا کٹ گیا

حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا
اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا

نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھدیا
کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں بے ٹکٹ گیا

واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح   ق
یہ جانتے تھے اسکا لب اب بائپ کٹ گیا

لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پر
رندوں نے پشت پھیری تو اٹھکر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ
سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا

ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں
وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیا دل کا
کوچۂ یار شفا خانہ ہے بیمار دل کا

پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار
ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا ہمار دل کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھکو تو بیرے خون بہے
توسن عمر رواں بنجائے دلدل کا جواب

ہے خم محراب ابروے صنم کیا خوشنما
بحر عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب

بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ
برہمن کے پھول ہوں گے شیخ کے قل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمین پر	نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکی وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا	دولہا کے منہ پہ لگتی ہے آکر دلہن کی شاخ

رندو چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج	نیلام ہوگا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نامکمل ہے	ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لمبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس نے کیا حاصل	اٹھالے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے	جو در کے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے	دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے مے آشاموں کی صحبت بھی	ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج	کہ باندھے پر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل	وہ اسکی قبر پہ دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر	اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈائے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھول کر کبھی	میں ان کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ	تم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کچہری کی مذمت	سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے اذاں بھی زاہد	آدمی کوئی اگر ہو جا تو ذرا اتنا تو ہو

بابا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تنے
قصہ کوتہ باپ کا پیرو پسر اپنا تو ہو

نقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں
عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت جانکنی مستا
پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہر لب دم کی بھی جاں نثار
ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے
جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری
سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہوگی
رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ
پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں
وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر نہیں سستا
ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
پھاڑ کھائیگا قیس کو اک دن
سگ لیلی کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام
چاق چوبند یہ بچھیرا ہے

جو اس اُن کے جاتے رہے صبح وصل ــــ مرے گھر بنی پھلپھڑی رہ گئی
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے ــــ یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی
نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں ــــ وجاہت ہی کی جھونپڑی رہ گئی

دل ربا بچ کر نگاہ ناز سے ــــ لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہینے کوے دلربا کے سامنے ــــ تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعراء میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھ سے اور اُن سے رات میلے میں ــــ میں کہتا تھا نہیں مل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں
کہا میں نے کہ اک بوسہ کہ کف پا کا مجھے دیدو ــــ لگا کرلات وہ کہنے لگا سالا کف پا کا

وصل ۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین مادل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر واکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضائے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا تک جو آغوش میں میں تو بولا ــــ اسے چھوڑ کب تک مسانا رہے گا
ہاتھ میں ہاتھ لے غیر دل کا پڑے پھرتے ہو ــــ ہم جو دامن چھوئیں تو آپ جھٹکنے جاویں

وصل کی شب میرا آ گیا پر اگر ہو دسترس میں یہ سمجھوں آ گئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدرآباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔ اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں
نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں
بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں
چرٹ منھ میں تو سر پر ترکی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر چڑھا کر آنکھوں پہ عینک نظر برباد کرتے ہیں
اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی تو ہنسکر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں
کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں
ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو فصاحت سے بلاغت سے یہی ارشاد کرتے ہیں
یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں تو پھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انہیں کوئی برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
ذرا سے شک پہ تکیہ اٹھا کر دیکھ لیں سارے کہ شاعر ہی زمین شعر کو آباد کرتے ہیں
حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں اگر بابو کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں
بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن بھلا کیوں نا دلوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
نہ ہو جب تک چھری کانٹا یہ کھانا کھا نہیں سکتے اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں

انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کہکر یاد کرتے ہیں

یہی تہذیب ہے، تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُس سے ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادر زاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۱۰۹۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہے گا — مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جا ڈوبنگی چُھٹ‌و
رضا گر مجھکو دیتے ہی کرونگی گھر میں جا وارد — اگر مجھ پر دو بنگی فرصت صبح پھر آونگی چُھٹ‌و

ہاے واے۔ تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں۔ جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا۔ جس کسی کو خبر ہوئی۔ سو ضروری کام چھوڑ چھاڑ کر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی۔ ان میں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت۔ استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے۔ اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب بے تعداد ہیں بے شمار ہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی۔ اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے ہائے واسے تخلص پسند کیا ہے۔ تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو۔ مگر مجھکو صرف یہی ملا۔ جو مع نثر نقل کرتا ہوں۔

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں۔ کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کر کے روتے رلاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ بلک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے۔ اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے۔ اسی وجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پہ بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے۔ ہاں خوب

یاد آیا - عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں - بلکہ شادی میں - کب جب میں بنا تھا - ہنسنے سے یہ نہ خیال فرمائیے گا بنا بنا تھا - بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا - الحمد للہ وہ بگڑا گیس میں آدمی بن گیا - یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا - لوگوں کی شرا شری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں - ہاں اور سنئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے - لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اس وجہ سے ذرا نظم کہتے تو نہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں - اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری سٹہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سننے سوز و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے - پس بندہ بھی قید شاعری کو سلام کر کے نوحہ یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے - اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع تو گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے -

روتا ہوں کبھی روتا ہوں

دیکھئے داغ امیر و داغ ہائے امیر وائے داغ — دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ
کس کو غزل سنائیے داد کہاں سے پائیے — روئیے اور رلائیے ہائے امیر وائے داغ
دلی ہی یا نذریاں ہوئیں جو کسی پر اک ستم شور فتن — غل ہے بجا ہے یا حسین ہائے امیر وائے داغ
کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے — کہہ سکے کوئی نظام رثہ ہائے امیر وائے داغ
وہ جو ہمیں سنا گئے کہ ہم بھی کفن ہی حنے بیٹھئے — مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ
ہائے مجھے ملال ہے رنج والم کمال ہے — غم سے برا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ
بسکہ مرض تھا لادوا ہونا تھا جو وہی ہوا — دابا اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ مدمذاد ہے اور نہ غزل ہی باقی ہے — رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر ہائے داغ
غم سے جو آپ پیش آئے سال وفات کیا سنا — کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے ہائے امیر ہائے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم حضوری آ گئی — کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی
میرے دل سے پوچھئے صدمے ہیں کیا کیا جان پر — ہائے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی
یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا — میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی
مجھ سے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات — سال تاریخ سمجھی ہے جو دوری رہ گئی
ہے کفر کے لے گئے داغ اور از روئے قلق — شاعری ہندوستان میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ صاحب سپرد تخلص صابر تھا حضرت ہجر سنہ ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنیا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے۔ پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا۔ اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا جس نے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف عنوانوں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

میں شائع ہوتے رہے ۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی کے ساتھ ان کو پڑھا ۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا ۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے ۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے ۔ مگر زیادہ تر میلان طبع ظرافت کی طرف تھا ۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ رنگ ظاہر ہو جاتا تھا ۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں ۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا ۔۔۔ کہ ہستم اسیر کمند ہوا
مزا کر کرا ہو گیا دے جرس ۔۔۔ نداریم غیر از تو فریاد رس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست ۔۔۔ وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست
تمک چو اس مس قلب را کیمیاست ۔۔۔ کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے اختیار ۔۔۔ شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں ۔۔۔ نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں
کمر خم ہوئی بگیا مغز و پوست ۔۔۔ تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگائے اگر دم سنبھل ۔۔۔ زند سوز از شعلہ در آب و گل
ادھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم ۔۔۔ کہ ناگہ شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پئے ہے وہی آدمی ۔۔۔ نہ زیبد نہ مردم بجز مردمی
میاں جھجر بیٹھیں آٹھوں پہر ۔۔۔ لطافت میسر شود در بسر

۔ ہجر مرحوم نے ایک مرتبہ ایک ۔ قومی اتفاق کے موقع پر ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ شرف قبول حاصل کیا۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پر ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے — زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے — خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے — جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے — نیا روز اک جوڑ بھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمھیں با خدا تھے — بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دہرم آتما تھے — بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک — یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک — یہ مینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخر شچاہ کن کو

ہدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام ہمی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ جہاں پناہ نے کہا کہ اگر شاعر ہو تو سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر بے معنی کہکر ہمکو سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو خمسہ نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے غلام آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہر بیت کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ اگر کوئی شعر بامعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہمل کہکر نذر گذرانا۔ تمام خمسہ میں تین شعر بامعنی نکلے اُسکے بدلے میں وعید کے موافق تین دانت اکھڑوا دیئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے صلہ میں وعدہ عطائے یک عباسی فی شعر پورا کر دیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامۂ مہمل کے تین شعر یہ ہیں۔

اگر عاقلی بخیہ بر مو مزن | بجز پنبہ بر فصل آہو مزن
برغم ملک ترکتازی مکن | باہنگ ماہیچ بازی مکن
کہ نعل از تبسم مربا شود | بہ پیر آسیا کہنہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

خراش سر مدعا سگ گزر مکن | رخنہ در مہر جوال دوز مکن
دم بجز دم نشدہ سیل مزن | سائباں بر سر خلیل مزن

نمونہ شیر یا خسرو مہمل

منہ چوں میل سر در پے خشخاش | مکن چوں سرمہ داں جاے نقاش
بیاباں وقت گل دروازہ دارد | کلید بوریا آوازہ دارد
نہ تنہا دوستی در کاہداں است | کہ ایں ناداں جاے عاشقاں است

ہُد ہُد۔ ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اور پوربی وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلّی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آکر رہے۔ اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا دھندا تھا۔ کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے۔ پڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت سمجھیے یا شامت اعمال کہیے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ اُدھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں اُن معانی اور مطلب کی بھنک پڑ گئی جو میاں جی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آگیا۔ جو مطلب سنا عجیب و غریب جو معنی کان تک پہونچے انوکھے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آگئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہہ دیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہا چلے گئے۔ اُدھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنا دیے۔ دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں
باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو ڈھول میں پول نکلے۔ بس پھر کیا تھا۔ ان کو
ایک چیز ہاتھ لگ گئی۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری
کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب
ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے لے چلیں۔
انھوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی
دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھڑے کا کھرا غزل
کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران
تھی اسمیں کچھ اپنا تصرف کر کے بالکل دیوار قہقہہ بنادی۔ آئے دن مشاعرے
ہوا ہی کرتے تھے کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد
تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی۔ یعنی لنکدار ڈاڑھی۔
گھٹا ہوا سر۔ آسپر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو
ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انھوں نے
جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انھوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کر دیا۔ انھوں
نے منظور فرما لیا۔ آخر انھوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کر کے موجودہ
تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ
ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب
بیک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر
نہ دیکھا تھا چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی
تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ
کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چوچ اپنی وا کروں
تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کر دوں

جو آ کے زیر کرے میرے آگے موسیقار
تو ایسے کان مروڑوں کہ بےسرا کر دوں

جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آ کر
تو اسکے نوچ کے پر شکل نیولا کر دوں

میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے
فلک کرے جو مقدر ہیں با جرا کر دوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہو گئے۔ اور فوراً طائر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہو گئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں۔ انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہو گیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بندوبست کئے دیتے ہیں۔ جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کر دی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہ کسکے آگے روئے
کس سے جا کے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے

تجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار
ہیں بجا کرنے سمند طبع کے یہاں لو لئے

حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوئے عمر
کاش کے ہم سیکھتے اس سے بنانے بولئے

سنگلاخ ایسی زمیں ہے دیکھیو اے دل تا کجا
تک کیجئے صرف آہیں اور پتھر ڈھوئیے

رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز
یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں ہیں بوئیے

دیجئے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بنا گر گھونسلے
مارتا پھرتا ہے ہدہد ہے تا یک لوٹئے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہو گئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کر کے نذر گزرانی

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر اُدھر سے بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

عیش — عبدالکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں۔ زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعراء میں سے ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف ایک شعر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں۔

ہم جو کم ہے عیاش ضعیف تنگدستی ہے ... ورنہ ... واسطے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نورجہاں بیگم زوجہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیفہ گو تھے۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم دیوان ان سے یادگار رہا ہے۔ مگر ناپید ہے اسی لئے ان کی ظرافت کے پورے پورے نمونے نہیں دئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتاً درج کیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بہ امید انعام ایک قصیدہ کہا۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی ... سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک مجموعہ ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے ۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف　　اے منجم جب فنا فی ..... تو ہو جائیگا

خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی　　اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو

جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار۔ محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے۔ مگر چونکہ
بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اوائل
عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی
ہو گیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی اب بھی اجازت نہ دی
اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور ریل کمپنی میں ملازم ہیں
شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ
کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اس وقت یار تخلص
کرتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوٰۃ متشرع ہیں
اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی۔ چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں۔

جوان کو چکھتا ہے کہتا ہے انکو وہ شیریں | لبوں میں آپ کے شکر کا کارخانہ ہے
نکل کے چھوڑینگے مجھکو وہ ایکدن اے یار | میں تو بلا پتلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

اداؤں کی دونالی سے وہ مجکو قتل کرتے ہیں | نہ چوکیگا اس کا غم ہے نہ خطا شہ اد کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر حضرت ابر الٰہی کی خنکی سے | مرے حصے میں ہنسی ہے ترے حصے کی غم ہے
ملا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا | بہت میٹھا ہے لیکن ذرا مہنگا چقندر ہے
اٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے | بڑا ہے چاند رستیں اپنے نصیبہ کا سکندر ہے